Presented by: Rana Jabir Abbas

الصحیح

من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جلد اول

(اردو ترجمہ)

مؤلف

علامہ جعفر مرتضی عاملی

ناشر

معارف اسلام پبلشرز

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

معارفِ اسلام پبلشرز

نام کتاب : الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم (ص)
(اردو ترجمہ)

جلد : اوّل

مؤلف : علامہ جعفر مرتضیٰ عاملی

ناشر : معارفِ اسلام پبلشرز

تاریخ اشاعت : جمادی الاولی ۱۴۲۰ ھ۔ ق

تعداد : دو ہزار

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مقدمہ ناشر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اگرچہ پیغمبر اسلامؐ کی شخصیت اور زندگی کے متعلق آج تک مختلف زبانوں میں سینکڑوں کتب اور مقالہ جات مشرقی و مغربی، مسلم و غیر مسلم مؤرخین کے ذہن کے دریچوں سے نقل کر رشحات قلم کے ذریعے صفحہ قرطاس پر منتقل ہو کر تحریری روپ دھار چکے ہیں اور ان میں سے ہر ایک نے خاتم الانبیاءؐ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو روشن و واضح کرنے میں اپنی حد تک موثر کردار ادا کیا ہے، لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ ان میں سامنے آنے والے نکتہ ہائے نظر، پس پردہ اغراض و مقاصد، ان میں پنہاں محرکات اور مورد استفادہ قرار پانے والے منابع میں نہ صرف تفاوت بلکہ تناقض و تضاد پایا جاتا ہے۔

صدر اسلام میں پیغمبر اکرمؐ کی سیرت اور زندگی صرف آپؐ کے اصحاب کے مشاہدات اور مسموعات میں ہی منحصر تھی۔ آنحضرتؐ کی رحلت کے بعد نئی نسل میں احادیث کا علم اور آپؐ کی زندگی میں رونما ہونے والے واقعات اور حوادث کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا شدید شوق اور تشنگی پیدا ہوئی، لیکن اصحاب اور تابعین کی یکے بعد دیگرے اموات اور خلیفہ دوم کی جانب سے پیغمبر اکرمؐ کی احادیث اور تاریخ قلمبند کرنے پر پابندی عائد کئے جانے سے آپؐ کی زندگی کے بارے میں صحیح معلومات تک رسائی مشکل، بلکہ اس میں مختلف قسم کی رکاوٹیں کھڑی ہو گئیں۔ یوں مسلمان آنحضرتؐ کی روشن و درخشاں اور نشیب و فراز سے معمور زندگی کی تاریخ کا مطالعہ کرنے سے محروم ہو گئے۔ اسی دوران بعض مورخین نے کسی تجزیہ و تحلیل کے بغیر اور غیر منصفانہ طور پر تاریخی واقعات نقل کیے، جبکہ بعض دوسرے مؤرخین نے پہلے سے گھڑے غلط مفروضات، حدسیات اور غیر مستند اجتہاد کے بل بوتے پر بعض کتب تالیف کیں، لیکن دور اندیش، باریک بین، متعہد، ذمہ دار اور محقق مؤرخین نے بچے کھچے مدارک سے استناد کرتے ہوئے نہ صرف عہد پیغمبر اکرمؐ میں رونما ہونے والے تاریخی واقعات اور حوادث کے بارے میں درست تجزیہ و تحلیل کیا، بلکہ صحیح اور غیر صحیح و من گھڑت تاریخ میں تفریق کرنے کے ساتھ ساتھ تاریخ نویسی کے میدان میں نیا انقلاب لانے میں کامیاب ہوئے، اس طرح مسلمانوں کے ہاں موجود "سیرت نویسی" کی روش میں بہت بڑی تبدیلی نے جنم لیا، جو بعد میں سنگ میل ثابت ہوئی۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جدید دور میں محققانہ تاریخ نویسی نے نئی شکل اختیار کی اور محققین اور مورخین نے عہد پیغمبر اسلامؐ میں جنم لینے والے واقعات اور حوادث کو پہلے سے زیادہ بحث و تمحیص اور تنقیدی نگاہ سے مورد توجہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ علامہ محقق جناب سید جعفر مرتضی عاملی نے گراں بہا کتاب " الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم " تالیف کرکے زندگی پیغمبر اسلامؐ کی صحیح و مستند تاریخ پیش کرنے کی جانب ایک بڑا قدم اٹھایا ہے۔ تحقیق و جستجو کے لحاظ سے تاریخ اسلام کے دوسرے شعبوں میں کام کرنے والے محققین کے لیے یہ بہترین نمونہ عمل ہے۔

یہ کتاب جو انتہائی آسان فہم الفاظ و مطالب اور سلیس و روان عبارت اور مکمل محققانہ انداز میں تالیف کی گئی ہے پیغمبر اسلامؐ کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو واضح طور پر پیش کرتی ہے۔ اس کتاب کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ محترم مؤلف نے تاریخی واقعات کو صرف نقل کرنے پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ موشگافی اور انتہائی دقت کے ساتھ بہت سارے تاریخی واقعات کو پردہ ابہام سے باہر نکالا اور قارئین کے اذہان میں تاریخ کے متعلق روش تحقیق کی ایک نئی طرح متعارف کروانے کے ساتھ ساتھ ایک جدید روش کی داغ بیل ڈالی ہے۔

اس کتاب کو اردو میں ڈھالنے کا مقصد یہ ہے کہ " اردو زبان مسلمان " پیغمبر اکرمؐ کی صحیح تاریخ تک کہ جو انتہائی اہمیت اور افادیت کی حامل ہے دسترسی حاصل کرتے ہوئے اپنے باعث افتخار اور درخشاں ماضی کو خوف و امید سے آمیختہ مستقبل کے لیئے مشعل راہ قرار دیں۔ وہ مستقبل جو دنیا کے دور دراز علاقوں میں مسلمانوں کی بیداری کی وجہ سے بغض و عداوت اور کینہ کا شکار ہو چکا ہے۔ وہ مستقبل جسے دشمنان اسلام و مسلمین مختلف سازشوں کے ذریعے درخشاں و تابناک ماضی سے جدا کرکے اس میں تحریف ایجاد کرنے اور اسے نابود کرنے کے درپے ہیں۔

اس کتاب کا اردو میں ترجمہ " معارف اسلام پبلشرز " کی طرف سے شائع کیا جارہا ہے۔ یہ ادارہ حوزہ علمیہ قم کی مشہور علمی شخصیت فقیہ عالیقدر جناب آیت اللہ طاہری خرم آبادی (دامت برکاتہ) کے زیر سرپرستی اسلامی علوم و معارف کی ترویج کے لیے کام کررہا ہے۔ تاریخ اسلام کے حقائق کے متلاشی افراد بالخصوص جوانوں کو اس گراں قدر کتاب کا مطالعہ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تاکہ وہ اپنی اسلامی خودی کی طرف لوٹیں اور اسلام کے عظیم اور نورانی تمدن سے استفادہ کرتے ہوئے پیغمبر اسلامؐ کی سیرت سے الہام لیتے ہوئے اپنے لیے ایک واضح راستے کا انتخاب کریں اور اسی پر اپنا طرز زندگی استوار کریں۔

من اللہ التوفیق

" معارف اسلام پبلشرز "

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ضروری وضاحتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

و الحمد للّٰہ رب العالمین. الرحمان الرحیم.
مالک یوم الدین. ایاک نعبد و ایاک نستعین.
اھدنا الصراط المستقیم .....
و الصلاۃ و السلام علی محمد المصطفیٰ، خاتم
الانبیاء و المرسلین و آلہ الکرام البررۃ، الطیبین الطاھرین.
و اللعنۃ علی اعدائھم اجمعین، من الاولین،
و الاخرین، الی یوم الدین.

قبل اس کے کہ میں اس کتاب "الصحیح من سیرۃ النبی الاعظم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم" کے مطالب قارئین کی خدمت میں پیش کروں، مندرجہ ذیل امور کی طرف اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں:

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۔ موجودہ کتاب کی تدوین کے سلسلے میں پہلے درجے پر میں نے سابقین کی کتب پر تکیہ کیا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں معاصرین کی کتب کی طرف کوئی قابل ذکر رجوع نہیں کیا، کیونکہ ان کتابوں میں جو کچھ میں نے دیکھا ہے وہ عام طور پر ایسے مطالب ہیں جو انھوں نے گذشتہ افراد کی کتابوں سے لئے ہیں البتہ ان مطالب کو انھوں نے خاص نظم و ترتیب، مختلف انداز نگارش کے ساتھ اور توجیہ و اصلاح کے ساتھ تالیف کیا ہے۔ انھوں نے صرف اتنا کام کیا ہے کہ ان مطالب پر اپنی تائید و تاکید کے ساتھ جملات اور کلمات کو نئی ترتیب اور نئے رنگ میں پیش کر کے اپنی علمی برتری کو ان مطالب کے ذریعے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے بغیر اس کے کہ انھوں نے اس حوالے سے کوئی تحقیق کی ہو اور ان کے صحیح یا غلط ہونے میں دقت نظر سے کام لیا ہو۔ گویا انھوں نے سمجھ لیا کہ یہ نصوص، وحی الٰہی کا جزء ہیں اور ان میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے اگرچہ وہ آپس میں متضاد اور متصادم ہی کیوں نہ ہوں اور انھوں نے ہر طریقے سے انھیں جمع اور ان کی تصحیح کرنے کی سعی کی ہے اور اگر ان کا آپس میں جمع کرنا ممکن نہ ہوسکا تو پھر انھوں نے سوچا کہ ان پر سکوت اختیار کیا جائے اور یہ کہا جائے کہ ہمیں حقیقت حال سمجھ میں نہیں آئی۔

۲۔ اس کتاب میں میری زیادہ کوشش یہی رہی ہے کہ اس چیز کے صحیح اور غلط ہونے کے بارے میں جس کا تاریخ کے عنوان سے ادعا کیا گیا ہے، تحقیق اور جستجو کروں لیکن اس حد تک کہ جتنی اس کتاب کے حدود اجازت دے سکیں۔ اس طرح میں نے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ وقت کے ان لمحات کی اچھائی اور برائی کی مکمل تصویر کشی کی جائے اور جو واقعات حساس موارد سے لبریز ہیں خصوصاً ایسے مواقع جو ہمیشہ محققوں، سیاستدانوں اور مذہبی افراد کی توجہ کا مرکز رہے ہیں اور وہ اپنے اہداف کی تکمیل کے لئے ہمیشہ ان واقعات کو بطور شاہد پیش کرتے رہے ہیں کیونکہ ایسے ہی واقعات اور لمحات تھے جنھوں نے انسانی معاشرے کی بنیادوں کو کھوکھلا کردیا اور انسانیت کے معیاروں پر کاری ضرب لگائی گئی یہ صرف ظاہر اور سطحی اقدامات نہ تھے۔

ہر چند یہ کام حقیقت میں انتہائی دشوار اور مشکل ہے لیکن مجھے اچھی طرح علم ہے کہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عالم اسلام کے کتب خانوں کو ایسی جدوجہد کی کتنی ضرورت ہے اگرچہ یہ کتنی محدود اور نامکمل ہی کیوں نہ ہو۔ اس لئے میں اس میدان میں داخل ہونے کیلئے آمادہ ہوگیا اور مشکلات کو برداشت کرنے پر تیار ہوگیا تاکہ میری یہ کوشش اس زمانے کے واقعات اور حوادث کی شناخت کے لئے "علمی تحقیق" کے طریقہ کار پر اعتماد کی طرف پہلا قدم قرار پائے۔

۲۔ اگر کسی وقت قاری، کتاب کی تحقیقات اور تجزیہ و تحلیل میں نشیب و فراز کا مشاہدہ کرے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب ایک لمبے عرصے کے دوران لکھی گئی ہے طویل مدت، انسان کے راستے میں وقت کے عنصر سے کما حقہ استفادہ کرنے میں رکاوٹ ہے۔ اسی طرح انسان کی مختلف حالتیں مثلاً کبھی وہ تازہ دم ہے، کبھی اسے تھکاوٹ کا احساس ہوتا ہے۔ کبھی مسرور اور شاداں ہوتا ہے، کبھی وہ غمگین ہوتا ہے، بحث اور تحقیق کی مشکلات کو حل کرنے میں اہم انداز ہوتی ہیں اور انداز گفتگو پر ان کا اچھا خاصا عمل دخل ہوتا ہے۔

۳۔ اسلامی تاریخ کا المیہ یہ ہے کہ سیاسی اور مذہبی اغراض اور دوسرے عوامل کی وجہ سے جھوٹ اور کذب سے مخلوط ہو چکی ہے جس کی وجہ سے حقیقت تک پہنچنا نہایت دشوار اور انتہائی مشکل ہے۔ اگرچہ ناممکن نہیں ہے۔ بہرحال ضروری ہے کہ درج ذیل امور کی روشنی میں تاریخ کا مطالعہ کیا جائے۔

الف) ایک خاص قسم کی تالیفات اور مخصوص مولفین کے نظریات پر اعتماد اور بھروسہ کرنے کی وجہ سے انسان بہت سے حقائق کے جاننے سے محروم ہو جاتا ہے جو تاریخ کے گوش و کنار میں واقع ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسے حقائق جو ضخیم پردوں کو بھی پارہ پارہ کر دیں تاکہ وہ ہم تک صحیح و سالم پہنچ جائیں اور تحریف سے محفوظ رہیں۔ پیشہ ور سیاستدان اور متعصب افراد ان پنہاں حقائق سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتے تھے اور اپنے لئے نقصان دہ نہیں سمجھتے تھے لہذا انہوں نے ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا لیکن با بصیرت محققین اور حق کے متلاشیوں نے جو تعصب کی آلودگی سے پاک تھے اور دھوکے باز افراد کی پست خصلت اور تحریف کی لعنت سے دور تھے جن کی تعداد بہت ہی کم ہے، تحقیق کے دامن کو تھام لیا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور حقائق تک پہنچ گئے۔

اس امر کی دلیل یہ ہے کہ کبھی ایک شخص کسی چیز کو بہت زیادہ اہمیت دیتا ہے اور حد سے زیادہ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے لیکن اس پر اسے کوئی واضح اور درست ثبوت نہیں مل پاتا اور وہ سرگردان رہتا ہے لیکن بناوٹی باتوں اور خیالی دنیا سے دور، بعض ضرورت مند افراد اس تک پہنچ جاتے ہیں ایسے افراد کوشش کرتے ہیں کہ انسانی زندگی کی فکری جہتوں کو تبدیل کر کے انسان کو ہر ایک امر سے بے نیاز کر دیں۔

ب) ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اسناد کی بحث اور ان پر اعتماد کرنا اس عنوان سے کہ وہ اس موضوع کو قبول کرنے کا تنہا معیار اور مقیاس قرار پائیں یعنی ہم صرف نصوص کے چند موارد پر اکتفا کر لیں یہ بات ہمارے اہداف کو پورا نہیں کرتی کیونکہ یہ امر پیغمبر اکرمؐ کی سیرت کا خلاصہ پیش کرنے سے بھی قاصر ہے چہ جائیکہ صدر اسلام کی تاریخ کے مجمل پہلوؤں کو اجاگر کر سکے۔

اس صورت میں بہت سی صحیح روایات جو صرف صحت سندی کے معیار پر پورا نہیں اترتیں اور ان میں قبولیت کی کمترین شرائط کا بھی فقدان ہو ان سے ہمیں ہاتھ کھینچنا پڑے گا۔ ایسے موقع پر ایک محقق جہاں آزادی حرکت، واقعات کو آپس میں ربط دینے اور نتائج اخذ کرنے کی قدرت سے محروم ہو جائے وہاں وہ اپنے عمیق فہم و ادراک سے جو اسے مسلسل تجربات کے نتیجے میں حاصل ہوا ہے، ان حقائق کو کشف کرنے میں کوئی مدد نہیں لے سکے گا جن کی اسے تلاش تھی اور یوں حقائق ابہام میں رہ جائیں گے۔

یہ سب مسائل ان اہم مشکلات کے علاوہ ہیں جو ہمیں گفتگو کو ارباب فکر و دانش تک پہنچانے اور بحث کو ان کے لئے مقبول اور معقول انداز میں بیان کرنے کے حوالے سے پیش آتی ہیں اور ان کے حل کے بغیر ہمارے پاس کوئی چارہ کار بھی نہیں ہوتا۔ خصوصاً یہاں پر جس بنیادی مشکل کا سامنا ہے وہ اسناد کو قبول اور رد کرنے کے معیاروں سے مربوط ہے اور اس امر سے متعلق ہے جو عام طور پر بنیادی عقائد کی اساس پر استوار ہوتا ہے۔ لیکن خود ان امور میں بحث ایک لمبی مدت اور بہت زیادہ جدوجہد کا تقاضا کرتی ہے۔ البتہ یہ بات

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس وقت درست ہے جب ہم بہت سے موارد میں کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکیں اور ہماری گفتگو بے فائدہ اور مجمل رہ جائے اس کی وجہ یہ ہے کہ فکر و شناخت کے منابع اور اعتقاد کی بہت سی بنیادوں کے بارے میں مختلف مذاہب اور علماء کے درمیان ہمیشہ اختلاف رہا ہے لہذا جب ہم سند کے بارے میں بحث کریں گے تو ہمارا انداز اور روش وہ ہوگی جس پر سب فرقوں کا اتفاق ہوگا یا کم از کم وہ اکثریت کے نزدیک قابل قبول ہوگی۔ اگرچہ اکثر مواقع پر ایک گروہ دوسرے گروہ سے نتیجہ نکالنے کی کیفیت میں مختلف ہوتا ہے۔

ج) گذشتہ امور کے علاوہ نصوص، تاریخی ثبوت اور روایات کو پرکھنے اور ان کے باہمی ارتباط کو سمجھنے کے لئے جس نکتے کی طرف توجہ دینا ضروری ہے وہ مبادی اسلام و قرآن اور نبی الاعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت، روحانیت اور اخلاق ہے۔ بلکہ ہمیں ہر اس شخصیت کے بارے میں یہی طریقہ کار اختیار کرنا چاہئے جس کی مجموعی سیرت، اخلاق اور نظریات کے بارے میں ہمیں علم ہوتا ہے۔

د) ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ بحث و گفتگو کے ایسے اور بہت سے ذرائع موجود ہیں جو مسلسل تجربات کے مرہون منت ہوتے ہیں مثلاً نصوص کا تناقض اور یہ کہ یہ تناقض ایک وقت کی ایسی شخصیت کے احوال سے سامنے آتا ہے جو اس وقت عموماً زندہ ہی نہیں ہوتی یا تاریخی حسابات لگانے اور تحقیق کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ کا اس زمانے میں وقوع پذیر ہونا ممکن ہی نہیں تھا اور اس طرح کے دوسرے امور جنہیں ہم بہت جلد بیان کریں گے۔

ہ۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ مسلمانوں نے تاریخ کی تدوین اور نگارش کو جس قدر اہمیت دی اس کی مثال سابقہ امتوں میں نہیں ملتی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ان تمام نقائص کے باوجود تاریخ اسلام بطور مطلق ایک غنی اور مالامال تاریخ ہے۔ لیکن چونکہ اس کی تدوین میں سیاسی نظریات اور مذہبی تعصبات اور دیگر عوامل کا عمل دخل رہا ہے جن کی وجہ سے تاریخ اسلام جھوٹی اور جعلی باتوں سے مخلوط ہوگئی ہے اور اس کے حجم میں اضافہ ہوگیا ہے۔ (جیسا کہ پہلے بھی ہم نے کہا ہے) لہذا طبیعی طور پر روایات اور واقعات میں سے صحیح

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کو باطل سے جدا کرنا نہ صرف دشوار ہے بلکہ نا ممکن بھی ہے اسی لئے جہاں تک ممکن تھا ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی حیات طیبہ اور اس زمانے کے واقعات کی ایک عمومی و اجمالی تصویر کشی کی ہے اور اسی پر اکتفا کیا ہے۔

۶۔ جیساکہ قارئین محترم ملاحظہ کریں گے کہ ہم نے مصادر اور شواہد سے کم از کم مقدار میں استفادہ کیا ہے اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ جن حقائق کو ہم نے عام طریقے سے پیش کیا ہے ان کی تائید اور تاکید کے لئے بہت زیادہ مصادر اور منابع کو فراہم کیا جا سکتا تھا۔

۷۔ جہاں ہم نے دوسروں کے مطالب اور نکات سے استفادہ کیا ہے وہاں ہم نے حوالے کا ذکر کرنے میں بھی کوتاہی نہیں کی۔ البتہ جہاں کوئی حوالہ یا مآخذ نہیں ملا وہاں ہم نے کسی کے قول پر اعتماد نہیں کیا۔

۸۔ آخر میں اس بات کا اظہار کرتا چلوں کہ جن اوقات میں راقم کے فکری حالات سازگار اور ہشاش بشاش تھے ان مواقع پر بعض بحث سے مربوط حاشیے اور ملاحظات صفحہ تحریر پر درج ہوگئے لیکن جب کبھی ذہنی آمادگی اور کافی مطالعہ نہیں تھا اور ارتجالاً بات لکھی گئی ہے اس صورت میں ایک مکمل اور جامع گفتگو نہیں ہوسکی۔ البتہ اس کے باوجود اس کی کم از کم خصوصیت یہ ہے کہ قاری اور راقم دونوں کے لئے ایک تنوع ایجاد کرتی ہے۔

ان تمام باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے اب یہ قاری کی مرضی ہے کہ وہ فیصلہ اپنی حس کی بنیاد پر کرے یا مطالب کی وسعت اور گہرائی کی اساس پر کرے۔

آخر میں مجھے امید ہے کہ صاحبان فکر و نظر اور ارباب قلم مجھے اپنی آراء سے آگاہ فرمائیں گے اور تشکر یہ کا موقع فراہم کریں گے۔

و الحمد للّٰہ و صلاتہ علی عبادہ الذین اصطفی محمدؐ و آلہ الطاہرین.

جعفر مرتضی الحسینی العاملی

قم المقدسہ، ایران

۱۶ ذی الحجہ ۱۴۰۰ ہجری

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پیش لفظ (۱)

ماضی کا حال سے رشتہ اور نگارش تاریخ:

یہ بات بدیہی ہے کہ انسانی معاشروں کی زندگی ایک دوسرے سے جدا اور امتیازی واقعات پر مشتمل نہیں ہے۔ یوں نہیں ہے کہ ایک واقعے کا دوسرے کے ساتھ کوئی تعلق اور واسطہ نہ ہو اور ان میں سے مختلف اوقات کا آپس میں کوئی ارتباط اور اتصال ہی نہ ہو۔ بلکہ زمان ماضی اپنی تمام تر کوششوں اور اپنے تمام نتائج اور ثمرات کو زمان حال کے دامن میں ڈال دیتا ہے تاکہ وہ اپنی حرکت و قوت کے عناصر اور اپنے وسائل کمال کو ایک مستقل اور مطمئن راہ پر لگا سکے اور پھر انھیں اپنے بلند اہداف کے حصول میں بروئے کار لائے۔

اسی طرح یہ بات بھی روشن اور عیاں ہے کہ بعض تاریخی واقعات ایسے ہیں جنھیں اگرچہ ہزار سال کا عرصہ گزرچکا ہے لیکن انکے اثرات ہماری زندگیوں پر ابھی تک موجود ہیں۔

۱۔ یہ مقدمہ درحقیقت ہماری کتاب "حیات الامام الرضا السیاسیة" کے مقدمہ کا خلاصہ ہے چونکہ یہ ہماری بحث سے مربوط تھا اس لئے ہمنے اسے یہاں نقل کر دیا ہے تاکہ اس کتاب کی طرف رجوع کرنا ضروری نہ رہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسی طرح ان واقعات کا امت کی تشکیل، اس کی حیات، مختلف امور بلکہ اس کے مفاہیم اور جذبات و احساسات پر بہت بڑا اثر ہوا ہے تا چہ رسد کہ دین و ادب، علم و سیاست اور اقتصاد و اجتماعی روابط وغیرہ پر ان کے اثرات مرتب نہ ہوئے ہوں۔ البتہ واقعات کے اثرات ایک امت سے دوسری امت تک کمیت اور کیفیت کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ اسی طرح ایک گروہ سے دوسرے گروہ تک۔

تاریخ کاتب سے اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ دیانتداری اور باریک بینی کے ساتھ گذشتہ امت کی زندگی، اس کے اوضاع و احوال، اس کی فکری اور اقتصادی بنیادوں، سیاسی نظریات، اجتماعی روابط اور دیگر موارد کی صحیح عکاسی کرے اور ہم سے بیان کرے۔

یہاں سے تاریخ کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور امتوں کی زندگیوں میں اس کے اثرات سے ہم آگاہ ہوتے ہیں اسی طرح ہم پر یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ مختلف امتوں نے کیوں اس قدر تاریخ کی تدوین، تدریس اور تجزیہ و تحلیل کو اہمیت دی ہے۔ یہ اہتمام صرف اس لئے تھا کہ ہم اس ذریعے سے گذشتہ لوگوں کے اطوار زندگی اور تجربات کو جان لیں اور اپنے مستقبل کے لئے ان سے استفادہ کریں۔

اس کا ایک اور مقصد یہ بھی ہے کہ ہم ان کے عروج اور زوال کے عوامل کو سمجھیں اور اپنے مستقبل کی تعمیر کے لئے سالم اور استوار بنیادیں رکھیں۔

کیا ہماری بھی کوئی تاریخ ہے؟

ہم ایک امت ہیں لیکن ہماری کوئی تاریخ نہیں ہے (اس سے ہماری مراد کتب تاریخ ہیں) ایسی تاریخ جس سے ہم آج کے پیچیدہ دور میں بہت زیادہ استفادہ کرسکیں۔ کیونکہ اس حوالے سے جتنی بھی کتب موجود ہیں وہ یا تو تنگ نظری کی بنیاد پر یا مذہبی مفادات کے زیر اثر یا پھر سلاطین کی خوشنودی اور حاکمیت کی خاطر لکھی گئی ہیں۔ "تنگ نظری" سے ہماری مراد کسی واقعے کو اس کے اسباب اور علل کو نظر انداز کرتے ہوئے اخذ کرنا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ امر درست ہے کہ اس وقت جو کچھ ہمارے پاس موجود ہے اس میں اکثر بادشاہوں اور حکمرانوں کی تاریخ ہے۔ لیکن وہ بھی مسخ اور تحریف شدہ ہے اور اس میں سلاطین اور حکام کی حقیقی زندگی کی عکاسی کرنے کی بھی صلاحیت نہیں ہے۔ کیونکہ مورخ نے وہی بات تحریر کی ہے جو حاکم کی خواہشات کے مطابق تھی ہر چند وہ حقیقت کے خلاف اور خود مورخ کے نظریئے اور اہداف کے برعکس ہی کیوں نہ تھی۔

اس بناء پر کوئی عجیب بات نہیں لگتی جب ہم دیکھتے ہیں کہ ایک مورخ گھٹیا اور فضول قسم کے امور کو زیر بحث لاتا ہے اور مجلس شراب، ساقی اور پینے پلانے کی بات کرتا ہے یا وہ ایسے واقعات اور شخصیات کو تراشتا ہے جن کا سرے سے وجود ہی نہیں ہوتا اور اس کے مقابلے میں تاریخی کردار اور اثرات کے حامل واقعات اور شخصیات کو نظر انداز کر دیتا ہے اور ان کا ذکر ہی نہیں کرتا۔

اسی طرح وہ خود حاکم وقت یا اس کے علاوہ کسی دوسرے شخص کے افعال اور اعمال کو تحریف کر کے نقل کرتا ہے جن کی وجہ سے امت کی اجتماعی زندگی پر موجودہ وقت میں یا مستقبل میں عظیم اور اہم اثرات مرتب ہوتے ہیں اس ابہام، چشم پوشی اور حقائق کو کتمان کرنے کا کوئی بھی سبب اور غرض ہو سکتی ہے۔

تاریخ کا تجزیہ:

گذشتہ مطلب کی روشنی یہ بات سامنے آتی ہے کہ تاریخ کی کتابوں سے استفادہ اور ان کا مطالعہ کرنے والے شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہایت احتیاط، باریک بینی اور مکمل بصیرت کے ساتھ ان کا مطالعہ کرے اور ہر ہر لفظ کو غور سے پڑھے۔ جہاں تک ممکن ہو ایک واقعہ کا دوسرے واقعے سے موازنہ کرے ان کا آپس میں تقابلی جائزہ لے اور جہاں بھی اسے تحریف کا شائبہ ہو یا ذاتی رجحانات اور خواہشات کا عمل دخل نظر آئے، اسے نظر انداز کر دے یا پھر اس نکتہ پر توقف اختیار کرے۔ البتہ یہ کوئی آسان کام نہیں ہے خصوصاً اس

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

حصے میں کہ جو صدر اسلام کی تاریخ سے مربوط ہے۔ تاریخ اسلام کا غالباً بڑی حصہ متعصب اور تقلیدی افکار کے ذریعے بلکہ بیشتر تو یہ لوگ خود ہی ظالم تھے، مدوّن ہوا ہے۔

ہمارا طریقہ کار:

ہماری یہ کوشش ہوگی کہ ہم اپنی تاریخ کا روشن اور صاف ستھرا رخ پیش کریں جس کی ابتداء آغاز اسلام سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد ہم اپنی کوششوں کو ان روایات اور نصوص جنہیں تاریخ بنا کر پیش کیا گیا ہے، میں سے صحیح کو باطل سے جدا کرنے پر مرکوز کریں گے درحقیقت یہ وہی خیالات اور اوہام ہیں جنہیں افسانہ نگاروں، قصّہ سازوں، ہوا پرستوں اور مطلب پرستوں نے اختراع کیا ہے۔

اہم حقیقت:

یہاں پر ایک انتہائی اہم حقیقت کی طرف اشارہ کرنا نہایت ضروری ہے وہ یہ کہ یہی مدون تاریخ اسلام اپنے نقائص کے باوجود بطور مطلق ایک امت کی غنی ترین تاریخ ہے اور دوسری تمام تواریخ سے دقیق ہونے اور اپنی وسعت کے لحاظ سے ممتاز ہے۔ جب آپ اس تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس میں واقعات، جملات اور مواقف کے علاوہ حرکات و سکنات، توجہات اور چہرے کے تاثرات تک کا ذکر موجود ہے ان سب چیزوں کو نہایت دقیق اور بے نظیر انداز میں ثبت کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں صحیح احادیث اور روایات سے اس قدر زیادہ مطالب حاصل ہوجاتے ہیں جس کی مثال کسی دوسری تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس نکتہ پر ہم تاکید کرتے ہیں کہ افراد اور شخصیات کی تمام گفتگو کا قطعی اور یقینی طور پر ریکارڈ ہونا باقی کسی تاریخ میں ممکن نہیں ہے خصوصاً بہت سے اہم واقعات میں چہ جائیکہ جزئی امور میں ایسا ہو جائے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تاریخ اسلام کی ایک اور خصوصیت جو اسے دیگر تواریخ سے ممتاز کرتی ہے، یہ ہے کہ اس کے اندر ایسے قواعد اور راستے موجود ہیں جن کی وجہ سے ایک محقق اطمینان کامل اور لغزش سے بے خطر ہو کر حقیقت کو پا سکتا ہے البتہ اس شرط کے ساتھ کہ ان قواعد اور اصولوں کی پابندی کرے جن کی طرف ہم کتاب کے مقدمے میں اشارہ کریں گے۔

اس لحاظ سے کہ تاریخ اسلام کا نقطہ آغاز سید المرسلین حضرت محمدؐ کی سیرت ہے لہذا ہم بھی اسی سے ابتداء کرتے ہیں۔ اس باب میں ہم گفتگو کے اہم اور اساسی خدوخال کو محققین اور دانشوروں کی کوششوں کے لئے بعنوان مقدمہ پیش کریں گے، اس کے بعد دوسرے مطالب کو بیان کریں گے۔ یہاں پر اب ہم اپنی کتاب "حدیث الافک" کے شروع میں ذکر شدہ ناکمل مقدمے کو مکمل کرتے ہیں۔ نیز عنوان گفتگو کی مناسبت سے مزید مفید نکات کا اضافہ کر کے بیان کریں گے۔ اس کے بعد حضرت ختمی المرتبتؐ کی سیرت کے بارے میں گفتگو کا آغاز کریں گے۔

www.ziaraat.com Sabeel-e-Sakina jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تمہید

صفات النبیؐ:

بے شک ہر نبی روئے زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوتا ہے اور نبیوں کے سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اس خلافت کا کون حقدار ہو سکتا ہے۔ آپؐ اعلیٰ و اشرف انسان اور فضل و کمال، عقل و جمال، حکمت و دانش، عزت و وقار، جاہ و جلال کا نمونہ تھے۔ آپؐ علم و حکمت کے مظہر، اسوہ شجاعت اور پیکر تقویٰ تھے۔ مختصر الفاظ میں یوں کہا جائے کہ آپؐ کی ذات اقدس تمام اعلیٰ انسانی کمالات اور فضیلتوں کا مجموعہ تھی اور ہر لحاظ سے انسان کامل تھے۔ آپؐ ایسے انسان تھے جن کے چھوٹے سے چھوٹے عمل میں کوئی خلل اور کمزوری دکھائی نہیں دیتی اور رفتار و گفتار میں تضاد، تناقض اور پراگندگی کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا۔ ایک جملے میں کہا جائے کہ آپؐ ایک معصوم اور ہر قسم کی غلطی اور لغزش سے مبرا اور منزہ انسان تھے۔ اس عالم کی تمام مخلوقات سے افضل اور اکمل تھے۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیامت تک کے بنی نوع انسان کے لئے نمونہ عمل قرار دیا ہے، آپ کی اطاعت کو ان پر واجب قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ جزئی ترین اعمال میں بھی آپؐ کی پیروی کو فرض کیا ہے۔

ارشاد الٰہی ہے: "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ"۔ (سورہ احزاب / ۲۱)

یعنی رسولؐ تمہارے لئے کامل نمونہ ہیں۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دین اور امت سے غداری

لیکن جب ہم ایسی روایات کی طرف رجوع کرتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ کے عنوان سے بطور سند پیش کی جاتی ہیں، تو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ نبیؐ جسے قرآن "علی خلق عظیم" (۱) کے الفاظ سے یاد کرتا ہو، جو تمام انبیاء اور مرسلین کا سردار اور ان سے اشرف و افضل ہو، جو کائنات میں کامل ترین انسان ہو، جو عقل کل، مدبر کل اور امام کل ہو۔ وہ ایک عاجز اور متناقض شخص نظر آتا ہے۔ وہ بچگانہ حرکتیں کرتا ہے جاہلوں کی طرح گفتگو کرتا ہے، اس کی رضایت اور خوشنودی اسی طرح اس کا غم و غصہ کسی ضابطے کے تحت نہیں ہے بلکہ وہ اپنے غصے کے ہاتھوں عاجز ہے۔ آخر میں یہ روایات اس کا تعارف یوں کراتی ہیں کہ وہ ایک شخص ہے جو مشکلات اور مسائل کو حل کرنے کے لئے ہر وقت تربیت اور تعلیم کا محتاج ہے گویا باقی سب اس سے دانا تر اور قوی تر ہیں۔

اس روایت کی کس طرح اور کس بیان سے تفسیر کی جائے جو یہ بتاتی ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی زوجہ کو حبشیوں کے کرتب یوں دکھائے کہ انہوں نے اپنا رخسار اپنی زوجہ کے رخساروں پر رکھا ہوا تھا علاوہ ازیں انہیں اپنے کندھوں پر بھی سوار کیا؟

یا ایک اور روایت کہتی ہے کہ آپؐ لشکر کو چھوڑ کر الگ ہوگئے اور اپنی بیوی کے ساتھ صحرا کے وسط میں دوڑ لگانے لگے وہ بھی ایک بار نہیں بلکہ کئی بار؟ یا یہ کہا گیا ہے کہ جب آپؐ نے اپنے منہ بولے بیٹے کی بیوی کو جذباتی حالت میں دیکھا تو آپؐ اس کے دلباختہ ہوگئے؟ اسی طرح کی اور بہت سی روایات آپؐ کی ازدواجی زندگی کے بارے میں جعل کی گئی ہیں جنہیں بیان کرنا ہمارے لئے معیوب ہے اور مناسب نہیں ہے جب ہم ان کے بیان کرنے سے قاصر ہیں تو آپؐ نے انہیں انجام کیسے دیا ہوگا؟

۱۔ اگرچہ بعض علماء نے یہ احتمال دیا ہے کہ "خلق" سے مراد دین یا عادت اور سنت عظیمہ ہو لیکن یہ بات اس عبارت کے ظاہری معنی کے خلاف ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسی طرح یہ بات کیسے تسلیم کر لیں کہ کسی ایک مسئلے میں پیغمبر اکرمؐ ایک رائے دیں بعد میں آیت نازل ہو اور آپؐ کی رائے کو غلط قرار دے جبکہ دوسروں کی رائے کو درست قرار دے، اس سے غم زدہ ہو کر پیغمبر اکرمؐ بیٹھ کر رونا شروع کر دیں؟ یا آپؐ کے کسی قوم کے گندگی کے ڈھیر کے پاس سے گزرنے اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی کیسے تاویل کی جائے؟ اسی طرح اس جھوٹ کی کیا توجیہ کی جائے کہ ایک شیطان ہے جو آپؐ کے پاس جبرئیلؑ کی شکل میں آتا ہے اور اللہ تعالیٰ آپؐ کی مدد کرتا ہے تاکہ شیطان اسلام لے آئے۔ یا یہ کہ آپؐ نے شراب نوش فرمائی۔ اس بات کو کس طرح بیان کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں آپؐ حضرت ابراہیمؑ سے زیادہ شک و تردید میں مبتلا تھے؟

اسی طرح کی اور بہت سے گھٹیا ترین باتیں جو آنحضرتؐ کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔

حدیث اور تاریخ کی کتب ایسی باتوں سے بھری پڑی ہیں۔

ہاں! ایسی روایات جو کائنات کے افضل ترین انسان اور تمام انبیاء اور رسولوں کے سردار کا اس انداز سے تعارف کراتی ہیں۔ ان میں سے اکثر روایات حدیث کی ایسی کتب میں موجود ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ قرآن کے بعد معتبر ترین کتب ہیں۔

ان روایات کی طرف رجوع کرنے والا شخص حضور اکرمؐ کے متعلق یہ تصور قائم کرتا ہے اگر اس کا ذہن تاریخ کے حقیقی معیاروں اور بنیادوں سے خالی ہو جو کہ تاریخ میں تحقیق کا لازمہ ہے اسی طرح اگر یہ شخص اس عظیم شخصیت کی خصوصیات سے آگاہ نہ ہو جو زمین پر اللہ کا خلیفہ اور اس کے ارادے کا مظہر ہے یا اس کا باطن روایات کی اندھی تقلید اور خواہ مخواہ کے تقدس سے پاک نہ ہو کیونکہ یہ احترام اور تقدس کبھی کبھار روایات کو ہر قسم کے نقائص سے مبرا قرار دے دیتا ہے اور احادیث کی صحیح و سالم اور حقیقی اہمیت معلوم کرنے میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اس تقدس کا سبب کیا ہے؟ جبکہ ابھی یہ ثابت ہی نہیں ہوا کہ یہ کلام آنحضرتؐ سے صادر ہوا ہے یا نہیں؟ اسی طرح آیا یہ آنحضرتؐ کے افعال اور اوصاف سے مربوط ہے یا آپؐ سے غلط منسوب کیا گیا ہے؟

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضور اکرمؐ کی ایسی تصویر پیش کرنا تاریخ، امت اور پوری انسانیت کے ساتھ ایک بہت بڑی خیانت ہے۔ اس کے غم میں ہمیشہ ہم خون کے آنسو روتے رہیں گے۔

خطرناک سازش

بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب افتراء اور تحقیر آنحضرتؐ کی ذات اقدس پر کیوں لگائی گئی ہیں؟ ہماری رائے میں یہ سب کچھ ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت کیا گیا ہے جس کا مقصد درحقیقت اسلام کو صفحہ ہستی سے محو کرنا تھا جس کے ابتدائی مرحلے کے طور پر، پیغمبر اکرمؐ کی شخصیت کو نشانہ بنایا گیا اور اس الٰہی رسولؐ کی شخصیت کو غیر موثر اور داغدار بنانے کی کوشش کی گئی۔ اس سازش کے اصلی محرک اور بانی اموی حکام اور ان کے حواری تھے جو حضور اکرمؐ کے ساتھ انتہائی بغض رکھتے تھے۔ یہاں پر ہم بنی امیہ کی اس سیاسی چال کے چند نمونے ذکر کرتے ہیں جن میں بلا واسطہ نبی اکرمؐ کی ذات اور اسلام کو نشانہ بنایا گیا ہے۔

۱۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ زید بن علیؑ نے کہا ہے کہ میں ہشام بن عبدالملک کے پاس موجود تھا، اس کے سامنے پیغمبر اکرمؐ کو گالیاں دی گئیں لیکن ہشام نے نہ تو اس شخص کو روکا اور نہ ان باتوں کی تردید کی۔ (۱)

۲۔ خالد بن سلمه المخزومی جو "الفافا" کے نام سے معروف ہے، کی سوانح عمری میں لکھتے ہیں کہ وہ مرجی (۲) اور علیؑ کا دشمن تھا وہ ہمیشہ بنی مروان کے سامنے ایسے

۱۔ اربلی نے اپنی کتاب کشف الغمہ، ج۲ ص ۳۵۲ میں دلائل الحمیری سے نقل کیا ہے اور قاموس الرجال ج۳ ص ۲۷۰ میں موجود ہے۔

۲۔ مرجی کبھی ہمزہ کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ اس کا لغوی معنی "وہ شخص ہے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اشعار پڑھتا تھا جن میں رسول اللہؐ کی بدگوئی اور ہجو کرتا تھا۔ اس صورت حال کے باوجود بخاری کے علاوہ باقی تمام صحاح ستہ کے مصنف اس سے روایت نقل کرتے ہیں۔ (۱)

۳۔ اسی طرح عمرو عاص کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ایک عیسائی کو سزا دینے پر راضی نہیں تھا جس نے آنحضرتؐ کو دشنام دیں تھیں۔ (۲)

۴۔ ایک انصاری اور ایک اموی آپس میں فخر و مباہات کر رہے تھے۔ اموی اپنے بزرگان کا تذکرہ کرنے لگا کہ جب رسول اللہؐ کی رحلت ہوئی تو وہ آپ کے عمال تھے۔

جو کام کو تاخیر میں ڈالتا ہے" اصطلاح میں مسلمانوں کے اس فرقے پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جس کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا میں کسی کو بھی جرم کی سزا نہ دی جائے بلکہ اسے آخرت پر موقوف کر دیا جائے۔ بعض کے نزدیک مرجئہ انہیں کہا جاتا ہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے بڑے سے بڑا گناہ بھی کوئی ضرر نہیں پہنچاتا جس طرح کفر کی حالت میں اطاعت اور نیک عمل کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا اور انہیں اس لئے مرجئہ کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے نظریئے کے مطابق گناہوں کی سزا اور عذاب، آخرت تک مؤخر ہے۔ ان کے بارے میں بھی آراء پائی جاتی ہیں مثلاً جبریوں کو بھی مرجئہ کہا جاتا ہے وغیرہ۔

(مترجم)

۱۔ "بحوث مع اہل السنة و السلفیة" ص ۱۰۱ اور مرحوم مظفر کی کتاب "دلائل الصدق" ج۱ ص ۲۹ کی طرف رجوع کریں، اس مقام پر علامہ محمد رضا مظفر مرحوم نے ایک حاشیہ لکھا ہے جو بہت مفید ہے۔

۲۔ الاستیعاب (الاصابة پر حاشیہ) ج۳ ص ۱۹۳ اور الاصابة ج۳ ص ۱۹۵ جو کہ بخاری سے روایت کرتے ہیں اور اپنی تاریخ میں صحیح سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

انصاری اس کے جواب میں کہتا ہے کہ تم ٹھیک کہتے ہو لیکن آنحضرتؐ کی وفات کے بعد اسلام کو نابود کرنے کے لئے انہوں نے مرتدین سے گٹھ جوڑ کر لیا تھا۔ اموی یہ دندان شکن جواب سن کر خاموش ہوگیا۔ (۱)

ھ۔ جب مشہور شاعر "کمیت" رسول اللہؐ کی مدحت میں شعر کہتا ہے تو کچھ لوگوں پر ناگوار گزرتا ہے اور وہ اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ تو کمیت یہ شعر پڑھتا ہے:

الی السراج المنیر احمد لا
یعدلنی عنہ رغبۃ و لا رھب

عنہ الی غیرہ و لو رفع الناس
الی العیون و ارتقبوا

و قیل: افرطت، بل قصدت و لو
عنفنی القائلون، او ثلبوا

الیک یا خیر من تضمنت الارض
و ان عاب قولی العیب

لج بتفضیلک اللسان و لو
اکثر فیک الضجاج و اللجب

۔ میں نے سراج و منیر احمدؐ کی طرف رخ کیا ہے، مجھے تو کوئی لالچ اور کوئی خوف ایسا کرنے سے نہیں روک سکتا

۔ اگرچہ لوگوں کی نظریں میری طرف اٹھ رہی ہوں اور وہ میری تاڑ میں ہوں

۔ تیرے بارے میں کہا گیا ہے کہ میں نے افراط سے کام لیا ہے لیکن میں نے معمول کی حد سے بھی کم تر بات کی ہے

۱۔ ربیع الابرار للزمخشری ج۱ ص ۸۰۸ و ۸۰۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۔ اگرچہ لوگ مجھے مورد عتاب قرار دیں لیکن میرا کلام حقیر ہدیہ ہے تیری بارگاہ میں اے زمین پر رہنے والے خیرالبشر

۔ اگرچہ نکتہ چین افراد نے میرے کلام کو عیب سمجھا ہے لیکن میری زبان خود بخود تیری فضیلت میں رواں ہے

شاید "کمیت" نے محسوس کر لیا تھا کہ اس اعتراض کے پیچھے کوئی بڑی سازش کار فرما ہے اس لئے وہ یوں کہنے پر مجبور ہوا۔

رضوا بخلاف المهتدین و فیهم

مخبأة اخری تصان و تحجب

۔ وہ اس بات پر راضی ہوگئے کہ ہدایت یافتہ افراد کے مخالف راستے کو اختیار کریں شاید پردے کے پیچھے کوئی راز ہے جسے وہ چھپانا اور محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔

البتہ یہاں پر جس چیز کی وہ پردہ پوشی کر رہے ہیں اس سے مراد خلیفہ کو رسول اللہؐ سے افضل سمجھنا نہیں ہے کیونکہ یہ بات کسی پر پوشیدہ نہ تھی جیساکہ بنی امیہ کے نمائندوں مثلاً خالد قسری اور حجاج بن یوسف نے اس بات کی صراحت کی تھی لہذا جس بات کو وہ مخفی رکھنا چاہتے تھے وہ وہی اسلام کو مٹانا تھا اور رسول خداؐ کی شخصیت کو کمزور اور مسخ کرنا تھا۔ (۱) اس کی تفصیل سے آپ آئندہ آگاہ ہوں گے۔

۲۔ مطرف بن مغیرہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان کی سلطنت اور حکومت کا ذکر کرنے کے بعد کہا کہ وہ دنیا سے چلے گئے تو ان کی یاد بھی محو ہوگئی یہ سب گفتگو کرنے کے بعد معاویہ نے مغیرہ سے کہا لیکن بنی ہاشم سے تعلق

۱۔ اس بارے میں کتاب "بحوث مع اہل السنة و السلفیة" کے ص ۱۰۱ اور ۱۰۲ پر رجوع کیا جائے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

رکھنے والے شخص (مراد پیغمبر اکرمؐ کی ذات ہیں) کا ہر روز پانچ مرتبہ ادب و احترام کے ساتھ یوں نام لیا جاتا ہے "اشهد ان محمدا رسول الله"، پس اے مغیرہ تیری ماں مرجائے۔ اس صورتحال میں ہمارا کونسا حربہ کامیاب رہا... نہیں! خدا کی قسم یہ نام بھی دفن ہونا چاہیے۔ (۱)

اس بارے میں کہا گیا ہے کہ سن ۲۱۲ ہجری میں صرف معاویہ کی اسی بات کی وجہ سے خلیفہ مامون، معاویہ پر لعنت کرنے لگا۔ البتہ اگر بعد میں اس کام سے انصراف پر قانع نہ ہوا ہوتا تو۔ (۲)

۷۔ جب عبداللہ بن زبیر نے مکہ اور حجاز پر تسلط حاصل کر لیا تو عبدالملک بن مروان نے لوگوں کو حج پر جانے سے منع کر دیا جب لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو اس نے جامع مسجد اقصیٰ اور صخرہ پر گنبد بنا کر لوگوں کے دل جیتنے کی کوشش کی اور اس حیلے سے عوام کو حج سے روکنا چاہا۔ لوگ صخرہ کے سامنے توقف کرتے تھے، خانہ کعبہ کے طواف کی طرح اس کا طواف کرتے تھے۔ وہ عید قربان کے دن وہاں قربانی کرتے تھے اور اپنے سروں کو منڈواتے تھے۔ (۳)

اس کے بعد جیساکہ "جاحظ" نے تصریح کی ہے، انھوں نے قبلہ ہی بدل دیا ظاہرا انھوں نے اپنا قبلہ خانہ کعبہ کی بجائے بیت المقدس میں یہودیوں کے قبلہ صخرہ کو قرار دیا۔ جیساکہ گذشتہ مطالب اس پر دلالت کرتے ہیں۔

۱۔ الموفقیات ص ۵۷۷، معتزلی کی شرح نہج البلاغة ج۵ ص ۱۲۹ و ۱۳۰ اور مروج الذهب ج۳ ص ۴۵۴ اور قاموس الرجال ج۹ ص ۲۰

۲۔ مروج الذهب ج۳ ص ۴۵۴ و ۴۵۵

۳۔ البداية و النهاية ج۸ ص ۲۸۰-۲۸۱ اور ان کتب کی طرف رجوع کیا جائے: تاریخ یعقوبی ج۲ ص ۱٦۱، مآثر الانافة فی معالم الخلافة ج۱ ص ۱۲۹، دمیری کی حیات الحیوان ج۱ ص ۱٦٦ اور السنة قبل التدوین ص ۵۰٦-۵۰۲۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جاحظ کہتا ہے کہ "یہاں تک کہ عبدالملک بن مروان، اس کا بیٹا ولید ان دونوں کا عامل حجاج اور ان کا مددگار یزید بن ابی مسلم وہاں پر قابض ہوئے تو انھوں نے خانہ کعبہ کو گرا دیا۔ مسجد النبیؐ پر حملے کو جائز سمجھا، خانہ کعبہ کو گرادیا، اس کی حرمت کو پامال کیا اور شہر واسط کے قبلہ کو تبدیل کردیا..."۔

اور وہ اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے لکھتا ہے کہ فرض کریں کہ قبلہ کو تبدیل کرنے کی بات غلط ہو اور خانہ کعبہ کی ڈھانے کی بھی تاویل کی جاسکتی ہو، اس طرح ان کے اس نظریے کی بھی توجیہ کی جا سکتی ہو کہ "خاندان میں کسی شخص کا جانشین اور خلیفہ اس کے پیغمبر سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے"۔ (۱) اس بات کو بہت سے ذرائع نے نقل کیا ہے۔ وہ مزید لکھتا ہے کہ "حاشم فخر کرتا ہے کہ ہم نے کعبہ کو نہیں ڈھایا، قبلہ کو تبدیل نہیں کیا اور رسولؐ کو خلیفہ سے کم تر نہیں سمجھا"۔ (۲)

اس امر کی درستی کی دلیل یہ ہے کہ شہر واسط کے قاضی اسد بن عمرو نے دیکھا کہ شہر کا قبلہ ٹیڑھا ہے اس نے اسے سیدھا کر دیا۔ اس کے بعد اس پر رافضی (۳) ہونے کا الزام لگایا گیا۔ (۴)

۱۔ رسائل جاحظ ج۲ ص ۱۶

۲۔ آثار جاحظ ص ۲۰۵

۳۔ رافضہ مسلمانوں کا ایک فرقہ ہے، جو اصحاب کی آراء یعنی ابوبکر، عمر کی بیعت کو قبول نہیں کرتا اور رسول اللّٰہ (ص) کے بعد امامت اور خلافت کا حقدار حضرت علیؑ کو سمجھتا ہے۔ اس لئے انہیں رافضہ کہا جاتا ہے۔ (مترجم)

۴۔ نشوار المحاضرات ج۶ ص ۳۶ اور تاریخ بغداد ج۷ ص ۱۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حجاج نے شہر واسط کی بنیاد رکھی تھی ظاہر یہ ہے کہ ابتداء میں اس کا قبلہ درست تھا لیکن کچھ مدت گزرنے کے بعد اس کا رخ دوسری طرف موڑ دیا گیا۔

شاید اسی وجہ سے فقط اہل عراق (کوفہ، بصرہ وغیرہ) کے لئے تھوڑا سا بائیں طرف رخ کر کے نماز پڑھنا مستحب ہے اور مقصد یہ ہے کہ ان کا کعبہ کی طرف رخ بہتر ہو جائے۔ آئمہ علیہم السلام نے چپکے سے یہ بات لوگوں کے کانوں میں ڈال دی لیکن جب ان سے اس حکم کی وجہ پوچھی گئی تو انھوں نے بات کو ٹال دیا۔ (۱) لیکن پھر بھی شیعوں کے دشمن اس بات کی طرف متوجہ ہوگئے، اس لئے جس نے بھی قبلے کو درست کرنے کی بات کی اور اقدام کیا اس پر رافضی ہونے کا الزام لگایا گیا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔

۸۔ کتاب "اخبار الملوک" میں احمد بن ابی طاہر روایت کرتا ہے کہ "جب معاویہ نے سنا کہ موذن "اشهد ان محمدا رسول الله" کہہ رہا ہے تو کہنے لگا آفرین ہے تیرے باپ پر اے عبداللہ کے بیٹے، بڑی بلند ہمت تھی تمہاری، تم اپنے لئے اس سے کم تر پر راضی نہ ہوئے کہ تمہارا نام بھی رب العالمین کے ساتھ آئے۔ (۲)

۹۔ سلمہ بن کہیل نقل کرتا ہے کہ میرے اور ذرالمرھبی (جو کہ کوفہ کے عبادت گذار اور صحاح ستہ کے راویوں میں سے تھے) کے درمیان حجاج کے کفر اور ایمان کے بارے میں اختلاف ہوگیا۔ میں اسے کافر کہتا تھا اور وہ اسے مومن سمجھتا تھا۔ حاکم نے کہا حجاج کے کفر پر دلیل وہ بات ہے "مجاہد بن جبیرہ نے ابوسہل اور احمد القطان اور اس نے اعمش سے اس کے بارے میں بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "واللہ" میں نے حجاج بن یوسف سے سنا ہے کہ وہ کہہ رہا تھا کہ میں اس ھذیل شخص (مراد عبداللہ بن مسعود) پر حیران ہوں کہ وہ گمان کرتا ہے یہ جو قرآن وہ پڑھتا ہے وہ خدا کی طرف سے ہے۔ خدا کی قسم!

۱۔ وسائل، ابواب قبلة فی الصلاة کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ معتزلی کی شرح نہج البلاغة ج۱۰ ص ۱۰۱ کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قرآن عربوں کے رجز کے علاوہ کچھ نہیں ہے خدا کی قسم! اگر میں اس ھذیل شخص کو پالیتا تو اس کی گردن توڑ دیتا۔ اور ابن عساکر اور بعض دیگر علماء مزید اضافہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حجاج نے کہا "اگر میرے بس میں ہوتا تو قرآن کو ابن مسعود کی قرائت سے خالی کر دیتا اگرچہ یہ کام خنزیر کے دانتوں کے ذریعے ہی کرتا یا خنزیر کے دانتوں کے ذریعے اسے قرآن سے اکھیڑ دیتا۔ (۱)

ابن کثیر نے اس کلام کو بہت ہی برا اور قبیح شمار کیا ہے۔ جو شخص اس مسئلہ کے بارے میں زیادہ وضاحت چاہتا ہے وہ اس کی کتاب "البدایۃ و النہایۃ" کی طرف رجوع کرے۔

۱۰۔ الف: جاحظ نے کہا ہے کہ حجاج نے کوفہ میں اپنے خطبے میں ان لوگوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا جو مدینہ میں آنحضرتؐ کی قبر کی زیارت کرنے کے لئے جاتے تھے، کہ برباد ہوں وہ لوگ جو لکڑی اور بوسیدہ ہڈیوں کا طواف کرتے ہیں۔ وہ کیوں امیر المومنین عبدالملک کے محل کے گرد چکر نہیں لگاتے؟ کیا وہ نہیں جانتے کہ انسان کا خلیفہ اور جانشین اس کے رسول (پیغام پہنچانے والے) سے افضل ہوتا ہے؟

مبرد نے اس بارے میں کہا ہے کہ "اسی وجہ سے فقہاء نے حجاج کے کافر ہونے کا فتویٰ دیا ہے اور حجاج نے یہ بکواس اس وقت کی جب لوگ طواف کرنے میں مشغول تھے۔ بہرحال یہ واقعہ مشہور اور معروف ہے۔ (۲)

۱۔ مستدرک الحاکم ج۳ ص ۶۵۶ اس کا خلاصہ جو ذہبی نے کیا ہے اور اسی صفحہ پر حاشیہ، تاریخ ابن عساکر ج۴ ص ۶۹ الغدیر ج۱۰ ص ۱۵ (مستدرک الحاکم اور تاریخ ابن عساکر کے حوالے سے) البدایۃ و النہایۃ ج۹ ص ۱۲۸ ابوداؤد اور ابن ابی خیثمۃ سے نقل کیا ہے۔

۲۔ اس مسئلے میں محمد بن عقیل کی کتاب النصایح الکافیۃ ص ۸۱ (جو کہ جاحظ سے نقل کرتے ہیں)، مبرد کی الکامل ج۱ ص ۲۲۲ معتزلی کی شرح نہج

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ب: بلکہ حجاج نے عبدالملک کو لکھا کہ "انسان کا جانشین خاندان میں اس کے رسول اور قاصد سے افضل ہوتا ہے، یا امیر المومنین! اسی طرح سے خلفاء انبیاءؑ اور مرسلین سے افضل ہیں"۔ (۱)

ج: خالد بن عبداللہ قسری کہتا ہے کہ جب اس نے نبی اکرمؐ کا نام لیا تو حجاج نے پوچھا کہ کیا انسان کی طرف سے کسی کام کے حوالے سے بھیجا جانے والا شخص افضل ہے یا اس کا جانشین اپنے خاندان سے افضل ہے؟ یہ بات پوچھ کر وہ یہ اظہار کرنا چاہتا تھا کہ ہشام نبی اکرمؐ سے افضل ہے۔ (۲)

د: عصر حاضر میں وہابیت بنی امیہ کی سیاست کی مروج ہے۔ اس نے بھی وہی طریقہ کار اختیار کیا ہے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ان کا قائد محمد بن عبدالوہاب آنحضرتؐ کے بارے میں کہتا ہے کہ "وہ تو ایک قاصد تھا" اس کے بعض شاگرد اس کی موجودگی میں یا غیر موجودگی میں یہ باتیں کرتے تھے اور وہ ان پر رضایت کا اظہار کرتا۔ وہ کہتا تھا کہ "میرا عصا محمد (ص) سے بہتر ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ سے سانپ اور دوسرے موذی حیوانات کو مارا جا سکتا ہے لیکن محمد (ص) مردہ ہوگیا اور وہ کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، وہ تو صرف ایک ڈاکیہ تھا"۔ (۳)

۱۱۔ خالد قسری نے مکہ مکرمہ میں بعض تابعین کو حضری خاندان کے گھروں میں محبوس کر دیا۔ عوام پر یہ بات ناگوار گزری اور انھوں نے اس کی سرزنش کی تو اس نے نماز

البلاغۃ ج۱۵ ص ۲۴۲ البدایۃ و النہایۃ ج۹ ص ۱۳۱ اور سنن ابی داؤد ج۴ ص ۲۰۹ کی طرف رجوع کریں۔

۱۔ العقد الفرید ج۲ ص ۳۵۴

۲۔ الاغانی جلد ۱۹ صفحہ ۶۰

۳۔ کشف الارتیاب ص ۱۳۹ نے خلاصۃ الکلام ص ۲۳۰ کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے خطبے میں لوگوں سے کہا مجھے اطلاع ملی ہے کہ چونکہ میں نے امیر المومنین کے دشمنوں اور اس سے جنگ کرنے والوں کو گرفتار کیا ہے تو تم میری سرزنش کر رہے ہو۔ خدا کی قسم! اگر وہ حکم دے کہ کعبہ کو گرا دو تو میں کعبہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا۔ مجھے قسم ہے اپنے پروردگار کی کہ خدا کے نزدیک امیر المومنین انبیاء (ع) سے زیادہ عزت والا ہے۔ (۱)

مدائنی بھی یہی کہتا ہے کہ خالد نے کہا اگر امیر المومنین کا حکم ہو تو خانہ کعبہ کو ملیامیٹ کر دوں اور اس کے پتھروں کو شام پہنچا دوں۔ (۲)

۱۲۔ ابوعبیدہ بیان کرتا ہے کہ ایک دن خالد قسری خطبہ دیتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ "جب ابراہیم خلیل اللہ نے اللہ تعالیٰ سے پانی کی درخواست کی تو خدا نے انھیں کھارے اور کڑوے پانی سے سیراب کیا لیکن جب امیرالمومنین نے پانی مانگا تو اللہ تعالیٰ نے اسے میٹھے اور ٹھنڈے پانی سے نوازا"۔ (۳)

خالد قسری نے ایک دن اپنے عامل ابن ابی سے پوچھا کہ ہمارا کنواں بہتر ہے یا زمزم؟ اس نے جواب دیا "اے امیر، کون بدبخت ہے جو ٹھنڈے اور شیریں پانی کو کڑوے اور کھارے پانی جیسا سمجھے" خالد نے زمزم کا نام ام جعلان (۴) رکھ دیا تھا۔ (۵)

۱۳۔ عبدالرزاق ثوری سے، وہ مغیرہ سے اور مغیرہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتا ہے کہ اس نے کہا "میں نے حجاج کو دیکھا وہ مقام ابراہیمؑ پر پاؤں رکھنا چاہتا تھا لیکن ابن حنفیہ

۱۔ الاغانی ج۱۹ ص ۶۰

۲۔ الاغانی ج۱۹ ص ۵۹

۳۔ جعلان، جعل کی جمع ہے۔ یہ سیاہ کیڑا ہے جسے سیاہ بھونرا کہتے ہیں۔

۴۔ الاغانی ج ۱۹ ص ۶۰

۵۔ الاغانی ج ۱۹ ص ۵۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آڑے آ گیا اور اسے ایسا کرنے سے باز رکھا۔ (۱)

۱۴۔ ان تمام باتوں سے بڑھ کر حجاج کی گھٹیا ترین اور خبیث ترین حرکت یہ ہے کہ اس نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی شان میں بہت بڑی گستاخی کی اور وہ یہ ہے کہ اس نے ابن زبیر کے خلاف جنگ کے دوران خانہ کعبہ پر منجنیق کے ذریعے پتھر پھینکنے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ السانی فضلہ بھی خانہ کعبہ پر پھینکا، (نعوذ باللہ) خدا کی اس پر لعنت ہو۔ (۲)

۱۵۔ ایک دن ولید بن یزید (لعنہ اللہ) نے یہ آیت پڑھی: "و استفتحوا و خاب کل جبار عنید من ورائھم جھنم....." (سورہ ابراہیم / ۱۵) یعنی انھوں نے فتح کی خواہش کی اور اس سے ہر جبار اور سرکش ناامید ہوا اور اس کے پیچھے جہنم ہے"۔

اس کے بعد اس نے تیر کے ذریعے قرآن کو پھینک دیا اور یہ شعر کہے:

تھددنی بجبار عنید
فھا انا ذاک جبار عنید
اذا ما جئت ربک یوم حشر
فقل یارب خرقنی الولید (۳)

۔ مجھے سرکش کہتے ہو اور مجھے ڈراتے ہو لو میں ہوں متکبر اور سرکش
۔ جب حشر کا دن آئے تو اپنے رب سے کہہ دینا کہ اے پروردگار! مجھے ولید نے پارہ پارہ کر دیا تھا

۱۔ حافظ عبدالرزاق کی کتاب ج۵ ص۳۹ ، طبقات ابن سعد ج۵ ص۸۳ اور والقضیۃ فی ربیع الابرار ج۱ ص۸۴۳ اس میں آیا ہے کہ ابن حنیفہ نے کہا: "خدا کی قسم میرا مصمم ارادہ تھا کہ اگر اس نے مجھے کچھ کیا تو میں اسکی گردن اڑا دیتا"۔

۲۔ عقلاء المجانین ص ۱۸۷ اور ابن اعثم کی المفتوح ج۲ ص ۴۸۶

۳۔ بہج الصباغہ ج۵ ص ۳۳۹، حورالعین ص ۱۹۰، مروج الذھب ج۳ ص ۲۱۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسی ولید نے ایک مجوسی سے کہا کہ خانہ کعبہ کے اوپر اس کے لئے ایک میکدہ تعمیر کرے، اسی طرح وہ ہشام کے دور میں مکہ گیا اور اپنے ساتھ کعبے جتنا ریشمی کپڑے کا خیمہ اور شراب لے کر گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ خیمہ کو کعبہ پر نصب کر کے اس میں بیٹھے لیکن حواریوں نے اسے لوگوں کی شورش سے ڈرایا تو وہ ایسا کرنے سے باز رہا۔ (۱)

۱۶۔ آخری بات یہ ہے کہ بعض افراد نے شافعیوں کے بارے میں کہا ہے کہ تعجب کی بات ہے کہ شافعی کے اگر دو قول ہوں تو ایک قول کے حوالے سے دوسرے قول کی مخالفت کو جائز سمجھتے ہیں لیکن یہ جائز نہیں سمجھتے کہ نص رسول اللہؐ کا سہارا لے کر اس کی مخالفت کریں۔ (۲) اس کی کوئی تاویل نہیں کی جا سکتی مگر یہ کہ رسول اللہؐ کی شان و منزلت ان کے نزدیک آپ کے حقیقی رتبے سے بہت ہی کم ہے۔ یہ مدعا ان کے ظواہر الفاظ سے واضح ہوتا ہے۔

ابو زھرۃ کہتا ہے کہ "امام مالک کا نظریہ یہ تھا کہ وہ صحابہ کے فتوی کو سنت کا درجہ دیتے تھے۔ جہاں پر تعارض پیش آ جاتا وہ ان کے فتووں اور احادیث نبویؐ کو ایک ہی معیار پر پرکھتے تھے۔ وہ آنحضرتؐ کی تمام احادیث کے بارے میں یہی سلوک روا رکھتا تھا۔ اگرچہ وہ صحیح ہی کیوں نہ ہوں"۔ (۳)

حدیث رسولؐ اور صحابہ کے فتوی کے مابین متعارضین کا حکم جاری کرنے کی روش جو مالک نے اختیار کی اس کی وجہ سے شوکانی نے ان تمام افراد کو تنقید کا نشانہ بنایا جو اصحاب کے اقوال کو احادیث نبویؐ کے برابر معتبر سمجھتے تھے۔ اگر آپ چاہیں تو اس کے قیمتی کلام

۱۔ بہج الصباغہ ج۵ ص ۲۳۰ (جس میں طبری اور اغانی سے نقل ہوا ہے)۔

۲۔ مجموعہ الرسائل المنیریۃ ص ۳۲

۳۔ ابوزھرۃ کی کتاب "ابن حنبل" ص ۲۵۱/۲۵۵ اور اس کی کتاب "مالک" ص ۲۹۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ (۱)

یہ ایک وسیع اور طولانی موضوع ہے لیکن ہم اس کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں تاکہ ان کے نزدیک آنحضرتؐ کی قدر و منزلت، ان کی تعلیمات اور احادیث کی اہمیت کا اجمالی خاکہ آپ کے سامنے آ جائے۔

راز پنہاں:

اسلام کے مقدسات خصوصاً رسول اعظمؐ کی ذات اقدس سے ان کی دشمنی، آپؐ کی کرامات کو نابود کرنے اور آنحضرتؐ کی قدر و منزلت کو گھٹانے کا اصلی سبب کیا ہو سکتا ہے۔ شاید اس کی بازگشت درج ذیل امور کی طرف ہوتی ہے:

۱۔ بنی ہاشم کے ساتھ بنی امیہ کی سیاسی دشمنی، بنی امیہ کی بنی ہاشم کے ساتھ پرانی دشمنی تھی اور نبی بھی اور آنحضرتؐ بھی ہاشمی تھے اور عزت و شرف، مجد و کرامت اور عظمت و بزرگی کی بلندیوں پر فائز تھے۔ یہ امر بالخصوص بنی ہاشم کے لئے بہت بڑا افتخار اور اعزاز تھا۔

۲۔ اس ذریعے سے وہ حکمران طبقے کے برے اعمال، ان کی پلیدیوں اور انحرافات اور برائی کو کم کر کے لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ ان حکام کے افعال و کردار اور انسان اول اور نمونہ کامل کی سیرت و کردار میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہے اگرچہ کمیت و کیفیت کے اعتبار سے ان کے اعمال رسول گرامیؐ کے کردار کے مساوی نہ تھے۔

۱۔ ابوزهرة کی کتاب "ابن حنبل" ص ۲۵۴/۲۵۵ اور شوکانی کی کتاب "ارشاد الفحول" ص ۲۱۴

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۳۔ دشمنوں کی یہ کوشش تھی کہ وہ اس دین کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن کر دیں کیونکہ یہ ان کی خواہشات، اغراض اور شہوات کی راہ میں رکاوٹ تھا اور ان کے مفادات کو ضرر پہنچاتا تھا۔

۴۔ ان میں سے بہت سارے حکمرانوں کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور حقانیت پر کامل ایمان نہ تھا۔ یہ وہ بات ہے جو شرابی اور بندر باز یزید نے اپنے شعر میں صراحت سے کہی ہے۔

لعبت ہاشم بالملک فلا   خبر و لا وحی نزل ...

۔ بنی ہاشم نے اقتدار حاصل کرنے کے لئے یہ سارا ڈھونگ رچایا تھا نہ کوئی خبر آئی تھی اور نہ ہی کوئی وحی نازل ہوئی تھی۔

اسی کی پیروی کرتے ہوئے ولید بن یزید نے یہ شعر کہے:

تلعب با الخلافۃ ھاشمی

بلا وحی اتاہ و لا کتاب

فقل للّٰہ یمنعنی طعامی

و قل للّٰہ یمنعنی شرابی(۱)

۔ ہاشمی (یعنی پیغمبر اکرم) نے خلافت کا کھیل کھیلا ہے اس پر نہ کوئی وحی نازل ہوئی نہ کتاب آئی۔

۔ اپنے خدا سے کہو کہ مجھے کھانے اور پینے سے روک لے۔

۱۔ حورالعین ص ۱۹۰، مروج الذھب ج۳ ص ۲۱۶، بہج الصباغۃ ج۵ ص ۳۳۹ کہ وہ مروج الذھب سے نقل کرتا ہے۔ دوسرا بیت قصیدہ ابوبکر کا اقتباس ہے۔ جیساکہ اس کا ذکر آئندہ بدر و احد کی فصل میں آئے گا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شراب کا ذکر کرنے کے بعد اس نے مزید کہا:

فلقد ایقنت انی
غیر مبعوث لنار
ساروض الناس حتی
یرکبوا (ایر...) الحمار
و ذروا من یطلب
الجنۃ یسعی لتبار (۱)

۔ مجھے اطمینان ہے کہ میں جہنم میں نہیں جاؤں گا۔

۔ میں جلدی عوام کو راضی کرلوں گا کہ وہ گدھے (ایر) پر سواری کریں۔

۔ جو بہشت کا طلبگار ہے اسے چھوڑ دو کیونکہ وہ اپنی زندگی کو ضائع کر رہا ہے۔

اس کی تفصیل الگ سے فرصت کا تقاضا کرتی ہے۔

۱۔ حورالعین ص ۱۹۱-۱۹۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اموی سیاست کے نتائج

گذشتہ سیاست کے اثرات کے ساتھ ساتھ حدیث نبویؐ کی ممنوعیت اور بزرگ اصحاب کے ہاتھوں کی لکھی ہوئی حدیثیں (جو انھوں نے آنحضرتؐ سے روایت کی تھیں) کو جلانے کی سیاست بھی رائج رہی ہے۔ اس کا آغاز حضرت ابوبکر کے دور میں ہی ہوگیا تھا۔ انھوں نے اپنی جمع شدہ پانچ سو احادیث پیغمبرؐ کو جلا دیا۔ (۱) حضرت عمر کے دور میں اس عمل میں شدت پیدا ہوگئی تھی۔ حضرت عمر نے شاہد کے بغیر احادیث نبویؐ کو ممنوع کر دیا تھا۔ انھوں نے بزرگ اصحاب کو مدینے میں نظربند کر دیا اور ایسے افراد کو مختلف شہروں میں بھیج دیا جنھیں اسلام اور احکام سے کوئی آگاہی نہیں تھی۔ اس نے حدیث نقل کرنے پر قدغن لگا دی صرف حکومت کے عمال اور طرفداروں کو حدیث نقل کرنے کی اجازت تھی۔ مثال کے طور پر ابو ہریرہ، انس، کعب الاحبار اور حضرت عائشہ۔ مروان کہتا ہے کہ "ازواج رسولؐ اور اپنی ماؤں کی موجودگی میں ہم دوسروں سے کس طرح سوال کر سکتے ہیں"؟ (۲) حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں ان تمام احادیث کو جمع کر کے نذر آتش کر دیا جو صحابہ کرام نے حضور اکرمؐ سے سن کر لکھی تھیں۔ (۳) اس بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ "عمر بن خطاب کے دور میں حدیثوں کی بہتات ہوگئی تھی، حضرت عمر نے اعلان کروایا تھا کہ ان سب کو اکٹھا کیا جائے جب ان کی جمع آوری ہو چکی تو ان سب کو جلانے کا حکم انھوں نے

۱۔ نص و اجتہاد ص ۱۵۲-۱۵۱ کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ المصنف ج ۱ ص ۱۶۶

۳۔ حدیث نبوی (ص) کے نقل کرنے سے ممانعت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ شعبی کہتا ہے: میں نے ابن عمر کے ساتھ دو یا ڈیڑھ سال کا عرصہ گزارا، اس دوران میں نے اس کی زبان سے حضور کی صرف ایک حدیث سنی۔ (سنن الدارمی جلد ۱ صفحہ ۸۴ سنن ابن ماجۃ جلد ۱ صفحہ ۱۵ اور مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۱۵۷

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

صادر کر دیا اور اس کے بعد کہا یہ مثنات (صحیح تلفظ مشنات) ہیں (۱) جس طرح اہل کتاب کے مثنات ہیں"۔ (۲) یا اس نے کہا" مجھے یاد آیا کہ تم سے پہلے ایک قوم تھی کہ جس نے کتابیں لکھیں اور کتاب الہی کو ترک کر کے ان کو اختیار کر لیا۔ خدا کی قسم! میں کتاب خدا کے ساتھ کسی اور چیز کو مخلوط نہیں ہونے دوں گا"۔

بعد میں آنے والوں نے حضرت عمر کی روش کو اپنایا اور اسی کی روش اختیار کرتے ہوئے نقل حدیث کو ممنوع قرار دیا صرف اس حدیث کی اجازت دی گئی جو ان کے دور میں

اس کے الفاظ یہ تھے: "جالست ابن عمر سنتین ما سمعتہ روی شیئاً عن رسول اللہ (ص) " کہ میں دو سال تک ابن عمر کے پاس بیٹھا لیکن اس نے مجھے رسول اللہ (ص) سے نقل کر کے کوئی چیز نہیں سنائی۔ اسی طرح الغدیر ج ۱۰ ص ۶۵ کی طرف رجوع کریں جو ان کے حوالے سے بیان کرتی ہے)۔ اسی طرح حضرت ابوذر پر نبی اکرم (ص) کی احادیث کو نقل کرنے کے اصرار اور اس مسئلے میں حکام کی مخالفت کی وجہ سے جو کچھ بیتی' اس سے سب آگاہ ہیں۔ باقی خلفاء کے ادوار میں صرف اسی حدیث کو نقل کرنے کی اجازت تھی جو حضرت عمر کے زمانے میں رائج تھی۔ یہاں تک کہ تمام بڑے بڑے اصحاب دنیا سے چلے گئے اور چھوٹی عمر کے صحابہ اور کاروباری قسم کے اصحاب باقی رہ گئے' جن کے ذریعے سے سادہ لوح عوام کو فریب اور دھوکہ دیا گیا اور ان سادہ لوح افراد کی تعداد کس قدر زیادہ ہے۔ یہ موضوع ایک مستقل اور تفصیلی بحث کا تقاضا کرتا ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ و اللہ ھو الموفق و الھادی۔

۱۔ مشنات وہ روایات تھیں جنہیں یہودیوں نے تدوین کیا تھا۔ بعد میں انہیں مثنات کا نام دیا گیا جن کی بعد میں علماء یہود نے شرح کی اور انہیں جمارا کہا گیا۔ اس اصل و شرح کے مجموعے کو تلمود کہا جاتا ہے۔

۲۔ اضواء علی السنۃ المحمدیہ ص ۴۷ طبقات ابن سعد ج۵ ص ۱۴۰ اور تقیید العلم ص ۵۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

رائج تھی۔ (۱)

پس ممنوعیت حدیث اور بنی امیہ کی سیاست کا نتیجہ یہ نکلا کہ دین کا صرف نام باقی

۱۔ اضواء علی السنۃ المحمدیہ ص ۴۷ کہ وہ جامع بیان العلم ج ۱ ص ۶۵-۶۴ سے نقل کرتا ہے، طبقات ابن سعد ج ۳ پہلا حصہ ص ۲۰۶

اہم نکتہ: یہودیوں کے دو گروہ تھے ایک گروہ تحریر اور تدوین کرنے پر عقیدہ رکھتا تھا جبکہ دوسرے گروہ کا نظریہ حفظ کرنے کا تھا اور صرف تورات کو تحریر کرنے کی اجازت دیتا تھا۔ انہیں "قراء" کہا جاتا ہے "جیساکہ محمد حسن ضاضا" نے اپنی کتاب "التفکیر الدینی عند الیہود" میں اس کی تصریح کی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ کعب الاحبار اسی قراء گروہ سے تھا۔ اس گروہ کی تعداد فریسیین کے کمزور پڑنے کے بعد زیادہ ہوگئی۔ (فریسیان یہودیوں کا فرقہ تھا جو حضرت عیسی (ع) کے زمانے میں تھا۔ یہ حضرت موسی (ع) سے تدریجاً نقل ہونے والی روایات کی تقلید کا قائل تھا۔ ان اقوال منقولہ کو شریعت کے مطابق بلکہ اس سے زیادہ اہم سمجھتا تھا) جیساکہ کعب الاحبار کے جواب سے ظاہر ہوتا ہے جب حضرت عمر نے اس سے کسی شعر کے بارے میں پوچھا جو باتیں ان کے بارے میں کی گئی ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ "یہ اولاد اسماعیل میں سے ایک قوم ہے جن کے سینے میں انجیل ہے اور وہ حکیمانہ باتیں کرتے ہیں" نیز وھب بن منبہ بھی ایسا ہی تھا۔ اس طرح ایک طویل روایت جو البدایۃ و النہایۃ ج ۶ ص ۶۲ اور نزہۃ المجالس ج ۲ ص ۱۹۹ پر نقل کی گئی ہے کہ حضرت موسی (ع) نے کہا "اے میرے پروردگار میں نے تورات میں ایک امت کو دیکھا ہے کہ اپنی انجیلوں کو اس نے سینے سے لگا رکھا ہے اور اسے وہ پڑھتی ہے اور ان سے پہلے ایسا گروہ ہے جو حفظ نہیں کرتا بلکہ تحریر کیا ہوا پڑھتا ہے پس انہیں بھی میری امت میں سے قرار دے"۔ اللہ تعالی نے فرمایا "وہ محمد کی امت ہیں"۔ خلیفہ دوم نے شاید خوش فہمی کی بنا پر یا کسی اور وجہ سے کعب الاحبار کہ جو ان کا منظور نظر تھا، سے یہ نظریہ قبول کیا ہو۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

رہ گیا اور قرآن کے الفاظ صرف باقی رہ گئے ہیں۔ معاملہ یہاں تک پہنچ گیا کہ امام مالک اپنے چچا ابوسہیل بن مالک اور وہ اپنے باپ سے نقل کرتا ہے کہ اس نے کہا: "جس پر لوگ قائم ہیں وہ صرف نماز کی آواز ہے اس کے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا" ۔ (۱)

زرقانی اور الباجی کہتے ہیں کہ "لوگوں سے مراد اصحاب ہیں۔ اعمال میں سے فقط اذان اپنی اصل شکل و صورت میں باقی تھی اور اس میں اصحاب نے تغیر و تبدل نہیں کیا تھا جبکہ نماز اور دوسرے افعال میں بہت سی تبدیلیاں کر دی گئیں اور نماز کے اوقات کو موخر کر دیا گیا" ۔ (۲)

بہر حال حدیث کی ممنوعیت والی سیاست حکام کی تدبیر اور چال سے ہم آہنگ اور مطابقت رکھتی ہے جو قرآن اور پیغمبر (ص) کی تعلیمات سے بڑھ جائیں وہ رسول اور قرآن کی خلاف ورزی کر رہے ہیں' وہ نہیں چاہتے تھے کہ عوام کے اعتراضات ان پر اس حوالے سے کئے جائیں کہ یہ لوگ قرآن اور رسول (ص) کی خلاف ورزی کر رہے ہیں جس کی وجہ سے اپنے آپ کو عوام کی مخالفت کے سامنے نہیں لانا چاہتے تھے۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن اور اس کی تفسیر کے بارے میں سوال کرنا ممنوع قرار دے دیا جاتا ہے۔ البتہ کتابت اور تلاوت ان کے بس میں نہیں تھا۔

اس سیاست کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ حکام ان آنے والے امور جو ان کے لئے خطرہ بن سکتے تھے' سے بھی اطمینان کامل حاصل کرنا چاہتے تھے خواہ وہ بعض شخصیات سے مربوط ہوں یا حکومت کے حریفوں اور رقیبوں سے ہوں۔ بہر حال جیسا بھی ہو ان امور کو نابود ہو جانا تھا یا مخفی رہ جانا تھا اور ان کا اثر تک باقی نہ رہتا تاکہ حکمرانوں کو ان امور سے پرہیز کرنے کی مشکل پیش نہ آئے یعنی نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

۱۔ جامع بیان العلم ج۲ ص ۲۴۴ اور الموطاء ج۱ ص ۹۳

۲۔ زرقانی کی الموطاء پر شرح ج۱ ص ۲۲۱' تنویر الحوالک ج۱ ص ۹۴-۹۳ کہ جو الباجی کی تالیف ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شافعی وھب بن کیسان سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا "میں نے ابن زبیر کو دیکھا کہ نماز خطبوں سے پہلے پڑھ رہا ہے پھر اس نے کہا میں نے تمام سنن نبوی حتی نماز کو بھی تبدیل کر دیا ہے"۔ (۱)

زھری کہتا ہے کہ میں دمشق میں انس بن مالک کے پاس گیا وہ تنہا تھا اور رو رہا تھا۔ میں نے پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ جواب دیا "میں نے پہلے جو کچھ دیکھا تھا اس میں صرف نماز باقی تھی جبکہ اب وہ بھی ضائع ہوگئی ہے"۔ (۲)

حسن بصری کہتے ہیں "اس وقت اگر رسول اللہ (ص) کے اصحاب زندہ ہوجائیں تو تمہارے قبلے کے علاوہ کوئی چیز ان کے لئے جانی پہچانی نہ ہوتی۔ (۳) لیکن جیساکہ ہم نے پہلے بتایا کہ قبلہ بھی بدل چکا تھا۔

عبداللہ بن عمرو بن عاص نے کہا ہے کہ "اگر سابقین امت میں سے دو افراد اپنے اپنے مصحف کے ساتھ ان دروں میں چلے گئے ہوتے اور آج وہ لوگوں کے پاس آتے تو جو کچھ انہوں نے دیکھا تھا اس میں سے ایک چیز بھی نہ دیکھ پاتے۔ (۴)

جب عمران بن حصین نے حضرت علیؑ کے پیچھے نماز پڑھی تو مطرف بن عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ علیؑ ویسے نماز پڑھتے ہیں جیسے حضرت محمدؐ پڑھا کرتے تھے آج علیؑ کی نماز سے حضور اکرم (ص) کی نماز کی یاد تازہ ہوگئی ہے۔ (۵)

۱۔ شافعی کی کتاب الامام ج۱ ص ۲۰۸

۲۔ جامع بیان العلم ج۲ ص ۲۴۴ اور ضحی الاسلام ج۱ ص ۳۶۵ کہ اس نے بخاری اور ترمذی سے نقل کیا ہے، کی طرف رجوع کریں۔ اسی طرح الزھد والرقائق ص ۵۳۱ اور اس کے حاشیے میں طبقات ابن سعد، سوانح حیات انس اور ترمذی سے نقل کیا گیا ہے ج۳ ص ۳۰۲

۳۔ جامع بیان العلم ج۲ ص ۲۴۴

۴۔ ابن المبارک کی کتاب الزھد والرقائق ص ۶۱

۵۔ انساب الاشرف ج۲ ص ۱۸۰، سنن البیہقی ج۲ ص ۶۸، کنزالعمال ج۸ ص ۱۴۴

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ان تمام باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہ بات کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ رسول اللہ (ص) کی سنت کی عمداً مخالفت کی گئی کیونکہ حضرت امیر المومنینؑ اپنے لئے سنت کی حفاظت کرنا ضروری سمجھتے تھے۔ یہاں تک کہ ابن عباس کہتے ہیں کہ: "اے اللہ ان لوگوں پر لعنت فرما جنھوں نے بغض علیؑ میں رسول خداؐ کی سنت کو بھی ترک کر دیا"۔ (۱) اس بارے میں سندی کہتا ہے کہ "یعنی حضرت علیؑ آنحضرتؐ کی سنت کے پابند تھے۔ (۲)

نماز میں بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھنے کو ترک کرنے کے بارے میں نیشاپوری کہتا ہے کہ "اسی طرح ایک اور تہمت لگائی گئی ہے کہ علیؑ نے بسم اللہ کے بلند پڑھنے میں مبالغہ کیا ہے۔ لہذا بنی امیہ کے دور میں علیؑ کے آثار کو نابود کرنے کی کوشش میں بسم اللہ بالجہر کے ترک میں افراط اور مبالغے سے کام لیا گیا ہے۔ (۳)

بات یہاں تک پہنچی کہ بعض مورخین نے یہاں تک لکھا ہے کہ "امام سجادؑ کے زمانے میں ہاشمی اور دوسرے عوام الناس نہیں جانتے تھے کہ کیسے نماز پڑھی جاتی ہے اور حج کیسے انجام دیا جاتا ہے۔ (۴) سید مہدی الروحانی نقل کرتے ہیں کہ ابان بن تغلب کی سوانح حیات میں مذکور ہے کہ انھوں نے کہا "شیعہ حلال و حرام اور مسائل حج کو نہیں جانتے تھے مگر اتنی مقدار میں جو علماء اہلسنت حضرت علیؑ سے نقل کرتے تھے"۔

کہ جس نے عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ سے نقل کیا ہے

۱۔ سنن النسائی ج۵ ص ۲۵۳، سنن البیہقی ج۵ ص ۱۱۳ اور الغدیر ج ۱۰ ص ۲۰۵ کہ ان دونوں نے کنزالعمال سے اور ابن جریر سے ایک اور نص کے ذریعے نقل کیا ہے۔

۲۔ تعلیقہ السندی جو سنن النسائی پر حاشیہ ہے ج۵ ص ۲۵۳

۳۔ تفسیر نیشاپوری تفسیر طبری کے حاشیے میں ج ۱ ص ۷۹

۴۔ کشف القناع عن حجیتہ الاجماع ص ٦٧

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس لحاظ سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب نماز (جو اسلام کا عظیم رکن اور دین کا ستون ہے اور جسے ایک مسلمان روزانہ پانچ مرتبہ ادا کرتا ہے) کا یہ حال کہ وحی اور قرآن کے نزدیک ترین افراد اس کے احکام اور مسائل کو نہیں جانتے تھے جنھیں ان مسائل کا سب سے زیادہ علم ہونا چاہیے تھا تو امت کے دوسرے لوگوں کی دین سے معرفت اور احکام اسلام سے آگاہی کی کیا صورت حال ہوگی خصوصاً وہ لوگ جو احکام کے علم اور معرفت کے سرچشمے سے بہت دور تھے بالخصوص ان مسائل میں جن کی انھیں کم ضرورت پڑتی تھی۔

اس صورت حال کے پیش نظر یہ کہنا بجا ہے کہ اس زمانے میں جس شخص کو آنحضرتؐ کی تیس یا چالیس حدیثیں یاد ہوتی تھیں یا بعض احکام کو جانتا تھا تو وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم شمار کیا جاتا تھا، جیساکہ بعض فرقوں کی کتب رجال سے ظاہر ہوتا ہے۔ خصوصاً جب وہ شخص اپنے ذاتی استنباط کے ذریعے ان یاد کی ہوئی احادیث پر کچھ اضافے بھی کرے کیونکہ اس پر کوئی نگران ہے نہ اس کا کوئی مد مقابل اور نہ ہی ان چیزوں کی کوئی تمیز کرنے والا ہے۔

اس لئے ہمیں جعلسازوں، کاذبوں بلکہ اہل کتاب میں سے ظاہری طور پر اسلام لانے والوں کا بازار نہایت گرم نظر آتا ہے۔ ان کا شمار علم و معرفت اور امت کی تہذیب و ثقافت کے سرچشموں میں کیا جاتا ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ انھوں نے حکمرانوں اور سلطانوں کے جھنڈے تلے جا کر پناہ لی جبکہ نبیؐ کے اہلبیت کو میدان سے خارج اور کنارہ کش ہونے پر مجبور کر دیا گیا۔ اس بارے میں امام سجاد علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اللھم ان ھذا المقام لخلفائک و اصفیائک، و مواضع امنائک فی الدرجة الرفیعة التی اختصصتہم بہا قد ابتزوھا. حتی عاد صفوتک و خلفاؤک مغلوبین مقھورین مبتزین یرون حکمک مبدلا و کتابک منبوذا و فرائضک محرفة عن جہات اشراعک و سنن نبیک متروکة الخ ... (۱)"

۱۔ الصحیفہ السجادیہ (اڑتالیسویں دعا) دعائے روز جمعہ اور عرفہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"اے پروردگار! یہ مقام (حکومت) تیرے خلفاء اور برگزیدہ بندوں کا حق ہے یہ بلند و اعلیٰ مراتب جو تو نے اپنے امین بندوں سے مختص کئے ہیں لیکن یہ مقام و منزلت ان سے چھین لئے گئے ... یہاں تک کہ یہ تیرے خلفاء اور برگزیدہ بندے ظاہری طور پر مغلوب، مقہور اور اپنے حق سے محروم کر دیئے گئے۔ وہ دیکھ رہے ہیں کہ تیرا حکم تبدیل کر دیا گیا ہے، تیری کتاب سے بے اعتنائی برتی گئی ہے، تیرے احکام اور فرامین کو برعکس پیش کیا گیا ہے اور تیرے پیغمبرؐ کی سنت کو ترک کر دیا گیا ہے"۔

اس موضوع کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور اس پر علیحدہ سے بحث اور گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔ اس بارے میں ہم نے اپنے کتاب "دراسات و بحوث فی التاریخ و الاسلام" میں "امام سجادؑ اسلام کو زندہ کرنے والی شخصیت" کے عنوان کے تحت کچھ گفتگو کی ہے۔ خواہشمند احباب وہاں رجوع کر سکتے ہیں۔

میں اللہ تعالیٰ سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں اس اہم موضوع پر غور و فکر کی توفیق عطا فرمائے (انشاء اللہ تعالیٰ)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

روایات کو جانچنے کے اصول

رسول اکرمؐ کی شخصیت اور تمام مقدسات اسلام بلکہ اسلام کی اساس ہی کے خلاف ہونے والی ناپاک سازش (جس کا ہم نے پہلے تذکرہ کیا) کے پیش نظر ہم اس بات کو نہایت ضروری سمجھتے ہیں کہ ہم تاریخ اسلام، تاریخ پیغمبرؐ اور آنحضرتؐ کی احادیث کے متون کو جانچتے وقت درج ذیل نکات کو مدنظر رکھیں:-

روایت اور نص کا لغوی اور نحوی قواعد کے مطابق ہونا، حدیث سازوں، جھوٹوں اور سیاسی مفادات رکھنے والوں سے روایت کی سند کا پاک اور خالی ہونا، راویان حدیث کے حالات زندگی نیز ان کے سیاسی اور ذاتی مفادات کے حامل روابط کو مدنظر رکھنا، تضاد گوئی اور تعارض سے روایت کا مبرا ہونا اور تاریخی لحاظ سے اس کے امکان کا ثابت ہونا۔ (۱)

علاوہ ازیں روایات کی جانچ پڑتال اور تحقیق کے لئے ہمیں اور ہر دوسرے شخص کو مذکورہ معیار اور دوسرے معیاروں کے علاوہ درج ذیل اصولوں کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے:-

۱۔ قرآن کریم سے موازنہ کرنا، رسول اکرمؐ سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ:

"تکثر لکم الاحادیث بعدی فاذا روی لکم عنی حدیث فاعرضوہ علی کتاب اللّٰہ، فما وافق کتاب اللّٰہ فاقبلوہ، و ماخالف فردوہ". (۲) یعنی میرے بعد تمہارے لئے کثیر تعداد

۱۔ جو معیار بیان کیا گیا ہے اس پر صرف آئمہ معصومین علیہم السلام سے صادر ہونے والی روایات ہی کے معاملے میں ان کو ملحوظ رکھا جا سکتا ہے لیکن تاریخی نصوص میں کبھی ان تمام نکات کا پورا ہونا ممکن نہیں ہے خصوصاً سند کے لحاظ سے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثر تاریخ کی نگارش غیر امین افراد کے ہاتھوں انجام پائی ہے۔ جیساکہ پہلے بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ لہٰذا نہایت ضروری ہے کہ قابل اعتماد تاریخ کی حیثیت سے پیش کرنے سے پہلے تاریخ کے متعلق روایات کے بارے میں عدم تحریف، عدم جعل اور دیگر نکات پر باریک بینی سے تحقیق کی جائے۔

۲۔ شاشی کی اصول الحنفیہ ص ۴۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں حدیثیں لائی جائے گی، پس اگر میرے بعد تمہارے سامنے کوئی حدیث نقل کی جائے تو اسے کتاب الہی پر پیش کرو، جو حدیث کتاب کے موافق ہو اسے قبول کر لو اور جو مخالف ہو اسے رد کر دو۔

اس بارے میں ابن عباس کہتا ہے کہ "اگر تم مجھ سے رسول اللہؐ کی کوئی حدیث سنو اور اسے تم کتاب خدا میں نہ پاؤ یا لوگوں کے نزدیک اسے پسندیدہ نہ پاؤ تو سمجھ لو کہ میں نے رسول اللہؐ پر جھوٹ باندھا ہے"۔ (۱)

ابن مسعود نے کہا ہے کہ "غور کرو جو کتاب اللہ کے ساتھ مطابقت رکھتی ہو اسے قبول کر لو اور جو اس کے مخالف ہو اسے رد کر دو"۔ (۲)

حضرت ابوبکر نے اپنے ایک خطبے میں کہا ہے "اگر حق و باطل کے درمیان معرکہ ہو اور باطل نے سنت کو مٹا دیا اور حق کو نابود کر دیا ہو تو ان حالات میں تم مسجدوں کے ساتھ رہو اور قرآن سے مشورہ طلب کرو"۔ (۳)

ابی ابن کعب نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے کہا "اللہ کی کتاب کو اپنے سامنے رکھو اور اس کے حکم اور فیصلے پر راضی رہو"۔ (۴)

معاذ نے اس بارے میں یوں کہا ہے "تمام اقوال کو کتاب الہی کے سامنے پیش کرو لیکن اسے (کتاب خدا کو) کسی اور چیز سے نہ جانچو۔ (۵)

۱۔ سنن الدارمی جلد ۱ صفحہ ۱۳۶

۲۔ المصنف جلد ٦ صفحہ ۱۱۲ اور رجوع کریں خطب ابن مسعود جلد ۱۱ صفحہ ۱٦۰ نیز جامع بیان العلم جلد ۲ صفحہ ۳۲ اور حیات الصحابہ جلد ۳ صفحہ ۱۹۱ کی طرف، جس نے جامع بیان العلم سے نقل کیا ہے۔

۳۔ ابن قتیبہ کی عیون الأخبار جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ بیان و التبیین جلد ۲ صفحہ ۴۴ العقد الفرید جلد ۳ صفحہ ٦۰

۴۔ حلیۃ الأولیاء جلد ۱ صفحہ ۲۵۳ و حیاۃ الصحابہ جلد ۳ صفحہ ۵۲٦

۵۔ حیات الصحابہ جلد ۳ صفحہ ۱۹۷ میں کنز العمال جلد ۸ صفحہ ۸۷ سے اور اس میں ابن عساکر سے نقل ہوا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس بارے میں حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ "جو چیز کتاب اللہ کے مطابق نہیں ہے وہ باطل اور جھوٹ ہے"۔ (۱)

امام سجادؑ نے قرآن کے معیار ہونے کے متعلق فرمایا کہ "قرآن عدالت کی پہچان کا وہ معیار اور پیمانہ ہے جس کی زبان کبھی بھی حق سے تجاوز نہیں کرتی، یہ ایسا نور ہدایت ہے جس کا برہان مشاہدہ کرنے والوں پر کبھی بھی مخفی اور پوشیدہ نہیں ہوگا یہ نجات کا وہ پرچم ہے جس کے اصولوں کی پیروی کرنے والا گمراہ نہیں ہوگا"۔

آئمہ اہل بیتؑ سے اس قسم کی روایات بکثرت منقول ہیں۔ مذکورہ باتوں کی روشنی میں بعض لوگوں کے اس قول کی کوئی گنجائش اور اہمیت نہیں کہ "سنت کتاب پر حاکم ہے اور کتاب سنت پر حاکم نہیں ہے"۔ (۲)

اسی طرح ابوبکر بیہقی کی اس بات کی کوئی وقعت نہیں ہے کہ "وہ حدیث جو احادیث کو قرآن پر پیش کرنے کا ذکر کرتی ہے، جھوٹی اور باطل ہے بلکہ اس کے برعکس ہے اور خود اپنے بطلان پر دال ہے کیونکہ قرآن میں احادیث کو قرآن پر پیش کرنے کی کوئی بات نہیں ہوئی ہے"۔ (۳)

اسی طرح عبدالرحمان بن مہدی کا یہ کہنا فضول ہے کہ اس حدیث کو خوارج اور بے دین و منافق افراد نے جعل کیا ہے یعنی آپؐ کی یہ حدیث جس میں آپؐ نے فرمایا: "جو حدیث میرے حوالے سے تم تک پہنچے اسے کتاب خدا پر پیش کرو اگر وہ اس کے موافق ہو تو سمجھ لو وہ میرا قول ہے اور اگر اس کے خلاف ہو تو وہ میرا قول نہیں ہے، میں

۱۔ اصول کافی ج۱ ص ۵۵ اور اسی باب اور بہت سی روایات میں جو چاہتا ہے وہ ان کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ تاویل مختلف الحدیث ص ۱۹۹، سنن الدارمی ج۱ ص ۱۴۵، مقالات الاسلامیین ج۲ ص ۳۲۳ اور جامع بیان العلم ج۲ ص ۲۳۳

۳۔ بیہقی کی دلائل النبوۃ ج۱ ص ۲۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کتاب الٰہی کے مطابق گفتگو کرتا ہوں قرآن کے ذریعے خداوند متعال میری ہدایت کرتا ہے"۔ اور ان الفاظ کو آنحضرتؐ سے منسوب کرنا ان صاحبان علم کی نظر میں درست اور صحیح نہیں ہے جو صحیح کو غیر صحیح تشخیص دے سکتے ہیں۔ بعض علماء نے اسی حدیث کی مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہم پہلے اسی حدیث کو قرآن پر پیش کرتے ہیں اور اس پر اعتماد کرتے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ حدیث قرآن کے برخلاف ہے کیونکہ ہمیں قرآن میں کہیں بھی یہ بات نہیں ملتی کہ صرف اس حدیث نبوی کو قبول کرو جو قرآن سے مطابقت رکھتی ہو بلکہ قرآن آنحضرتؐ کی پیروی اور ان کے اوامر کی اطاعت کو بطور مطلق لازم قرار دیتا ہے اور اسی طرح ان کے حکم کی مخالفت کی بات بھی عمومی طور پر کرتا ہے۔ (۱)

ابو عمر کہتا ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے رسول اکرمؐ کی پیروی اور اتباع کا بطور مطلق حکم دیا ہے اور اسے کسی چیز سے مقید نہیں کیا جس طرح ہمیں قرآن کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو کتاب اللہ سے موافق ہو، جیساکہ بعض اہل باطل کہتے ہیں۔ (۲)

ہم یہاں پر بیہقی، ابن عدی اور ابوعمر سے یہ بات کہنے پر مجبور ہیں کہ تم نے بھی اشتباہ کیا ہے اور جن اہل علم کی طرف تم نے اشارہ کیا ہے وہ بھی دھوکہ کھا گئے ہیں۔

کیونکہ تمہاری یہ بات کہ ہم نے اس حکم کو قرآن میں نہیں پایا، کتاب کی مخالفت یا موافقت پر دلالت نہیں کرتی۔ ہم نہیں جانتے قرآن کے بارے میں تمہارا کیا نظریہ ہے؟ کیا تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن ہر کلی اور جزئی امر کے بارے میں واضح طور پر حکم بیان کرے؟ اگر ایسا ہو تو اس صورت میں قرآن کا حجم کتنا ہوگا؟ علاوہ ازیں قرآن کو حفظ کرنا اور اس سے استفادہ کیسے ممکن ہوگا؟

۱۔ جامع بیان العلم ج۲ ص ۲۳۳، اس روایت اور گذشتہ تمام موارد کے سلسلے میں کتاب بحوث مع اہل السنۃ و السلفیۃ کے ص ۶۷ اور ۶۸ کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ جامع بیان العلم ج۲ ص ۲۳۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس کے علاوہ کہ یہ حدیث، موافق کو قبول اور مخالفت کو رد کرنے کی بات کر رہی ہے لیکن وہ حدیث جو نہ موافق قرآن ہے نہ مخالف تو وہ حجیت اخبار کی دلیلوں کے تحت باقی رہے گی۔ (۱)

اس حدیث کے بارے میں جو کہتی ہے کہ "تم سے وہ شخص مسند استراحت پر تکیہ نہیں لگائے گا (یعنی آرام و چین سے نہیں بیٹھے گا) کہ جس کے پاس میرے اوامر اور نواہی پہنچ جائیں" تو وہ کہتا ہے کہ "میں کچھ نہیں جانتا، میں نے کتاب الٰہی میں کچھ نہیں پایا جو اس کی اتباع کروں"۔

خطابی نے کہا کہ "خود حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ حدیث کو کتاب پر پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے (لیکن ہمیں کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ حدیث کیسے اس پر دلالت کرتی ہے) وہ مزید یہ کہتا ہے کہ جو چیز بھی ثابت ہو جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے ہے وہ خودبخود حجت ہے اور بعض علماء کا یہ بیان کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے اگر کوئی حدیث تم تک پہنچے تو کتاب خدا پر اسے پیش کرو، اگر موافق ہو تو قبول کر لو ورنہ ....." تو واضح ہوا کہ یہ روایت باطل ہے اور اس کی کوئی بنیاد نہیں ہے اس کے متعلق زکریا ساجی نے یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کو بے دین افراد نے جعل کیا ہے"۔ (۲)

اگر ان تمام کو نظر انداز بھی کر دیا جائے لیکن یہ لوگ حضرت عمر کے قول کی کیا توجیہ پیش کریں گے جو انہوں نے رسول اکرمؐ کی رحلت کے موقع پر کہا تھا کہ "حسبنا کتاب اللہ" یعنی ہمارے لئے اللہ کی کتاب ہی کافی ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن کو صرف قبروں پر پڑھنے اور مجالس ترحیم میں تلاوت کرنے کے لئے یا اسے اپنے سینے سے لگائے رکھنے یا خوبصورت الماریوں میں

۱۔ یہ کلام علامہ محقق سید مہدی روحانی کا ہے۔ خدا ان کی حفاظت کرے۔

۲۔ سنن ابی داؤد کی شرح عون المعبود ج۴ ص ۳۵۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور دلنشین آوازوں میں پڑھنے کے لئے ہی نازل کیا تھا؟ کیا قرآن مُردوں کی کتاب ہے اور زندہ لوگوں کے لئے نہیں؟ قرآن مجید کے سیاسی، اجتماعی اور فقہی احکام، اس کے اوامر و نواہی اور دوسرے پہلوؤں کی کیا خاصیت ہے؟

اگر ان کی بات قبول کر لی جائے تو اس صورت میں قرآن کے ان اقوال کا کیا فائدہ ہوگا اور ان کی اہمیت رہ جائے گی جیسا کہ قرآن فرماتا ہے "ھدی للمتقین" (یعنی قرآن متقین کی ہدایت کرتا ہے)۔ "یھدی للتی ھی اقوم" (یعنی قرآن محکم ترین انداز سے ہدایت کرتا ہے) اور "فلا یتدبرون القرآن" (یعنی کیا وہ قرآن پر غور و فکر نہیں کرتے؟) اسی طرح کی اور بہت سی آیات موجود ہیں۔

اس صورت میں رسول اکرمؐ کے اس فرمان کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے کہ قرآن دو گراں قدر چیزوں میں سے ایک ہے جن سے تمسک رکھنے والا قیامت تک گمراہ نہیں ہوگا؟

اگر قرآن لوگوں کی زندگی، معاش اور دین سے کوئی سروکار نہیں رکھتا تو پھر ان بے معنی اور بے مفہوم الفاظ کو تلاوت کرنے اور انہیں حفظ کرنے کا لوگوں کو حکم دینا فضول اور بیہودہ ہوگا؟ (نعوذ باللہ)

آخر سوال یہ ہے کہ اگر ایسا تھا تو پھر علماء اور مفکرین نے تفسیر قرآن، اس کے الفاظ کی تشریح اور اس کے معانی و مقاصد کو بیان کرنے میں جو کوششیں کی ہیں اور ان چیزوں کو اس قدر اہمیت دی ہے وہ کس لئے تھا؟

ان کے علاوہ اور بہت سے سوالات باقی ہیں جن کا یہ لوگ کبھی بھی قانع کنندہ اور مفید جواب نہیں دے پائیں گے۔

یہ سب کچھ کہنے کے باوجود ہم حیرت زدہ ہیں کہ کیا کریں۔ ایک طرف تو حضرت ابوبکر، عمر، عثمان اور دیگر اموی خلفاء احادیث رسول اللہؐ کو نقل کرنے اور لکھنے کو ممنوع قرار دیتے ہیں۔ اصحاب کی تحریر کردہ احادیث کو جمع کر کے جلا دیتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمر بن خطاب اصرار کرتے ہیں کہ ہمیں خدا کی کتاب کافی اور وافی ہے لیکن جب قرآن کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

معانی اور تفسیر کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے تو پوچھنے والے کو ضرب و شتم کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ دوسری طرف یہی لوگ کتاب کو چھوڑنے اور سنت کو اس پر مقدم کرنے پر مصر ہیں۔

۲۔ وہ شخص جو سیرت نبیؐ میں تحقیق اور جستجو کرنا چاہتا ہے سب سے پہلے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ آنحضرتؐ کی شخصیت کی حدود کا تعین کرے اور ان حدود سے صحیح اساس کے مطابق آگاہی حاصل کرے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے اسے قرآن پر تکیہ کرنا چاہئے اور عقل و فطرت کے قطعی فیصلوں پر اعتماد کرنا چاہئے اس کے بعد یہ دیکھیں کہ مورد نظر حدیث اور نص خواہ کتاب سے بھی لی گئی ہو، اور جیسی بھی ہو، پیغمبرؐ کے شمائل اور شخصیت سے مناسب انداز میں مطابقت رکھتی ہے یا نہیں البتہ ان باتوں کی روشنی میں جو ہم نے بیان کی ہیں کہ آپؐ انسانیت کے لئے اعلیٰ اور عظیم ترین نمونہ ہیں۔ آپؐ کی ذات بلند ترین صفات و کمالات اور تمام انسانی فضائل سے آراستہ ہے۔

پس اگر حدیث یا نص مذکورہ معیاروں پر پورا اترتی ہو تو پھر جذباتی اور سیاسی عوامل سے متاثر ہوئے بغیر اور ہر قسم کی مصلحت اور مفاد کو بالائے طاق رکھ کر ہم اسے قبول کریں گے ورنہ اس کے رد کرنے میں ہم حق بجانب ہوں گے۔ بصورت دیگر اس بات کو کیسے قبول کر لیا جائے کہ فلاں مرجع دینی فلاں عمومی جگہ پر شراب پیتا تھا یا فلاں مشہور گلوکارہ کے لئے اس نے گانا لکھا؟ چہ جائیکہ انہیں یا ان سے بھی گھٹیا ترین باتوں کو آنحضرتؐ کی ذات مقدس سے منسوب کیا جائے۔

۳۔ نص یا روایت کو جانچنے کی تیسری شرط یہ ہے کہ وہ بدیہیات عقلی کے خلاف نہ ہو، قرآن نے عقل کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور اسے حکم (ثالث) قرار دیا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کی سرزنش کی ہے جو عقل کے ذریعے سے ہدایت نہیں پاتے۔ قرآن ہم سے کسی ایسی بات کا ہرگز تقاضا نہیں کرسکتا جو عقل کے برخلاف ہو یعنی ہم سے منوائے کہ چار کا نصف دو نہیں ہے وغیرہ۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دوسرے مسائل مثلاً تاریخی اور نظریاتی وغیرہ میں بھی عقل کا یہی معیار ہمارے پیش نظر رہنا چاہئے ان تمام امور میں بھی ہمارا موقف بنیادی طور پر ٹھوس حقائق پر مبنی ہونا چاہئے۔

نتیجہ:

گذشتہ تمام باتوں اور مذکورہ معیاروں کی روشنی میں ان کثیر روایات کی بے وقعتی کا اندازہ ہو جاتا ہے جو ہمارے پیارے نبیؐ کا تعارف ایک عاجز، جاہل، حقیر اور ذلیل شخص کے طور پر کراتی ہیں۔ اس اساس پر ان جعلی روایات کے لئے اسلام کے عقائد، تاریخ اور فقہ میں اس طرح کے اثر و نفوذ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، جس کی رو سے وہ اسلام کے اصولوں اور اس کی حقیقت، مسلمانوں کی حقیقت اور رسول اکرمؐ کی تاریخ کے منافی تصویر پیش کر سکیں۔ کیونکہ ان کی حقیقت جان لی گئی ہے۔

اس مقام پر ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ اس وقت ہم اس پاک و پاکیزہ میراث کو پیش کر سکتے ہیں جو درحقیقت مسلمین کے لئے عظمت و افتخار کا سرچشمہ ہے بلکہ ہر انسان کے لئے خواہ وہ کسی بھی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہو تاکہ ہم ان امور کو جو موجودہ دور اور حالات میں قوی اور ضعیف نکات کی نشاندہی میں ہماری مدد کرتے ہیں، حاصل کر سکیں اور ان کی روشنی میں ایک تابناک مستقبل کی تعمیر کر سکیں۔

طبیعی آغاز:

واضح ہے کہ تاریخ اسلام کا طبیعی آغاز اور اس کا بہت بڑا حصہ نبی اکرمؐ کی پاکیزہ اور عطر آگین سیرت ہے اس لئے ہم پر لازم ہے کہ ہم قبل از بعثت کی تاریخ کا بھی کچھ تذکرہ کریں تاکہ جس قسم کے حالات اور ماحول میں دین حق (جو خدا کے نزدیک وہی اسلام ہے) کی دعوت دی گئی اس سے ہم آگاہ ہو جائیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پہلا باب

بعثت سے پہلے کے حالات

پہلی فصل: آنحضرتؐ کی ولادت سے پہلے
دوسری فصل: آنحضرتؐ کی ولادت سے لیکر بعثت تک
تیسری فصل: تذکرہ سیرت سے پہلے کچھ باتیں

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پہلی فصل

آنحضرتؐ کی ولادت سے پہلے

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جزیرہ نمائے عرب کے جغرافیائی حالات

یہ ایک مستطیل جزیرہ نما ہے جس کی سرحدیں شمال میں فرات اور اس کے آخر میں دشت شام، سماوہ اور فلسطین، مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں خلیج عدن اور بحر ہند اور مغرب میں بحیرہ احمر سے جا ملتی ہیں۔

یہاں جغرافیائی حالات سے ہماری مراد درج ذیل امور ہیں۔

اول: جزیرۃ العرب میں ایک بھی دریا موجود نہیں ہے اکثر پہاڑ، درے اور صحرا ہیں جو بے آب و گیاہ ہیں اور زراعت کے قابل نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے یہ علاقہ کسی ایک جگہ مقیم ہو کر زندگی گزارنے کے لائق نہیں ہے۔ یہاں کے لوگ خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے تھے لہذا گذشتہ دور میں اس سرزمین کے اکثر باشندے بلکہ بقول ۹۰% لوگ خانہ بدوش اور مہاجر تھے جو صبح کہیں ہوتے تھے تو شام کو کہیں اور۔

دوم: اس صورت حال کی بنا پر یہ علاقہ اس زمانے کی دو سپر طاقتوں یعنی ایران و روم اور دوسروں کے تسلط سے محفوظ رہا اور اس طرح وہاں کے مذاہب و ادیان کے اثرات سے دور رہا یہاں تک کہ یہودی، رومی حکمرانوں کے ڈر سے جزیرۃ العرب فرار کر جاتے اور یثرب مدینہ یا حجاز کے دوسرے شہروں میں چلے جاتے۔ ان حالات کے نتیجے میں قبیلوں کی چھوٹی چھوٹی حکومتیں وجود میں آئیں۔ ہر قبیلے کا اپنا ایک حاکم اور ہر طاقتور فرد سلطان ہوتا تھا۔

سوم: دشوار گزار زندگی اور قبائلی نظام حکومت کے ساتھ ساتھ دین و وجدان کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

فقدان کے باعث یہ قبائل ہمیشہ آپس میں لوٹ مار اور قتل و غارت میں مشغول رہتے تھے۔ یہ لوٹ مار یا تو ذریعہ معاش کے طور پر ہوتی تھی یا پھر حصول اقتدار اور بالادستی کے لئے اور بعض اوقات اس کی وجہ انتقام اور خونخواہی یا پھر دوسرے عوامل ہوتے تھے۔ اس طرح جو قبیلہ دوسرے قبیلے پر مسلط ہو جاتا وہ اس کے اموال پر قبضہ کر لیتا، ان کی عورتوں اور بچوں کو اسیر بنا لیتا اور اس کے مردوں کو قتل کر دیتا یا پھر انہیں بھی قیدی بنا لیتا۔ اس کے بعد شکست خوردہ قبیلہ اپنی شکست کی تلافی کے لئے موقع کے انتظار میں رہتا اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا۔

ان حالات میں قبیلے کے تمام افراد کے درمیان قوی اور گہرے جذبات کا پایا جانا ایک طبیعی سی بات ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک جانتا تھا کہ اسے اپنی زندگی سے دفاع کے لئے دوسرے کی ضرورت ہے۔ یہی چیز شدید قبائلی تعصب کا باعث تھی کہ جس کی وجہ سے ان کے نزدیک رحم، مہربانی اور اخلاق وغیرہ کی کوئی حیثیت نہیں تھی لہذا وہ ہمیشہ اپنے ہی قبیلے کے فرد کی حمایت کرتے تھے چاہے وہ حق پہ ہوتا یا باطل پر۔ یہاں تک کہ اس بات کی مدح میں زمانہ جاہلیت کا ایک شاعر کہتا ہے۔

لا یسئلون اخاهم حین یندبهم
فی النائبات علی ما قال برهانا

یعنی مشکل وقت میں جب کوئی اپنے بھائی سے کمک کی درخواست کرتا ہے تو وہ اس سے دلیل طلب نہیں کرتا۔

دوسری طرف ہمیشہ قبیلہ اپنے ہر فرد کے ظلم یا خسارے کا ذمہ دار ہوتا تھا اور اسے بری نیت رکھنے والوں کی آزار و اذیت سے بچاتا تھا بلکہ کسی بے جرم سے بھی انتقام لے کر دل کی بھڑاس بجھا لیتے اور شوق انتقام پورا کرتے تھے بشرطیکہ وہ (بے جرم شخص) اس (مجرم) کا ہم قبیلہ ہوتا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جزیرہ نمائے عرب کے شہری

جزیرۃ العرب کے شہری یعنی شہروں میں سکونت رکھنے والے اگرچہ خانہ بدوشوں کی نسبت بہتر زندگی بسر کرتے تھے لیکن یہ امتیاز اس حد تک نہیں تھا کہ اسے ان دونوں کے درمیان ایک بڑا فرق قرار دیا جاسکے۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی سطح فکر، مفاہیم و عادات و رسوم اور طرز زندگی میں بہت زیادہ مشابہت پائی جاتی تھی۔ یہ اس وقت ہے کہ جب ہم یہ نہ کہیں کہ بادیہ نشین جسمانی لحاظ سے بہتر، زبان کے لحاظ سے فصیح تر، دل کے زیادہ قوی اور نفس، فکر اور سلیقہ کے اعتبار سے زیادہ پاک و پاکیزہ تھے۔ لیکن پھر بھی بیشتر موارد میں ان دونوں میں سے کسی ایک کا امتیاز اور برتری اس حد تک نہیں ہے کہ ایک محقق اس پر تحقیق کے لئے ایک جداگانہ باب مختص کرے بالخصوص حجاز کے شہریوں کے لئے۔

مختصر یہ کہ ہمیں اسلام سے پہلے کی تاریخ میں ان دو گروہوں میں سے کسی ایک کی دوسرے پر برتری دکھائی نہیں دیتی جیساکہ امیرالمومنین علیؑ اور دیگر افراد کے کلام سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے جس کا بعد میں ذکر کیا جائے گا لہذا اسے ایک جداگانہ باب میں لانے کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہے۔

عربوں کے اجتماعی حالات

جو شخص بھی تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے واضح طور پر دیکھتا ہے کہ اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں عرب اجتماعی لحاظ سے کس قدر پستی اور برائی کا شکار تھے۔ جس طرح کہ پہلے گزر چکا ہے قتل و غارت، لوٹ مار اور قبائلی تعصب وغیرہ اس دور کے عربوں کی خصوصیات تھیں۔ یہاں تک کہ اگر کسی قبیلہ کو لوٹ مار کے لئے کوئی دشمن نہ ملتا تو وہ اپنے دوستوں حتی اپنے چچازاد بھائیوں پر ہی ٹوٹ پڑتا تھا۔ قطامی کہتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

و کن اذا اغرن علی قبیل

و اعوزھن نہب حیث کانا

اغرن من الضباب علی حلال (۱)

و ضبۃ انہ من حان حانا

و احیاناً علی بکر اخینا

اذا ما لم نجد الا اخانا

۔ "ضباب" اور "ضبہ" قبیلوں نے جب دوسرے قبیلے پر حملہ کیا اور لوٹ مار سے ان کی ضرورت پوری نہ ہوئی تو انھوں نے اپنے گردونواح میں چھوٹے چھوٹے قبائل پر حملہ کر دیا۔ اور اگر کبھی لوٹ مار کے لئے ہمیں اپنے بھائی "بکر" کے سوا کوئی نہ ملے تو ہم اسی پر حملہ آور ہو جاتے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ان کو درپیش زندگی کی مشکلات اور فقر و فاقے، غلط نظریات (خاص کر عورتوں کے بارے میں) نیز جنگ اور لوٹ مار (جن کا مقصد عورتوں کو اسیر بنانا) کی فضا نے ان کو اپنی اولاد (خاص کر بیٹیوں) کے قتل یا زندہ دفن کرنے پر مجبور کیا تھا۔ بنی تمیم، قیس، اسد، ھذیل اور بکر بن وائل جیسے قبائل میں اس کا رواج تھا۔ (۲)

قرآن میں اولاد کو زندہ درگور کرنے کے مسئلے کے تذکرے، ان کو اس عمل سے منع کرنے اور اس کی مذمت سے ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ زندہ دفن کرنے کی رسم کس قدر رائج تھی۔ چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

و لاتقتلوا اولادکم خشیۃ املاق، نحن نرزقکم و ایاھم۔ (۳)

اپنی اولاد کو فقر و فاقے کے ڈر سے قتل نہ کرو ہم ہی جو تمھیں اور انھیں روزی دیں گے۔

۱۔ ضباب ایک قبیلے کا نام ہے اور حلال سے مراد ہے نزدیک رہنے والا۔

۲۔ شرح نہج البلاغہ ابی الحدید معتزلی ج۱ ص ۱۷۳

۳۔ سورہ اسراء، آیت ۳۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نیز ایک اور جگہ فرماتا ہے:۔ "و اذا الموؤدۃ سئلت، بای ذنب قتلت". (۱) "یعنی اور جب زندہ دفن شدہ لڑکیوں سے سوال کیا جائے گا کہ وہ کس گناہ میں قتل ہوئیں"۔

اسی طرح پیغمبر اکرمؐ نے بھی بیعت عقبہ کے موقع پر اس سے نہی کی تصریح فرمائی۔ محمد بن اسماعیل تیمی وغیرہ نے اس بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ فقط اولاد کے قتل کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ قتل کے علاوہ قطع رحمی بھی ہے اور اسی وجہ سے اس سے بچنے کی زیادہ تاکید کی گئی ہے اس کے علاوہ فقر کے خوف سے لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے اور لڑکیوں کو قتل کرنے کا رواج عام تھا۔ (۲)

عورت دور جاہلیت میں:

جاہلیت کے دور میں عورتوں کی زندگی انتہائی دشوار اور سخت و پر مشقت ہوتی تھی اس وقت کے مرد کے سامنے عورت کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی۔ اس موضوع پر بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں لہذا ہم اس پر مزید بحث کی ضرورت محسوس نہیں کرتے فقط خداوند عالم کے اس فرمان کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

"و اذا بشر احدھم بالانثی ظل وجھہ مسوداً و ھو کظیم. یتواری من القوم من سوء ما بشر بہ، ایمسکہ علی ھون ام یدسہ فی التراب الاساء مایحکمون". (۳) "یعنی اور اگر ان میں سے کسی کو بیٹی کی (ولادت) کی خوشخبری سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ (غصہ سے) سیاہ ہو جاتا ہے اور دل کے اندر غم کا تلاطم ہوتا ہے۔ وہ اس بری خبر پر اپنی قوم سے چھپتا پھرتا (اور سوچتا) ہے کہ کیا وہ اس کو ذلت کے ساتھ سنبھال رکھے یا مٹی میں دفن کرے"

۱۔ سورہ تکویر، آیت ۸ و ۹

۲۔ فتح الباری ج۱ ص ۶۱

۳۔ سورہ النحل، آیت ۵۸ و ۵۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ "خضری" (مشہور عرب مصنف) قرآن کو جھٹلانے کی فکر میں تھا کیونکہ اس نے ادعا کیا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب، عورت کا اکرام و احترام کرتے تھے۔ (۱)

جاہلیت میں عربوں کے حالات کے چند نمونے:

ایام جاہلیت میں عربوں کی حالت کے بارے میں امیر المومنینؑ کے بعض فرمودات کا ذکر ہی کافی ہے۔

آپؑ نے فرمایا: "بعثه و الناس ضلال فی حیرة، و حاطبون فی فتنة، قد استهوتهم الاهواء، و استزلتهم الکبریاء، و استخفتهم الجاهلیة الجهلاء، حیاری فی زلزال من الامر، و بلاء من الجهل". (۲) یعنی "خداوند عالم نے پیغمبرؐ کو اس وقت مبعوث فرمایا جب لوگ حیرت و پریشانی میں گم کردہ راہ تھے اور فتنوں میں ہاتھ پیر مار رہے تھے نفسانی خواہشوں نے انہیں بھٹکا رکھا تھا اور غرور نے بہکا دیا تھا۔ بھرپور جاہلیت نے ان کی عقلیں کھو دی تھیں اور حالات کے ڈانواں ڈول ہونے اور جہالت کی بلاؤں کی وجہ سے حیران و پریشان تھے"۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں: "و انتم معشر العرب علی شر دین، و فی شر دار، تنیخون بین حجارة خشن، و حیات صم، تشربون الکدر، و تاکلون الجشب، و تسفکون دمائکم، و تقطعون ارحامکم، الاصنام فیکم منصوبة، و الآثام فیکم معصوبة". (۳) یعنی "اے گروہ عرب اس وقت تم بدترین دین پر اور بدترین گھروں میں تھے۔ کھردرے پتھروں اور زہریلے سانپوں میں تم بود و باش رکھتے تھے۔ بت تمہارے درمیان گڑے ہوئے تھے اور گناہ تم سے چپٹے ہوئے تھے"۔

۱۔ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ ص ۱۶ سے ۲۰ تک از خضری۔
۲۔ نہج البلاغہ خطبہ ۹۱ از شرح شیخ محمد عبدہ۔
۳۔ نہج البلاغہ خطبہ ۲۵ از شرح شیخ محمد عبدہ۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک جگہ پر یوں فرمایا: "فالاحوال مضطربة' و الایدی مختلفة و الکثرة متفرقة فی بلاء ازل' و اطباق جهل' من بنات موؤدة' و اصنام معبودة' و ارحام مقطوعة' و غارات مشنونة". (۱) یعنی "ان کے حالات پراگندہ، ہاتھ الگ الگ تھے کثرت و جمعیت بٹی ہوئی، جانگداز مصیبتوں اور جہالت کی تہوں میں پڑے ہوئے تھے یوں کہ لڑکیاں زندہ درگور ہوتی تھیں، گھر گھر مورتیوں کی پوجا ہوتی تھی، رشتے ناطے توڑے جا چکے تھے اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم تھا"۔

امیر المومنینؑ کا کلام اس شخص کے مقابلے میں کہ جو تعصب کی بناء پر اس دوران میں جہالت و فساد کا انکار کرتا ہے ایک واضح و روشن دلیل ہے۔

کہا جاتا ہے کہ "مغیرہ بن شعبہ" نے "یزدگرد" سے مخاطب ہو کر یوں کہا تھا۔ "جہاں تک تم نے ہماری بدحالی کا ذکر کیا ہے تو اس وقت ہم سے زیادہ کوئی بدحال نہیں تھا اور ہماری بھوک کسی بھوک جیسی نہ تھی ہم گبریلے، بھنورے اور سانپ کھاتے تھے اور انہیں اپنی خوراک سمجھتے تھے۔ ہمارا گھر سطح زمین تھی اور ہمارا لباس اونٹ اور بھیڑ بکریوں کی اون سے ہی بنا ہوا ہوتا تھا۔ ایک دوسرے کو قتل کرنا یا دوسروں پر تجاوز کرنا ہی ہمارا دین تھا اور ہم میں بعض لوگ ایسے بھی ہوتے تھے کہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی بیٹیاں ان کے طعام و خوراک سے استفادہ کریں لہذا وہ انہیں زندہ دفن کر دیتے تھے"۔ (۲)

ابن عاص نے بھی ان میں سے بعض امور کی طرف اشارہ کیا ہے جو طالب ہوں وہ ادھر رجوع کریں۔ (۳)

۱۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۸۷ از شرح شیخ محمد عبدہ۔

۲۔ البدایہ و النہایہ ج۷ ص ۴۲ اور طبری ج۳ ص ۱۸

۳۔ مجمع الزوائد ج۸ ص ۲۳۶ نے طبرانی سے نقل کیا ہے اور حیاۃ الصحابہ ج۳ ص ۷۷۰ میں مجمع سے مروی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عربوں کے علوم

امیرالمومنینؑ کے گزشتہ کلام سے اس وقت کے عربوں کے حالات اور ان کی علمی و ثقافتی سطح کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہالت و گمراہی کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے اور یہ حقیقت "آلوسی" اور اس جیسے مؤرخین کے اس دعوے کی تکذیب کرتی ہے کہ (اسلام سے پہلے) عرب بعض علوم و فنون مثلاً نجوم، طب، قیافہ شناسی، ہوا شناسی اور پرندوں کی آواز و پرواز کے مطابق پیشگوئی اور آسمان شناسی وغیرہ کے لحاظ سے دوسری قوموں سے برتر تھے کیونکہ اس بارے میں جو کچھ وہ جانتے تھے وہ محض سادہ اور ابتدائی قسم کی معلومات تھیں جو زیادہ تر اندازے یا تخمینے پر مبنی ہوتی تھیں اور وہ بھی قبیلوں کے بڑے بوڑھوں یا بوڑھیوں سے ان تک پہنچی تھیں۔

ابن خلدون کی بھی یہی رائے ہے وہ کہتا ہے کہ علم طب کے بارے میں ان کی معلومات اتنی سادہ اور ابتدائی تھیں کہ انہیں نہ تو علم کہا جا سکتا ہے اور نہ ہی شبیہ علم۔ اور یہی بات آسمان شناسی اور ستارہ شناسی کے بارے میں کی گئی ہے جبکہ قیافہ شناسی اور پرندوں سے متعلق علوم تو بہت بعید ہیں۔ علاوہ ازیں ان میں سے بعض امور تو علم کہلا ہی نہیں سکتے۔

ہماری اس بات کی تائید کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ لوگ ان پڑھ تھے اور سوائے چند محدود افراد کے باقی لکھنا پڑھنا بالکل نہیں جانتے تھے یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ جب پیغمبر اکرمؐ نے قبیلہ بن بکر بن وائل کو خط بھیجا تھا تو اس پورے قبیلے میں کوئی ایسا شخص نہ تھا کہ جو اس خط کو پڑھ سکے۔ (۱)

۱۔ مجمع الزوائد ج ۵ ص ۳۰۵ اس کتاب کے مؤلف نے کہا ہے کہ اس کی روایات صحیح ہیں۔ اس نے احمد، بزار، ابی یعلی اور طبرانی (الصغیر) سے اور اس نے انس اور مرثد بن ظبیان سے نقل کیا ہے۔

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"بلاذری" نے روایت کی ہے اور لکھا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت "قریش" (مکہ میں) سے سترہ افراد اور "اوس" و "خزرج" (مدینہ میں) سے فقط بارہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ (۱) ابن خلدون کی رائے تو یہ ہے کہ ان افراد میں سے بھی اکثر مہارت نہیں رکھتے تھے بلکہ نہایت ضعیف اور ابتدائی طور پر لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

بلکہ بسا اوقات اس زمانے کے لوگ لکھنے پڑھنے کو عیب سمجھتے تھے۔ "عیسیٰ بن عمر" کہتا ہے کہ "ذو الرمہ" نے مجھے کہا کہ اس حرف پر پیش ڈال دو تو میں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم لکھنا جانتے ہو؟ تو اس نے فوراً علامت سکوت کے طور پر ہاتھ منہ پر رکھتے ہوئے سمجھایا کہ میرے اس کام کو پوشیدہ رکھنا کیونکہ ہمارے ہاں یہ عیب شمار ہوتا ہے۔ (۲)

یہ سب کچھ ان حالات میں تھا کہ قریش مقام و منزلت اور اثر و نفوذ کے اعتبار سے حجاز میں سب سے بڑا قبیلہ تھا چونکہ یہ لوگ تجارت پیشہ تھے اور اس پیشے کے لئے بہرحال پڑھا لکھا ہونا ضروری ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود ان کی یہ حالت تھی۔ "اوس" اور "خزرج" ثقافت اور نفوذ (شہرت) کے اعتبار سے حجاز میں قریش کے بعد دوسرے مرتبے (درجے) پر شمار کئے جاتے تھے پس جب یہ اہم قبائل علمی لحاظ سے اس سطح پر ہوں تو ان پر یہود اور نصاریٰ (اگرچہ یہود سے کم تر) کا فکری تسلط ایک بدیہی امر ہے اور یہ بھی اعراب انہیں اس نگاہ سے دیکھیں جیسے شاگرد اپنے استاد کی طرف دیکھتا ہے۔ اس بارے میں انشاء اللہ ہم بعد میں اشارہ کریں گے۔

۱۔ دیکھئے فتوح البلدان طبع یورپ ص ۴۸۱ اور مابعد نیز صلاح الدین منجد کی تحقیق کے ساتھ چھپنے والے ایڈیشن کے حصہ سوم کا ص ۸۰۔ اگرچہ انہوں نے لکھنے پڑھنے والوں میں جن افراد کا ذکر کیا ہے (مثلاً حضرت عمر وغیرہ) تو ان میں سے بعض کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت عمر کے قبول اسلام کی بحث میں ذکر ہوگا کہ وہ پڑھنا بھی نہیں جانتے تھے۔

۲۔ الشعر و الشعراء از ابن قتیبۃ ص ۳۳۴

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس کے علاوہ جو چیز یہاں قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ ان کا ان پڑھ ہونا ہی ان کی قوت حافظہ کے قوی ہونے کا راز تھا لیکن بعد میں "عصر کتابت" کے بعد سے کتابت پر زیادہ اعتماد کے تناسب سے ان کی یہ استعداد کم ہوتی چلی گئی۔

بعد میں انشاء اللہ ہم اس کی طرف اشارہ کریں گے کہ ناخواندگی کے خاتمے کے لئے اسلام کس قدر اہمیت کا قائل ہے یہاں تک کہ روایت ہے کہ جنگ بدر میں جب کفار کو قیدی بنا لیا گیا تو پیغمبر اکرمؐ نے ان کی رہائی کے لئے یہ فدیہ مقرر کیا کہ ہر اسیر دس مسلمان بچوں کو تعلیم دے۔ یاد رہے کہ جنگ بدر دعوت اسلام اور مشرکین سے جنگ کے لحاظ سے مسلمانوں کے لئے جب سے مشکل اور حساس مرحلہ تھا۔ اس بارے میں ہم جنگ بدر اور کچھ "احد" کے بارے میں بحث کے اواخر میں بیان کریں گے۔

مختصر یہ کہ اس وقت (قبل از اسلام) ہر طرف جہالت کا دور دورہ تھا اور اسلام سے پہلے کہیں بھی فکری ارتقاء کی کوئی علامت نظر نہیں آتی تھی بلکہ اس کے برعکس اکثر جہالت، گمراہی اور ہلاکت ہی کے آثار نظر آتے ہیں۔

عربوں کی خصوصیات

اسلام سے پہلے بعض خصوصیات اور اوصاف کی وجہ سے عرب دوسروں سے ممتاز تھے اور انہی اوصاف کی بنا پر لوگ ان کی مدح کیا کرتے تھے البتہ یہ اچھی صفات ان کی بری عادات کے مقابلے میں بہت کم تھیں لیکن جب ہم انہی کم اچھی صفات کو "دقیق" نظر سے دیکھتے ہیں تو ان میں بھی کوئی قابل تعریف چیز نظر نہیں آتی بلکہ اکثر موارد میں نتیجہ برعکس ہی نکلتا ہے کیونکہ ہر کام کی حقیقی قدر و قیمت اس کے محرکات، وسائل اور عزائم سے وابستہ ہوتی ہے جبکہ اسلام سے پہلے عربوں سے منسوب امور میں ہمیں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آتی جو ان کی تعریف و تمجید یا مدح و ثنا کا باعث بن سکے نہ تو وسائل اور محرکات کے لحاظ سے اور نہ ہی اہداف و مقاصد کے نقطہ نظر سے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عربوں کے امتیازات

۱۔ فیاضی اور مہمان نوازی

یہی وہ تنہا چیز ہے کہ جسے ابو سفیان نے اپنے دین کی درستی کی دلیل کے طور پر پیش کیا تھا۔ اس نے "کعب ابن اشرف" سے کہا کہ خدا کی نظر میں کیا ہمارا دین بہتر ہے یا "محمدؐ" اور اس کے اصحاب کا دین؟ ہم میں سے کون تیرے خیال میں زیادہ ہدایت یافتہ اور حق کے نزدیک تر ہے؟ جبکہ ہم بلند کوہانوں والے اونٹوں کی قربانی دیتے ہیں اور پانی کے ساتھ دودھ سے لوگوں کی پذیرائی کرتے ہیں اور جب شمالی ہوائیں چلنے سے گرمی میں شدت آتی ہے تو ہم لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں ابن اشرف نے جواب دیا کہ "تم ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو"۔

لیکن ان کی یہ خصلت کوئی حقیقی فضیلت و برتری شمار نہیں ہوتی کیونکہ ان کی یہ سخاوت نہ تو خدا پر ایمان کی وجہ سے تھی اور نہ ہی ان انسانی عواطف کی وجہ سے تھی جن کی بناء پر انسان دوسروں کو محتاج دیکھ کر متاثر ہوتا ہے اور بغیر سوال یا کسی اور وجہ کے فقط ہمدردی کے تحت بخشش عطا کرتا ہے۔ نہ فقط یہ بلکہ اس کے برعکس انہیں اس عمل پر ابھارنے والے عوامل غیر انسانی ہوا کرتے تھے اور وہ یہ کہ بدنامی کے عار سے محفوظ رہیں اور شعرا کی ہجو و بدگوئی سے اپنے آپ کو بچائیں تاکہ وہ کنجوسی اور بخل کی وجہ سے شہروں میں بدنام نہ ہو اور ان کی عزت، آبرو اور احترام کو کوئی گزند نہ پہنچے یا پھر یہ کہ ان کا نام اچھے اوصاف کے ساتھ لیا جائے اور ہمیشہ ان کی تعریف کی جائے یا قبیلے کی سربراہی و سرداری کا حصول مدنظر ہوتا تھا یا اپنے حریف پر برتری جتانا مقصود ہوا کرتا تھا۔ اس بات پر تاریخی شواہد بہت زیادہ ہیں اگرچہ بعض استثنائی موارد اس کے برعکس بھی ہیں کہ جو شاذ و نادر ہونے کی وجہ سے قابل توجہ نہیں ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یاد رہے کہ بدو اعراب کا سامنا چونکہ نہایت طاقتور اور بے رحم فطرت (جو صحرا کی طبیعت میں شامل ہے) سے ہوا کرتا تھا اور وہ اس کے مقابلے میں اپنے آپ کو ناتوان پاتے تھے لہذا ان میں مہمان نوازی اور فیاضی کی ضرورت کا شعور پیدا ہونا فطری بات تھی۔ کیونکہ صحرائی سفر دشوار اور سخت ہونے کے علاوہ دسیوں دن طول پکڑتے تھے اور سفر میں مطلوب کافی غذائی مواد اٹھانا ممکن نہیں ہوتا تھا۔

۲۔ قومی غیرت و تعصب

یہ درحقیقت ایک مذموم اور بری صفت تھی کیونکہ وہ صرف اپنے قبیلے کے افراد یا رشتہ داروں کی حمایت اور مدد کیا کرتے تھے چاہے وہ ظالم ہوتے یا مظلوم۔ قرآن پاک ان کی اس خصلت کو "حمیة الجاهلیة" یا جاہلانہ تعصب سے تعبیر کرتے ہوئے اس کی مذمت کرتا ہے کیونکہ اس تعصب اور غیرت کی وجہ جہالت اور نادانی ہے اور یہ حماقت جلد بازی کا نتیجہ ہے اس خصلت کی پیدائش کی وجہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔

۳۔ شجاعت

یہ صفت اپنے مختلف موارد میں استعمال کے اہداف کے لحاظ سے مستحق مدح یا مورد مذمت قرار پاتی ہے جہاں یہ اچھے موارد میں ظاہر ہو وہاں یہ قابل ستائش ہے ورنہ دیگر مواقع پر یہ باعث مذمت ہے اسی لئے اگرچہ شیر سے زیادہ شجاع کوئی نہیں لیکن یہ صفت اس کے لئے کوئی فضیلت شمار نہیں ہوتی۔

جب ہم اس مسئلے کی گہرائی میں جاتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ اس وقت عربوں میں شجاعت کا راز یہ تھا کہ وہ ایسے صحرائی ماحول میں زندگی بسر کیا کرتے تھے کہ جو قدرتی پناہگاہوں اور رکاوٹوں وغیرہ سے خالی ہوتا تھا۔ جہاں ہر کوئی جانتا تھا کہ وہ خود ہی اپنی ذات کی حفاظت کا ذمہ دار ہے اور تلوار یا زور بازو کے علاوہ کوئی چیز اسے نہیں بچا سکتی خصوصاً

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جب ہر لحہ جنگ اور لوٹ مار اور انتقام کا خطرہ سامنے ہو۔ ان حالات میں جو بھی شجاع اور نڈر نہ ہوتا وہ دوسروں کا لقمہ بن جاتا تھا یا کم از کم خود شکار نہیں کر پاتا تھا گویا یہی ان لوگوں کی منطق تھی کہ "اگر بھیڑیے نہ جو تو دوسرے بھیڑیے تمہیں نگل جائیں گے" اور اس کے باوجود بھی کیا بھیڑیے کی درندگی میں اس کی شجاعت کی تعریف کی جا سکتی ہے؟

۴۔ جرات اور قوت فیصلہ

اس بارے میں گفتگو شجاعت والی گفتگو سے مختلف نہیں ہے بلکہ اسی سے مربوط بحث ہے۔ یہاں اس نکتے کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ بدو عربوں کی یہ خصلت اپنے اعمال کے مقابلے میں غیر ذمہ داری کے احساس کی وجہ سے تھی کیونکہ وہ قبیلے کی طرف سے مورد حمایت قرار پاتے تھے چاہے وہ ظالم ہوتے یا مظلوم۔

اس کی دوسری وجہ بیابانوں میں زندگی تھی کہ جہاں اچانک جنگ یا انتقامی قتل کا خطرہ ہمیشہ ان کے سروں پر منڈلاتا رہتا تھا اور یہی چیز سرعت عمل کا تقاضا کرتی تھی اس کے علاوہ تمام حوادث کے مقابلے میں احساس ذمہ داری کے فقدان نے بھی فوری رد عمل دکھانے کو ان کی نمایاں خصوصیت بنا دیا تھا (یا سرکشی کو جنم دیا تھا)۔

انتقام میں جلد بازی ان میں ایک خاص حساسیت کا موجب بنی تھی جس کی وجہ سے ان میں کبھی بھی حلیم اور بردبار انسان نہیں ملتے تھے سوائے ان عمر رسیدہ اور نادر افراد کے جو یا تو عالی ہمت ہوتے تھے یا ڈرپوک۔

۵۔ عزت نفس، نفس پر توجہ، آزادی پسندی، قوت ارادی

کلام میں فصاحت و بلاغت اور ہمسائے کے حقوق جیسی چیزیں بھی کسی نہ کسی طرح گذشتہ موارد سے ہی مربوط ہیں لہذا ان سے بحث کرتے ہوئے بھی ان کے اہداف اور مقاصد کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ گذشتہ وجوہات کے علاوہ ان صفات کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس زمانے میں خانہ بدوش عرب کسی ایسی مرکزی حکومت کے تابع نہ تھے۔ جو ان پر تسلط جمانے یا کسی نظام کو ٹھونسنے کی کوشش کرتی اگرچہ جبر و تذلیل کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو۔ نتیجتاً وہ اپنے قول و عمل اور اقدامات وغیرہ میں آزاد ہوتے تھے۔

۶۔ ایفائے عہد

یہ بذات خود ایک اچھی صفت تھی سوائے ان موارد کے کہ جن میں یہ عہد نامے معاشرے کے لئے مضر ہوتے تھے البتہ صحرائی زندگی، اپنی خاص صفات کے ساتھ کہ جن کی طرف پہلے اشارہ کیا گیا ہے ایسی ہی صفت کا تقاضا کرتی تھی۔

گذشتہ بحث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مذکورہ صفات کو اخلاق اور انسانی فضائل و اقدار میں سے شمار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ یہ صفات، اچھے اخلاق، انسانیت، تقویٰ اور دینی شعور کی بنیاد پر ظہور میں آتی ہوں بلکہ اس کے برعکس ان کی بنیادیں بیشتر اوقات ناپسندیدہ ہوتی تھی۔

اسلام اور مذکورہ صفات

اسلام نے کوشش کی کہ ان صفات کو ان کے صحیح راستے پر لے آئے اور انہیں انسانی اقدار، حقیقی عواطف اور اخلاق فضائل کی بنیاد فراہم کرے خصوصاً صحیح دینی جذبات کو ایک امت کی تشکیل کے لئے بروئے کار لائے اور ان صفات میں سے جو اس قابل نہ ہوتی کہ اسے باقی رکھا جاتا اسے حکمت اور اچھے وعظ و نصیحت کے ذریعے ختم کرنے کے لئے اقدام کیا مثلاً اسلام نے بذل مال اور جود و کرم کو انسانی جذبوں اور محتاجوں کی ضروریات کے احساس کی بنیادوں پر استوار کرنے کی کوشش کی جیساکہ بہت سی نصوص سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے جبکہ اللہ کی طرف سے اجر اور مغفرت کی خواہش اس پر مستزاد ہے اور اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا صریح فرمان ہے:

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"و یطعمون الطعام علی حبه مسکیناً و یتیماً و اسیراً انما نطعمکم لوجه اللّٰه لا نرید منکم جزآءً و لا شکوراً". (۱)

"اور وہ مسکین، یتیم اور اسیر کو محبت خدا میں کھانا کھلاتے ہیں اور کہتے ہیں ہم تمہیں فقط خدا کی خاطر کھانا کھلاتے ہیں اور تم سے کسی جزا اور شکریہ کی تمنا نہیں رکھتے"۔

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر دوسروں کو اپنے آپ پر ترجیح دینے کی تعریف کی ہے اور اس کی مدح میں فرماتا ہے:

"و یؤثرون علی انفسھم و لو کان بھم خصاصۃ". (۲)

"اور وہ دوسروں کو اپنے آپ پر مقدم کرتے ہیں اگرچہ خود تنگدست ہوں"۔

اور قبائلی تعصبات کا رخ موڑ کر انہیں تعمیری رخ پر لگانے اور اس کے تمام شر انگیز اور انحرافی عناصر کا خاتمہ کرنے کی کوشش کی پس اس نے ماں باپ سے نیکی اور صلہ رحمی کی دعوت دی اور اسے واجبات میں سے قرار دیا۔ واضح ہے کہ یہ امر معاشرے میں انسانوں کے باہمی ربط کو تقویت عطا کرتا ہے جبکہ اس نے ناحق تعصبات پر ضرب لگائی اور انہیں جاہلیت کے مظاہر میں سے گردانتے ہوئے اس پر سزا مقرر کی۔ اس کے بارے میں بعض صریح نصوص موجود ہیں جن کی طرف ہم سیرت نبویؐ میں اشارہ کریں گے۔

اسی طرح سے اسلام نے سخت مزاجی و قساوت کو دین و انسانیت کی بھلائی کے راستے پر لگا دیا اور حق و خیر کے لئے اسے ثمر بخش اور محافظ بنا دیا۔ اس امر پر دلالت کرنے والی نصوص بہت زیادہ ہیں ہم فقط چند آیات کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

"اشداء علی الکفار رحماء بینھم". (۳)

"وہ کافروں پر بڑے سخت ہیں اور آپس میں مہربان"۔

۱۔ سورہ دھر، آیت ۸ و ۹

۲۔ سورہ حشر، آیت ۹

۳۔ سورہ فتح، آیت ۲۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نیز فرمایا:

"یا ایها النبی جاهد الکفار و المنافقین و اغلظ علیہم". (۱)

"اے نبی! کافروں اور منافقوں کے خلاف جہاد کرو اور ان پر سختی کرو"۔

اور اسی طرح فرمایا:

"و قاتلوا الذین یلونکم من الکفار و لیجدوا فیکم غلظة". (۲)

"جو کافر تمہارے نزدیک ہیں ان سے جنگ کریں چاہے کہ وہ تم میں سختی دیکھیں"۔

اس سلسلے میں بہت سی آیات و روایات ہیں۔ قرآن چاہتا ہے کہ سخت گیری کی صفت سے ظلم و انحراف کے خاتمے اور حق پر قائم رہنے کے لئے کام لیا جائے۔ اللہ کے راستے میں کسی ملامت کی پروا نہ کرے وہ چاہتا ہے کہ یہ سختی مومنین کے مابین رحمت، مہربانی اور سلامتی میں بدل جائے۔ مذکورہ صفات کے بارے میں نصوص قرآن، احادیث رسول صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اور اقوال معصومین علیہم السلام کی طرف رجوع کیا جائے تو کوئی شک باقی نہیں رہتا کہ اسلام نے اپنی پوری کوشش کی کہ انسان کی پسندیدہ صفات کو امور خیر کی طرف بڑھائے کہ جن میں دین اور امت کی بھلائی ہے اور ان مذموم صفات کا قلع قمع کر دے کہ جو انسانی سعادت اور حق کی بلند عمارت کے لئے ہولناک اور تباہ کن ہیں۔

۱۔ سورہ توبہ، آیت ۷۳

۲۔ سورہ توبہ، آیت ۱۲۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بنائے مکہ کی تاریخ

وہ سرزمین کہ جو "ام القریٰ" کے لقب کی بجا طور پر حامل ہو گئی' کی بناء پر توسیع کی دقیق تاریخ ہم بیان نہیں کر سکتے ظاہراً مکہ کی تاسیس حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں تاسیس کعبہ سے پہلے ہوئی جیساکہ بعض روایات میں اس کی طرف اشارہ ہوا ہے نیز قرآن حکیم میں حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول بھی اسی امر کی حکایت کرتا ہے: "رب اجعل ھذا البلد آمنا". (سورہ ابراہیم / ۳۵) یعنی اے میرے پروردگار اس شہر کو مقام امن قرار دے۔

لہذا بعض لوگوں کا یہ کہنا درست نہیں کہ "قصیٰ" وہ پہلا شخص ہے کہ جس نے مکہ کی بنیاد رکھی اور قبل ازیں بیت اللہ صحرا میں تھا تھا خصوصاً زیارات کے وقت۔ اس کی دلیل وہ یہ پیش کرتے ہیں کہ "قصیٰ" کو "مُجمِّع" کہا جاتا ہے کیونکہ اسی نے اطراف کعبہ میں قبائل کو جمع کیا۔ اس امر کو ان کے ادعا پر دلیل نہیں مانا جاسکتا کیونکہ "قصیٰ" سے قبل تاریخ مکہ کا وجود اس امر پر بہترین شاہد ہے کہ اس سے قبل بھی وہاں پر آبادی موجود تھی' لوگ بستے تھے اور یہ بستی معروف و مشہور تھی تاہم ممکن ہے "قصیٰ" نے ساکن قبائل کو مکہ میں مناسب طور پر منظم کیا ہو۔

بہرحال تاریخ مکہ کچھ بھی ہو ہمارے لئے یہ امر زیادہ اہمیت نہیں رکھتا جو چیز ہمیں جاننا چاہیے وہ مکہ کا دینی مقام اور اس سے عرب و غیر عرب قبائل کا ارتباط ہے اس کے بارے میں گفتگو مکہ میں موجود بیت عتیق کے بارے میں گفتگو سے جدا نہیں ہیں اسی طرح سے قریش (جسے اس بیت عتیق کی خدمت کا شرف حاصل تھا) کے بارے میں گفتگو سے بھی جدا نہیں۔ اس سلسلے میں ہم چند نکات کا ذکر کرتے ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

الف۔ تاسیس کعبہ

کعبہ ہی وہ پہلا گھر ہے جو مکہ میں انسانوں کے لئے بنایا گیا یہ گھر بابرکت ہے اور عالمین کے لئے ہدایت ہے جیساکہ قرآن نے تصریح کی ہے معروف اور مشہور یہ ہے کہ اس کے بانی شیخ الانبیاء حضرت ابراہیمؑ ہیں لیکن حضرت امیر المومنین علیؑ کے اقوال میں ایسے شواہد موجود ہیں جو اس امر پہ دلالت کرتے ہیں کہ خانہ خدا ابو البشر حضرت آدمؑ کے زمانے سے تھا البتہ حضرت ابراہیمؑ نے اس کی بنیادوں کو بلند کیا نیز اس کی عمارت اور دیواروں کو سنوارا تھا۔ حضرت امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

"الاترون ان اللّٰہ سبحانہ اختبر الاولین من لدن آدم صلوات اللّٰہ علیہ، و الی الاخرین من ھذا العالم باحجار لاتضر و لاتنفع، و لاتبصر و لاتسمع، فجعلھا بیتہ الحرام (الذی جعلہ للناس قیاما). ثم وضعہ باوعر بقاع الارض حجراً، و اقل نتائق الدنیا مدراً، و اضیق بطون الاودیۃ قطراً، بین جبال خشنۃ، و رمال دمثۃ، و عیون وشلۃ، و قری منقطعہ لایزکو بہا خف، و لاحافر و لاظلف. ثم امر آدم و ولدہ: ان یثنوا اعطا فھم نحوہ، فصار مثابۃ لمنتجع اسفارھم، و غایۃ لملقی رحالھم، تہوی الیہ الافئدۃ من مفاوز سحیقۃ الخ". (۱)

یعنی "کیا تم لوگ مشاہدہ نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے زمانے کے لوگوں سے لے کر آخری زمانے تک کے لوگوں کو آزمایا ہے ان پتھروں کے ذریعے جو (بذات خود) نہ مضر ہیں نہ مفید نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں۔ پس اس نے انہی پتھروں کو بیت الحرام اور لوگوں کے لئے باعث قیام اور اسے دنیا کے سب سے زیادہ ناہموار پتھریلے اور دشوار گزار بے خاک اور سب سے زیادہ تنگ وادی میں قرار دیا، کھردرے پہاڑوں، نرم ریتلی زمین اور کم پانی چشموں کے درمیان"۔

۱۔ نہج البلاغہ خطبہ قاصعہ نمبر ۱۸۷ (شرح محمد عبدہ)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسی طرح ایسی سنی و شیعہ روایات ہیں کہ جو اس مدعیٰ پر دلالت کرتی ہیں جو صاحب چاہیں ان کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ (۱)

ظاہراً قرآن بھی اس امر کا مخالف نہیں ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کی طرف خانۂ خدا کی تعمیر نو کی نسبت دیتے ہوئے فرماتا ہے:

"و اذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت". (۲)

اور جب ابراہیمؑ البیت کی بنیادیں اٹھا رہے تھے۔

یہ الفاظ اس بات کے منافی نہیں ہیں کہ عمارت کی بنیادیں پہلے سے موجود ہوں اور ابراہیمؑ نے ان بنیادوں کو بلند کیا ہو اور اس کی دیواروں میں کچھ تبدیلی کی ہو۔ یہ موضوع زیادہ بحث و تحقیق کا محتاج ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں توفیق دے کہ ہم کسی اور موقع پر انشاء اللہ اس کا حق ادا کر سکیں۔

ب۔ ابراہیمؑ کی دعا

بہرحال جب ابراہیمؑ نے ملاحظہ کیا کہ جس گھر کے ذریعے اللہ انسانوں کو آزماتا ہے وہ ایسی جگہ پر واقع ہے کہ جہاں زندگی بسر کرنا مشکل اور طاقت فرسا ہے جیسا کہ قبل ازیں امیر المومنینؑ کا کلام بھی گزر چکا ہے لہذا انہوں نے اپنے پروردگار کو یوں پکارا:

"رب انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع، عند بیتک المحرم، ربنا لیقیموا الصلاۃ، فاجعل افئدۃ من الناس تھوی الیھم، و ارزقھم من الثمرات، لعلھم یشکرون". (۳)

۱۔ مثال کے طور پر آپ ان کتب کیطرف رجوع کرسکتے ہیں۔ تفسیر نور الثقلین ج ۱ ص ۱۲۹-۱۲۶ الطبری، الدرالمنثور، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید وغیرہ۔

۲۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۲۷

۳۔ سورہ ابراہیم، آیت ۳۷

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یعنی اے میرے پالنے والے میں نے تیرے معزز گھر کے پاس ایک بنجر وادی میں اپنی کچھ اولاد کو بسایا تاکہ اے ہمارے پالنے والے یہ لوگ یہاں پر نماز پڑھا کریں۔ پس تو بعض لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر اور انہیں مختلف پھلوں سے روزی عطا کر تاکہ یہ لوگ تیرا شکر ادا کریں۔

بیشک ابراہیمؑ کی دعا قبول ہوگئی اور مکہ صاحبان آرزو کا قبلہ ہوگیا اور برگزیدگان عالم کے قلوب کا مرکز بن گیا۔

ج۔ کعبہ کا احترام

کعبہ تمام امتوں کے نزدیک مقدس و معظم رہا ہے لہذا علامہ طباطبائیؒ ایدہ اللہ (اللہ ان کی دستگیری کرے) فرماتے ہیں۔ (۱) "ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ "سیوا" کی روح کہ جو ان کے نزدیک "اقنوم سوم" ہے حجر اسود میں حلول کر گئی جبکہ وہ اور اس کی زوجہ بلاد حجاز کی زیارت کر رہے تھے"۔

فارس کے صابئین اور کلدانی کعبہ کو سات محترم گھروں میں سے ایک گھر شمار کرتے ہیں (۲) اور بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ یہ زحل کا گھر ہے کیونکہ یہ گھر بہت پرانا ہے اور اسے طویل زمانہ گزر چکا ہے۔

۱۔ جس وقت یہ سطور لکھی جا رہی تھیں مفسر قرآن علامہ محمد حسین طباطبائی اعلی اللہ تعالی مقامہ بقید حیات تھے۔ (مترجم)

۲۔ سات گھر یہ ہیں: کعبہ، مارس (اصفہان میں ایک پہاڑ کے اوپر)، ہندوستان (ملک ہند میں)، نوبہار (شہر بلخ میں)، بیت غمدان (شہر صنعاء میں)، کاوسان (خراسان کے شہر فرغانۃ میں) اور وہ گھر جو چین کے بلند علاقوں میں موجود ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہودی بھی کعبہ کی تعظیم کرتے تھے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اس میں دین ابراہیمؑ کے مطابق اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کعبے میں مجسمے اور تصاویر موجود تھیں، ان میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے مجسمے بھی تھے جو اپنے ہاتھوں میں تیر پکڑے ہوئے تھے نیز وہاں پر عذراؑ (جناب مریمؑ) اور حضرت عیسیٰؑ کی تصاویر بھی تھیں۔ عیسائیوں کا بھی، یہودیوں کی طرح کعبہ کی تعظیم کرنا اسی امر کا گواہ ہے۔ عرب والے بھی اس کا نہایت احترام کرتے تھے وہ اسے اللہ تعالیٰ کا گھر شمار کرتے تھے اور اطراف و اکناف سے اس کی زیارت کے لئے آیا کرتے تھے۔ (۱)

یہ تو تھی بات علامہ طباطبائیؒ کی لیکن اس کے کچھ حصہ کے لئے معتبر تاریخی سند کی ضرورت ہے۔

بنابریں کعبہ تمام قوموں اور گروہوں کے لئے محترم تھا خصوصاً طویل دور جاہلیت کے عربوں کی نظر میں بہت قابل احترام تھا اور اس کی تعظیم عربوں کی نظر میں اس وجہ سے اور بھی زیادہ تھی کہ وہ اسے اپنے لئے سرچشمہ عزت اور منزل آرزو سمجھتے تھے اور ایسا کیوں نہ ہوتا جبکہ وہ دیکھتے تھے کہ دوسری قومیں انھیں اس کے باعث بغض و حسد کی نظر سے دیکھتی تھیں اور ان سے یہ شرف چھیننے کے درپے ہیں یا کم از کم وہ اس کی اہمیت کو کم کر دینا چاہتی تھیں۔

۱۔ "غساسنۃ" نے "حیرہ" میں کعبہ کے مقابلے میں ایک گھر بنایا۔ (۲)

۲۔ نجران میں بھی اس کے مقابلے کے لئے ایک اور کعبہ بنایا گیا۔ "اعشیٰ" کہتا ہے:

و کعبۃ نجران حتم علیک

حتی تناخی باعتابہا

۱۔ المیزان ج۳ ص ۳۶۲-۳۶۱

۲۔ حیات محمد از محمد حسین ہیکل ص ۶۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ب۔ "(اے ناقہ) تیرے لئے کعبہ نجران تک جانا ضروری ہے تاکہ اپنا وزن تو اس کے آستان پر اتارے"۔

کعبہ نجران کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ ایک کلیسا تھا جسے عبد المدان بن الدیان الحارثی کی اولاد نے کعبہ کی مانند بنایا تھا، کعبہ کی طرح اس کا احترام کرتے تھے اور اس کا نام انھوں نے کعبہ نجران رکھا تھا۔ (۱)

۲۔ شام میں بھی ایک کعبہ شامیہ تھا۔ (۲)

۳۔ اور یمن میں کعبہ یمانی تھا۔ (۳)

اس بارے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ "ابرھہ بن اشرم" نے یمن میں ایک گھر بنایا تھا اس نے لوگوں کو اس کی تعظیم کرنے کی دعوت دی اور کہا کہ وہ اس کا حج کیا کریں اس نے اس کی بہت تزیین و آرائش کی، عمدہ ترین چیزیں اس کے لئے مہیا کیں، ممکنہ حد تک بہترین قالین بچھائے لیکن اس کے باوجود وہ اہل مکہ کو تو ایک طرف، اہل یمن کو بھی کعبہ کی طرف جانے سے نہ روک سکا۔ لوگ اسی طرح کعبہ کا حج کرتے رہے یہاں تک کہ "بنی کنانہ" کے ایک شخص نے ابرھہ کے عبادت خانے میں جسارت کی اور وہاں پر پاخانہ کر دیا۔ ابرھہ کو غصہ آگیا اور عام الفیل (ہاتھی کا سال - یعنی جس سال اس نے مکہ پر چڑھائی کی) میں فوج لے کر مکہ جا پہنچا، وہاں حضرت عبدالمطلب سے کہا کہ میں فقط خانہ کعبہ کو منہدم کرنا چاہتا ہوں، حضرت عبدالمطلب نے انھیں جواب دیا کہ اس گھر کا مالک خود اس کی حفاظت کرے گا پھر ابرھہ اور اس کے لشکر پر جو گزری قرآن کے الفاظ میں:

"الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل ا لم یجعل کیدھم فی تضلیل. و ارسل علیھم طیراً ابابیل. ترمیھم بحجارۃ من سجیل. فجعلھم کعصف ماکول" (سورہ فیل)

۱۔ معجم البلدان از یاقوت الحموی ج ۵ ص ۲۶۸

۲-۳۔ البدایہ و النہایہ ج ۲ ص ۱۹۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یعنی (اے رسول) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تیرے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کیا اس نے ان کی تدبیر پر پانی نہیں پھیرا اور اس نے ان پر ابابیل کے جھنڈ بھیجے جو ان پر کھرنجوں کی کنکریاں پھینکتی تھی یوں اس نے انہیں چبائے ہوئے بھس کی طرح کر ڈالا۔

کہتے ہیں کہ ابرھہ سے پہلے "تبع بن حسان" نے بھی کعبہ کو ڈھانے کا ارادہ کیا تھا کہ وہ کعبہ کے پتھروں کو یمن لے جائے گا اور ان سے وہاں پر ایک گھر بنائے گا تاکہ عرب اس کا احترام کریں لیکن اللہ نے اپنے گھر سے اس کے شر اور سازش کو دور رکھا۔ (۱)

کعبہ اور بت

کہتے ہیں کہ عمرو بن لحی جو قبیلہ خزاعہ کا بزرگ تھا جب خانہ کعبہ کا متولی ہوا تو اس نے شام کا سفر کیا اور وہاں سے "ھبل" نامی بت اپنے ہمراہ لے آیا اور اسے کعبہ پر رکھ دیا۔ کعبہ پر رکھا جانے والا یہ پہلا بت تھا۔ بعد ازاں مزید بت لے آیا۔ شحنہ بن خلف الجرھمی کہتا ہے:

یا عمرو انک قد احدثت آلھۃ
شتی بمکۃ حول البیت انصابا

و کان للبیت رباً واحداً ابداً
فقد جعلت لہ فی الناس اربابا

"اے عمرو تو نے پہلی بار مکہ میں بتوں کو اطراف کعبہ میں نصب کر دیا، خانہ کعبہ کا ہمیشہ ایک خدا تھا لیکن تو نے انسانوں میں اس کے بہت سے رب بنا دیئے"۔

۱۔ ثمرات الاوراق، ص ۲۸۷

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عمرو بن لحی کے بارے میں کہتے ہیں کہ: "اس کی شرافت و بزرگواری اور مہربانیوں کی وجہ سے لوگوں میں اس کی بات حکم شریعت کی طرح مانی جاتی تھی"۔ (۱)

اس کے بعد عربوں میں بت پرستی رواج پا گئی یہاں تک کہ ہر قبیلے نے کعبہ میں اپنے لئے ایک بت رکھ دیا (جس کی زیارت کے لئے وہ تمام علاقوں سے آتے تھے) یہاں تک کہ ان کی تعداد تین سو سے زیادہ ہو گئی بعض لوگ اپنا بت کسی اور مناسب جگہ پر رکھتے پھر جب وہ حج پر آتے تو اس کے سامنے کھڑے ہو کر عبادت کرتے اور پھر لبیک کہتے ہوئے مکہ جا پہنچتے تھے۔ (۲)

ہر گھر والوں نے ایک بت بنا رکھا تھا جس کی وہ اپنے گھر میں عبادت کرتے تھے جب کوئی شخص سفر پر جانے لگتا تو تبرک کی خاطر اپنے آپ کو اس سے مس کرتا اور واپسی پر اپنے گھر والوں سے ملنے سے پہلے بت کے پاس جاکر اسے چھوتا تھا۔

یہ بات اس قول کے لئے شاہد ہے کہ عمرو بن لحی سے پہلے عرب بت پرست نہ تھے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بنی اسماعیل مکہ چھوڑ کر نہیں جاتے تھے۔ یہاں تک ان کی تعداد زیادہ ہو گئی اور وہ اردگرد کے شہروں کی طرف کوچ پر مجبور ہو گئے ان مواقع پر ان میں سے ہر کوئی حرم کا ایک پتھر تعظیم کی خاطر لے گیا پھر وہ کعبہ کی طرح اس کے گرد طواف کرتے اور عبادت بجا لاتے تھے یہ طرز عمل پتھروں کی پوجا کا باعث بن گیا۔ یوں بعد کی نسلیں پہلوں کے دین (یعنی دین اسماعیل) کو بھول گئیں اور بتوں کی پوجا کرنے لگیں۔ (۳)

۱۔ البدایہ و النہایہ ج ۲ ص ۱۸۷

۲۔ تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۲۵۵

۳۔ البدایہ و النہایہ ج ۲ ص ۱۸۸ ، المستطرف ج ۲ ص ۶۵ نے ابن اسحاق اور دوسروں سے نقل کیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور ہم اسی دوسرے قول کو ترجیح دیتے ہیں لیکن عمرو بن لحی ہی ظاہراً وہ پہلا شخص تھا کہ جس نے کعبہ پر بت رکھا اور دوسروں نے اس کی پیروی کی۔ شام سے اس کا بت لے کر آنا خود اس امر کی دلیل ہے کہ اس سے قبل بتوں سے آشنائی تھی اور انہیں احترام حاصل تھا اگرچہ ہم یہ نہ کہیں کہ وہ سفر شام سے پہلے بت پرست تھا۔

بہرحال یہاں جو بات ہماری نظر میں اہم ہے وہ ہے اس زمانے میں دیگر لوگوں کے علاوہ عربوں کی نظر میں کعبہ کی حیثیت خواہ ان دنوں جبکہ وہ بتوں کو پوجتے اور ان کا احترام کرتے تھے یا ان ایام میں جبکہ ان کے بے حیثیت ہونے اور ان کی پوجا کے نامعقول ہونے پر آگاہ ہوگئے تھے۔

تولیت کعبہ

تولیت کعبہ پہلے اولاد اسماعیل کے پاس تھی پھر یہ جرہمیوں (۱) کے ہاتھ آگئی کہ جو رشتے میں اولاد اسماعیل کے ماموں لگتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کے بعد کعبہ کی تولیت "عمالیق" کے ہاتھ آگئی، بعد میں پھر جرہمیوں کی طرف لوٹ گئی اور جب اولاد اسماعیل زیادہ ہوگئی اور اس نے خاصی طاقت حاصل کر لی تو اپنے قبیلے کے سردار "خزاعۃ" کی قیادت میں اس نے قیام کیا اور جرہمیوں سے تولیت کعبہ واپس لے لی یہ تولیت اولاد خزاعۃ میں ہی رہی یہاں تک کہ "قصیّ" بن کلاب" نے ان سے چھین لی۔ قصیّ" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد پنجم تھے۔

یہ تولیت "حلیل خزاعی" کے پاس تھی جو "قصیّ" کے سُسر تھے۔ اس نے اسے اپنی موت کے بعد اپنی بیٹی زوجہ قصیّ" کے نام کر دیا تاہم خانہ خدا کی کلید "ابو غبشان" کو سونپ دی۔ قصیّ نے ایک مشک شراب کے بدلے یہ کلید اس سے خرید لی اس کا یہ کام

۱۔ البدایہ و النہایہ ج۲ ص ۲۱۰ الخ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

معروف ضرب المثل بن گیا: "اخسر من صفقة ابی غبشان" یعنی فلاں کا خسارہ ابو غبشان کے سودے سے بھی زیادہ ہے۔ یہ اشعار بھی اسی واقعہ سے متعلق ہیں:

ابو غبشان اظلم من قصی

و اظلم من بنی فھر خزاعہ

فلا تلحو قصیاً فی شراہ

و لوموا شیخکم اذ کان باعہ (۱)

۔ ابو غبشان قصیؑ سے زیادہ ظالم تھا اور خزاعہ، بنی فہر سے زیادہ ظالم تھا پس اس خریداری میں قصیؑ کو دشنام نہ دو بلکہ اپنے بزرگ کو ملامت کرو جس نے اسے بیچا۔

کہتے ہیں کہ اسی بناء پر خزاعہ اور قریش کے مابین جنگ چھڑ گئی قریش فتح یاب ہوگئے کہ جو فہر بن مالک کی اولاد میں سے تھے۔ (۲) البتہ اس بارے میں اور نظریے بھی ہیں بعض کا کہنا ہے کہ قصی نے خزاعہ کے ساتھ جنگ کرکے کعبہ کو دوبارہ اپنے قبضے میں لے لیا۔ آخرکار فیصلہ "عمرو بن عوف" کے سپرد ہوا جس نے قصی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ (۳) اس سلسلے میں ایک اور رائے بھی ہے اور وہ یہ کہ "حلیل" نے مرتے وقت تولیت کعبہ کی وصیت اپنے داماد قصی کے حق میں کر دی اور خزاعہ کا بھی یہی خیال تھا۔ (۴) جب خزاعہ کا خود بھی یہ کہنا تھا تو پھر ان کے درمیان جنگوں کی وجہ سوائے حسد اور سرکشی کے کیا ہو سکتی ہے؟

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۲۳۰ اور البدایہ و النہایہ ج ۲ ص ۲۰۶ از ابن اسحاق

۲۔ تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۲۳۹ اور البدایہ و النہایہ ج ۲ ص ۲۰۵ از ابن اسحاق

۳۔ تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۲۳۹

۴۔ اس قول کے بعض مدارک کا ذکر ہم بعد میں کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "حلیل" نے قصی کے حق میں تولیت کی وصیت کر دی لیکن بنی خزاعہ نے ظلم اور حسد کی وجہ سے جنگ بھڑکا دی۔ بعد ازاں وہ عمر بن عوف کو ثالث بنانے پر راضی ہوگئے اس نے بھی قصی کے حق میں فیصلہ دے دیا اور شاید عمر بن عوف کا فیصلہ بھی قصی کے حق میں وصیت حلیل کی تائید کرتا ہے یا اسے اس امر کی اطلاع تھی البتہ اگر حقانیت قصی پر دیگر دلائل نہ ہوں۔

بہرحال قصی نے قبل از ہجرت دوسری صدی میں خانہ کعبہ کی تعمیر نو کی۔ اس نے کعبہ کے ساتھ "دارالندوہ" بنایا یہ قریش کی حکومت، قضاوت اور مشورت کی جگہ تھی اس کا شمار قصی کے عظیم آثار میں سے ہوتا ہے اور یہ اس کی فہم و فراست اور حکمت و دور اندیشی کی علامت ہے۔

قریش کا مرتبہ

واضح ہے کہ "بیت عتیق" (خانہ کعبہ) کی رکھوالی کا مرتبہ کہ جو ہر انسان کے لئے باعث عظمت ہے قریش کو حاصل تھا پھر وہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی نسل سے بھی تھے لہذا ایسا احترام انہیں حاصل ہونا ایک طبیعی امر تھا جبکہ اس زمانے میں کسی کے شرف و عزت کو ناپنے کے لئے نسب ایک انتہائی اہم پیمانہ تھا۔ قریش کے احترام کی ایک اور وجہ "حنیفیت" سے ان کی قربت تھی کہ جو عربوں میں ایک محترم و مقدس دین سمجھا جاتا تھا یہ اور دیگر امور قریش کی عزت و تکریم، مقام و مرتبہ اور اثر و نفوذ کا باعث تھے اور ان کی وجہ سے لوگ انہیں احترام اور تقدس کی نظر سے دیکھتے تھے۔

اس کے بہت سے شواہد موجود ہیں یہاں پر ہم "قصی" کا قول نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں انہوں نے قریش سے خطاب کرتے ہوئے کہا "حج کا موقع آ پہنچا ہے جو کچھ تم نے انجام دیا ہے عربوں نے اس کے بارے میں سن لیا ہے جبکہ عرب تمہاری تعظیم کرتے ہیں" (۱) اسی طرح حضرت ابو طالب کا یہ قول جو انہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

و آلہ و سلم کا حضرت خدیجہ سے نکاح کرتے ہوئے کہا "حمد ہے اس گھر کے رب کی کہ جس نے ہمیں ابراہیم کے خاندان اور اسماعیل کی ذریت میں سے قرار دیا اور ہمیں اپنے حرم امن کے پاس ٹھہرایا۔ ہمیں لوگوں پر حاکم قرار دیا اور جس شہر میں ہم رہ رہے ہیں اسے ہمارے لئے مبارک قرار دیا"۔ (۲)

چونکہ قریش کا تعلق اسماعیل کی نسل سے تھا اور وہ دین حنیفیت کا احترام کرتے تھے نیز چونکہ مکہ جنگ جو اور غارت گر عربوں کے لئے بھی ایسا حرم امن تھا کہ جو کوئی بھی وہاں پناہ لے لیتا امان میں ہوتا اگر کسی مقتول کا کوئی ولی اپنے بیٹے یا باپ کے قاتل کو بھی وہاں پا لیتا تو بھی اس سے انتقام نہ لے سکتا تھا پس کعبہ کا احترام ان کے نزدیک اس حد تک تھا تو سرداران مکہ بہت زیادہ محترم سمجھے جاتے تھے اور دوسروں سے ممتاز تھے جبکہ خانہ خدا کا احترام مستزاد تھا کہ جس کی طرف ہر سمت سے عرب آتے تھے۔

۱۔ ابن اسحاق اور سہیلی کی طرف رجوع کریں اور اسی پر ابن سلام نے طبقات الشعراء ص ۱۰۶ میں یقین کرتے ہوئے ان شخصیات سے نقل کیا ہے: عمر، عباس، ابن مسعود، مسروق، عکرمۃ، سعید بن جبیر، مجاہد، عطاء، شعبی، مقاتل عبیداللہ بن عمر و ابومیسرۃ، زید بن مسلم، عبداللہ بن شقیق، زہری، القاسم، ابن ابی بردۃ، مکحول، عثمان، سدی، حسن، قتادۃ وغیرہ۔ البدایہ و النہایہ ج۱ ص ۱۵۹ پر بھی اس کا ذکر ہے البتہ وہاں علی اور ابن عباس کے ناموں کا اضافہ کیا گیا ہے تاہم ہماری نظر میں یہ دونوں قرآن کی مخالفت نہیں کر سکتے بلکہ خود صاحب البدایہ و النہایہ نے ان دونوں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ذبیح اسماعیل تھے۔

۲۔ کہا جاتا ہے کہ زوجہ اسماعیل جرہمی تھی یہ لوگ دراصل یمنی قحطانی تھے عدنانی نہیں تھے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قریش جب یہ دیکھتے تھے کہ ان کی بزرگی، منزلت اور سروری بلکہ ان کی معیشت تک بھی کعبہ سے خوب وابستہ ہے تو ظاہر ہے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ خانہ خدا کی ہتک حرمت ان کی مصلحت میں نہیں ہے کیونکہ یہ امر خانہ خدا کے تقدس میں کمی کا باعث ہوتا اور اس کی رکھوالی کی حیثیت میں کمی آتی اور یوں وہ اپنی عزیز ترین اور قیمتی ترین چیز سے محروم ہو جاتے اسی وجہ سے انہوں نے "مطیبین" کا معاہدہ کیا اور اس کے بعد وہ معاہدہ ہوا کہ جسے "حلف الفضول" کہتے ہیں یہ وہ معاہدہ ہے کہ جس میں حقوق مظلومین کی ادائیگی کے بارے میں تصریح کی گئی ہے اگرچہ وہ قریش سے ہوں یا کسی اور قبیلے سے نیز اس میں مالی مدد کا بھی تذکرہ ہوا ہے اس بارے میں ہم انشاء اللہ تعالیٰ بعد میں گفتگو کریں گے۔

میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں

اس سلسلے میں کہتے ہیں کہ جب عبدالمطلب کو چاہ زمزم کھودتے وقت اپنے بارے میں قریش کی دشمنیوں اور سختیوں کا سامنا ہوا تو انہوں نے نذر کی کہ اگر ان کے دس بیٹے ہوئے تو ایک کو راہ خدا میں قربان کر دیں گے۔ جب ان کی دعا قبول ہوگئی اور ان کے دس بیٹے ہوگئے تو انہوں نے ان بیٹوں کو بلایا تاکہ اللہ کے حضور جو نذر انہوں نے کی تھی وہ پوری ہوسکے ان کے بیٹوں نے بھی ان کی بات مان لی اس کے لئے قرعہ ڈالا گیا ابن ہشام کے بقول قرعہ حضرت عبداللہ کے نام نکلا جو ان کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے البتہ صحیح یہ ہے کہ وہ اپنی ماں کی اولاد کے لحاظ سے سب سے چھوٹے تھے کیونکہ حمزہ اور عباس ان سے بھی چھوٹے تھے اسی طرح ہمیں اس بارے میں بھی شک ہے کہ یہ قرعہ "ہبل" کے نزدیک نکالا گیا اور اس پر عمل درآمد "اساف" اور "نائلہ" کے پاس ہوا کیونکہ عبدالمطلب دین حنیف پر تھے وہ بتوں کا احترام نہیں کرتے تھے اس پر ہم بعد ازاں بات کریں گے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عبدالمطلب نے اپنے بیٹے عبداللہ کو ذبح کرنے کا ارادہ کر لیا بیٹے نے بھی باپ کی اطاعت کی لیکن لوگوں نے انہیں اس کام سے روک دیا آخرکار ان کے اور دس اونٹوں کے درمیان قرعہ ڈالا گیا (جو ایک انسان کا خون بہا تھا) تاہم نام عبداللہ کا نکل آیا پھر انہوں نے اونٹوں کی تعداد میں اضافہ کیا قرعہ پھر بھی عبداللہ کے نام نکلتا رہا یہاں تک کہ تعداد ۱۰۰ (سو) ہوئی تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ اسی وجہ سے رسول اکرمؐ نے فرمایا: "انا ابن ذبیحین" یعنی میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں (اسماعیل اور عبداللہ کا بیٹا ہوں)۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رسول اکرمؐ کی مراد ہابیل اور عبداللہ ہیں کیونکہ بعض روایات کے رو سے حضرت ابراہیمؑ کی قربانی اسحاق تھے نہ کہ اسماعیل (۱) لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ:

اولاً: سب مانتے ہیں کہ حضرت محمدؐ ہابیل کی اولاد میں سے نہیں ہیں مگر یہ کہ کہا جائے کہ چچا باپ کی طرح ہوتا ہے اور یہ بات ناقابل قبول ہے کیونکہ پہلی بات یہ کہ پہلا ذبح باپ دوسرے ذبح باپ عبداللہ کی طرح ہونا چاہیے کیونکہ دونوں کا ایک ہی کلام میں ذکر ہوا ہے اور یہ معقول بات نہیں کہ ایک سے مراد حقیقی باپ ہو اور دوسرے سے مراد مجازی باپ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس چچا کو باپ جیسا کہا جا سکتا ہے اسے عرفاً نزدیک کا چچا ہونا چاہئے نہ کہ جو دسیوں پشتوں میں ہو۔

ثانیاً: ذبح سے مراد اسحاق نہیں ہیں اس کی دو دلیلیں ہیں:

الف: سورہ صافات میں پہلے واقعہ ذبح کا ذکر ہے اور اس کے بعد حضرت اسحاق کی بشارت کا تذکرہ ہے: "و بشرناہ باسحاق نبیاً من الصالحین". (۲) یعنی اور ہم نے ابراہیم کو صالحین میں سے ایک نبی اسحاق کی بشارت دی ہے۔

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۱ ص ۲۳۹ اور ۲۴۰

۲۔ سورہ صافات، آیت ۱۱۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اسحاق واقعہ قربانی کے بعد پیدا ہوئے اور آیت میں بشارت سے بشارت ولادت ہی مراد ہے اس کے لئے یہ آیت قرینہ ہے: "و بشرناھا باسحاق و من وراء اسحاق یعقوب". یعنی اور ہم نے اسے اسحاق کی بشارت دی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔

یہ استدلال حضرت صادقؑ اور محمد بن کعب قرظی سے منقول ہے (۱) اسی طرح حضرت ابراہیم کی زبانی بھی جس ترتیب کا ذکر ہے اس میں پہلے اسماعیل کا نام آیا ہے اور پھر اسحاق کا، یہ بھی اسی امر کی طرف اشارہ ہے: "الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسماعیل و اسحاق". یعنی حمد ہے اس اللہ کی کہ جس نے مجھے بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق عطا کئے۔ علاوہ ازیں قرآن کریم نے ان دو کا چھ مرتبہ باہم ذکر کیا ہے اور ہمیشہ اسماعیل کا نام اسحاق سے پہلے لیا ہے۔

ب: ان دلائل سے قطع نظر بھی یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالی اپنے نبی کو ایک بیٹے کی بشارت دے کہ جو آئندہ خود بھی نبی ہوگا، شادی کرے گا اور صاحب فرزند ہوگا پھر اس کی قربانی کا بھی حکم دے۔ یہ بات تو غیر معقول دکھائی دیتی ہے۔ بلاشبہ اس صورت میں قربانی کا حکم حقیقی نہ ہوگا بلکہ صرف رسمی اور ظاہری ہوگا۔ اس سے قربانی کی قدر و قیمت ختم ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالی کے ان فرمودات پر غور کریں: "و بشرناہ باسحاق نبیا". یعنی اور ہم نے اسے اسحاق نبی کی بشارت دی۔

نیز فرمایا: "و امراتہ قائمۃ فضحکت، فبشرناھا باسحاق و من وراء اسحاق یعقوب". (۲) یعنی اور ان کی بیوی وہاں کھڑی تھی وہ ہنس پڑی، پس ہم نے اسے اسحاق اور اسحاق کے بعد یعقوب کی بشارت دی۔

۱۔ المیزان ج ۱۷ ص ۱۵۵ نیز البدایہ و النہایہ ج ۱ ص ۱۶۱ و ۱۵۹

۲۔ سورہ ھود، آیت ۷۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس کے بعد جس سوال کے جواب کی جستجو کرنی چاہیے وہ یہ ہے کہ یہ نئی بات کہاں سے آئی کہ ذبیح اسحاق ہیں؟ اس کا جواب بقول ابن کثیر یہ ہے کہ انھوں نے اسے کعب بن احبار سے حاصل کیا یا اہل کتاب کے صحیفوں سے، واللہ اعلم۔ اس بارے میں کسی معصومؑ سے کوئی صحیح حدیث منقول نہیں ہے کہ جسے قبول کرتے ہوئے ہم ظاہر کتاب کو ترک کرنے پر مجبور ہوں۔ (۱) پس یہودیوں کی کوشش تھی کہ اس عقیدے کو مسلمانوں میں رائج کریں اور بزعم خود اس فضیلت کو اپنے جد کی طرف نسبت دیں البتہ انھوں نے یہ بات فراموش کر دی کہ خود "تورات" میں اس بارے میں تضاد موجود ہے مثلاً ایک جگہ پر ہے:

"اپنے اکلوتے بیٹے اسحاق کہ جس سے محبت کرتے ہو کو ساتھ لے لو اور "مریا" کی سرزمین پر چلے جاؤ وہاں اسے پہاڑی پر چڑھاؤ ..." ۔ (۲)

اس مقام پر اکلوتا بیٹا کے الفاظ آئے ہیں یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اسحاق ابراہیم کے بڑے بیٹے تھے لیکن تورات خود اپنی تکذیب کرتی ہے اور صراحت سے کہتی ہے کہ اسحاق اکلوتے بیٹے نہ تھے بلکہ جب وہ پیدا ہوئے تو اسماعیل چودہ سال کے تھے۔ (۳)

ابن کثیر کہتے ہیں کہ قوموں کے درمیان اس مسئلے میں اختلاف نہیں ہے کہ اسماعیلؑ ابراہیمؑ کے بڑے بیٹے تھے۔ (۴)

۱۔ البدایہ و النھایہ ج ۱ ص ۱۵۹ اور ۱۶۱

۲۔ سفر التکوین، الاصحاح ۲۲، الفقرۃ ۲۳-۱

۳۔ سفر تکوین اصحاح ۱۶ فقرۃ ۱۵، ۱۶ یہاں پر صراحت سے موجود ہے کہ اسماعیل کی ولادت کے وقت ابراہیمؑ کی عمر چھیاسی سال کی تھی جبکہ اصحاح ۱۷ اور ۱۸ میں تصریح کی گئی ہے کہ ولادت اسماعیل کے وقت ان کے باپ کی عمر ننانوے یا سو سال تھی۔ البدایہ و النھایہ ج ۱ ص ۱۵۳ کی طرف رجوع کریں۔

۴۔ البدایہ و النھایہ ج ۱ ص ۱۵۷

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

چند قابل غور نکات

۱۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ابراہیم کے ہاں بڑھاپے میں اسماعیل پیدا ہوئے قرآن نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے فطری سی بات ہے کہ انہیں اس بیٹے سے زیادہ محبت ہوگی نیز ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت اسماعیلؑ کی قربانی کا حکم دیا جب وہ زندگی کے نہایت خوبصورت ایام میں تھے۔ یہ وہ عمر تھی جس میں والدین کی ان سے محبت زیادہ ہوتی ہے۔ محبت، جذبات میں ڈھلی ہوتی ہے اور مہربانی میں محبت کا امتزاج ہوتا ہے۔

بیٹا بھی ایسا جو کمال انسانی کے اعتبار سے بلند ترین درجات پر تھا عقل و درایت اور کردار و استقامت اور دیگر انسانی فضائل و کمالات میں ممتاز تھا۔

اللہ نے باپ کو ایسے فرزند کی قربانی اور وہ بھی اپنے ہاتھوں پیش کرنے کا حکم دیا۔ ان حالات میں تو ایسے بیٹے کی جدائی ہی انتہائی کٹھن ہوتی ہے چہ جائیکہ یہ جدائی خود باپ کے ہاتھوں وقوع پذیر ہو۔

ابراہیمؑ نے لبیک کہا اور انہوں نے حکم الٰہی پر سبب پوچھے اور اظہار ناپسندیدگی و تحیر کئے بغیر عمل کیا کیونکہ انہیں اپنے پروردگار کے حسن انتخاب پر اطمینان تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اس کا حکم ان کی بہتری کے لئے ہے۔

آپ نے حکم الٰہی پر عمل کیا لیکن تیزی کے ساتھ نہیں تاکہ اپنے اعصاب پر کنٹرول رکھیں اور اس اضطراب سے بچیں کہ جو سستی و ضعف کا باعث بنتا ہے۔ انہوں نے بیٹے کو حکم خدا سے آگاہ کیا اور ان سے پوچھا کہ اس بارے میں ان کی حتمی رائے کیا ہے۔ یہ امر اس چیز پر دلالت کرتا ہے کہ انہیں اپنے بیٹے کے حسن انتخاب پر اعتماد تھا نیز ان کے رشد عقلی اور اصابت رائے کا احترام رکھتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابراہیمؑ انہیں ایسا بچہ نہیں سمجھتے کہ جو کوئی ذمہ داری نہ نبھا سکے۔ حضرت اسماعیلؑ کی توجہ اس امر کی طرف تھی کہ ان کا بذات خود فیصلہ کرتے ہوئے یہ کہا: "یا ابت افعل ما تومر ستجدنی ان شاء اللہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

من الصابرین"۔ (ابا جان! آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اسے بجا لائیں، مجھے آپ انشاء اللہ صابرین میں سے پائیں گے)۔ طبیعی طور پر ان کے والد کے رنج و غم میں اضافے کا باعث ہوگا۔ (۱)

اسماعیل کے لئے ان کے والد نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی اجر طاعت پائیں اور حضور حق میں تسلیم ہونے کا لطف اٹھائیں۔ اس لئے یہ بات پہلے ان سے ذکر کی۔ انہوں نے بھی امر الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تاہم یہ تسلیم ان کے پیش نظر شجاعت و بہادری کی علامت نہ تھی بلکہ ارادہ الٰہی کے سامنے خشوع کی علامت تھی اور ان کا صبر استمداد الٰہی تھا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی حالت کو "فلما اسلما" سے تعبیر کیا ہے یعنی وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے حضور تسلیم ہوگئے اور انہوں نے شہوات و خواہشات کے سامنے سر نہیں جھکایا اور نہ وہ مادی و دنیاوی قیود میں گرفتار ہوگئے (۲) لہذا ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام ان افراد میں سے ہیں کہ جنہیں اللہ تعالیٰ ہر اس چیز سے محبوب تر ہے کہ جس کا اس آیت قرآنی میں صراحت سے ذکر ہے:

"قل ان کان آباؤکم و ابناؤکم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم و اموال اقترفتموھا، و تجارۃ تخشون کسادھا و مساکن ترضونھا، احب الیکم من اللہ و رسولہ، و جھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ، و اللہ لایھدی القوم الفاسقین۔

(سورہ توبہ / ۲۴)

۱۔ اس کی وجہ واضح ہے کہ جب باپ نے یہ دیکھا کہ اس کا بیٹا اس قدر عظیم ہے پھر اس کی قربانی کا فیصلہ اور بھی سخت تر تھا جبھی تو اس کا اجر بھی بہت زیادہ تھا۔ (مترجم)

۲۔ فی ظلال القرآن نامی کتاب میں بھی ہمارے معروضات میں سے کچھ کی طرف اشارہ ہوا ہے۔

www.ziaraat.com Sabeel-e-Sakina jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یعنی کہہ دیجئے اگر تمہیں تمہارے آباء، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے قبیلے والے اور وہ مال کہ جو تم نے جمع کیا ہے اور وہ تجارت کہ جس میں گھاٹا پڑ جانے سے ڈرتے رہتے ہو اور وہ گھر کہ جنہیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے رہتے ہو تمہارے نزدیک اللہ، اس کے رسول اور راہ خدا میں جہاد سے محبوب تر ہیں تو پھر منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ اپنے امر کو ظاہر کرے اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

۲۔ واضح ہے کہ اللہ تعالی کا اصلی مقصد یہ نہ تھا کہ حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کیا جائے اور ان کا خون بہایا جائے اس لئے کہ خود اللہ تعالٰی حضرت ابراہیمؑ سے فرماتے ہیں "قد صدقت الرؤیا" (تو نے اپنے خواب کو جامہ عمل پہنایا) بلکہ حضرت ابراہیمؑ اور آپ کے بیٹے کی آزمائش و امتحان مراد تھا۔ لہذا فرماتا ہے: "ان ھذا لھو البلاء المبین". تحقیق یہ کام صرف واضح امتحان ہے۔

اس امتحان کا راز یہ تھا کہ اسماعیلؑ کا تزکیہ نفس کیا جاتا اور انہیں فریضہ نبوتؑ اور رہبری امت کا بوجھ اٹھانے کے قابل بنایا جاتا۔ ابراہیمؑ کے لئے بھی یہ بیشتر تزکیہ و تصفیہ کے لئے امتحان کا ذریعہ تھا۔ بعید نہیں کہ وہ امتحان ان چند باتوں سے عبارت ہو کہ جن کے اتمام پر اللہ تعالی نے انہیں انسانوں کی امامت عطا فرمائی:

"و اذ ابتلی ابراھیم ربہ بکلمات فاتمھن، قال انی جاعلک للناس اماماً قال و من ذریتی؟ قال لاینال عھدی الظالمین". (سورہ بقرہ / ۱۲۴)

یعنی جب ابراہیمؑ کا اس کے پروردگار نے چند باتوں کے ذریعے امتحان لیا اور انہوں نے اسے پورا کر دیا تو اللہ نے کہا میں تجھے انسانوں کے لئے امام قرار دیتا ہوں وہ کہنے لگے اور میری ذریت میں سے؟ اللہ نے کہا میرا یہ عہد ظالمین کو نہیں ملے گا۔ ذبح کا واقعہ ہی "البلاء المبین" (واضح آزمائش) تھا جیساکہ آیت نے وضاحت کی ہے۔

جب میں (مصنف) یہ مطالب لکھ چکا تو دیکھا کہ علامہ طباطبائی مرحوم نے بھی ایسے ہی بعض مطالب ذکر کئے ہیں۔ وہ "... من ذریتی" کے ذیل میں استدلال کرتے ہیں کہ یہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بات اس وقت تک نہیں کی جا سکتی جب تک اولاد نہ ہو کیونکہ انہیں علم نہیں کہ آئندہ وہ صاحب اولاد ہوں گے یا نہیں۔ ملائکہ کی بشارت سے پہلے ابراہیمؑ ایسی بات ہرگز نہیں کر سکتے تھے جو وہ جانتے نہ ہوں اگر یہ بات ولادت اسماعیلؑ سے قبل ہوتی تو ضروری تھا کہ یوں کہا جاتا:

"و من ذریتی ان رزقتنی ذریۃ". (۱) اور میری ذریت سے اگر تو مجھے ذریت عطا کرے۔

علاوہ ازیں اس امتحان کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ امتحان راہ حق میں قربانی پیش کرنے کے لئے ایک عظیم نمونہ ہو یہ قربانی فقط اعلان اور زبانی نعرے تک نہیں ہونی چاہیے۔ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ ہر مومن اور مومنہ کے لئے اسوہ اور نمونہ بن سکتے ہیں۔

ان دونوں شخصیتوں کے فضائل کو عالم امکان سے نکال کر وجود کے مرحلے میں لے آنا اور ظاہر کرنا دوسروں کے لئے بھی باعث ترغیب ہے کہ ان کے مخفی اور درونی فضائل بھی ظاہر ہوں اور میدان عمل میں آنے کے لئے باعث تحریک ہو۔ دوسرے لفظوں میں یہ کام خود انسانوں کی اندرونی خصوصیات و فضائل کے ظہور میں آنے کے لئے ایک موثر جذباتی تحریک کی حیثیت رکھتا ہے تاکہ وہ ایک زندہ حقیقت کا روپ دھار لیں اور انسانی زندگی میں ہمہ گیر تغیر و تحول پیدا کرنے کے لئے راہنمائی کریں۔

ان باتوں کے علاوہ بعض برادران نے یہ احتمال دیا ہے کہ بعید نہیں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ جس معاشرے میں رہتے تھے وہ مادیت میں غرق تھا لہذا اللہ تعالی نے ارادہ کیا کہ انہیں فقط وعظ و نصیحت نہ کی جائے بلکہ عملی نمونہ پیش کر کے راہ حیات کو تبدیل کرنے کی دعوت دی جائے۔

ممکن ہے کہ کوئی شخص اس واقعہ پر غور کر کے بہت سے ایسے مطالب اخذ کرے جو ہم نے بیان نہیں کیے یا جن کی طرف ہم نے اشارہ نہیں کیا۔ توفیق و ہدایت اللہ کی طرف سے ہے۔

۱۔ المیزان ج۱ ص ۲۶۷ و ۲۶۸

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۳۔ مناسب ہے کہ ہم یہاں پر اشارہ کریں کہ "انا ابن الذبیحین" کہہ کر یقیناً رسول اللہ اظہار افتخار کرنا نہ چاہتے تھے بلکہ شاید وہ یہ بیان کرنا چاہتے تھے کہ لوگ ان دو عظیم واقعات سے فائدہ حاصل کریں اور یہ سمجھانا چاہتے تھے کہ آپ ان واقعات سے بیگانہ نہیں ہیں۔ جب وہ دونوں تقرب کے اس زینے تک اور حق و تسلیم کی راہ پر چلتے ہوئے فنا کی اس منزل تک آ پہنچے ہیں تو آپ سے بھی اس کے علاوہ کسی اور طرز عمل کی توقع نہیں کرنی چاہئے جو اس سے مختلف ہوتا یا اس سے کم تر۔ بعض لوگوں کا یہ خیال خام ہے کہ رسول اکرمؐ نے یہ بات اظہار افتخار کے لئے کہی ہے جیسے کوئی مقابلہ جیت کر میدان میں کھڑا ہو جائے اور فخر کرنے لگے کیونکہ بات اصول اور عقائد سے متعلق ہے اور مصالح ذاتی کا یہاں پر کوئی دخل نہیں۔

۴۔ بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی نذر جائز نہ تھی کیونکہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص دوسرے کے وجود پر اس حد تک تصرف کرے نیز کیا ممکن ہے کہ ایسی نذر کو پورا کرنا واجب سمجھا جائے کہ جس میں عبداللہ بن عبدالمطلب جیسے نفس محترمہ کو ذبح کرنا پڑتا ہو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ عبدالمطلب کا ایمان بتدریج منزل کمال کی جانب بڑھتا گیا۔ پہلے مرحلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہ دو بتوں کے نام پر اپنے بیٹوں کے نام "عبد مناف" اور "عبد العزیٰ" رکھتے ہیں لیکن بعد ازاں اللہ پر تسلیم و ایمان کے اس درجہ پر پہنچتے ہیں کہ مؤرخین کے بقول ہاتھیوں کے لشکر والا "ابرھہ" ان کے ایمان سے مرعوب ہو جاتا ہے ان کے بارے میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ چور کا ہاتھ کاٹتے تھے، برہنہ ہو کر طواف کرنے سے روکتے تھے، ایفاء نذر کرتے تھے، معاد اور قیامت پر ایمان رکھتے تھے، زنا، شراب اور محارم سے نکاح کو حرام جانتے تھے۔ اپنی اولاد کو ظلم و سرکشی سے منع کرتے تھے اور انہیں برے کام ترک کر کے پسندیدہ اخلاق اختیار کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ بتوں کی پوجا انہوں نے چھوڑ دی تھی اور مستجاب الدعوۃ (ایسی شخصیت جس کی دعا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قبول ہوتی ہو) ہوگئے تھے۔ (۱)

عبدالمطلب کا ایمان انکے پوتے حضرت محمدؐ کی ولادت کے بعد حد اعلیٰ کو پہنچ گیا تھا کیونکہ انھوں نے بہت سی علامات نبوت اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور آنحضرتؐ کی نبوت کی کرامات و دلائل کے آپ خود شاہد تھے لہذا کوئی مانع نہیں کہ پہلے انکا اعتقاد ہو کہ ایک شخص کو اس طرح کی نذر کا حق پہنچتا ہے۔ (۲) عرف عام کے نزدیک بھی یہ کام ناپسندیدہ نہ تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی ثابت نہیں کہ گزشتہ شریعتوں میں ایسا کرنا ممنوع تھا مثلاً زوجہ عمران نے نذر کی کہ انکے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ اسے خدا کے گھر کی خدمت کیلئے وقف کریگی نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ وہ اپنے بیٹے اسماعیلؑ کو ذبح کریں۔

بداء شیعہ نقطہ نظر سے

مذکورہ مسئلہ کے نتیجے میں ایک اور مسئلہ سامنے آتا ہے اور وہ ہے بداء کا مسئلہ جو شیعوں اور دوسروں کے درمیان باعث اختلاف بنا ہے۔ اس سلسلے میں چونکہ شیعوں پر بہت زیادہ تہمتیں لگائی گئی ہیں اس لئے ہم اس کی کچھ وضاحت کرتے ہیں۔

سیدنا مولانا آیت اللہ المجد سید عبد الحسین شرف الدین مرحوم کہتے ہیں:

"بداء کے مسئلے پر شیعوں کے نظریئے کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات انسان کی روزی، عمر، بیماری، صحت و سلامتی، سعادت، شقاوت، رنج و مصائب، ایمان و کفر میں کمی بیشی کر دیتا ہے جیساکہ اس کے اس فرمان سے ظاہر ہوتا ہے:

"یمحو اللہ ما یشاء و یثبت و عندہ ام الکتاب". (سورہ رعد / ۳۹) یعنی اللہ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے۔

۱۔ سیرت حلبیۃ ج ۱ ص ۴۳ اور مسالک الحنفا ص ۳۱ بحوالہ الملل و النحل شہرستانی

۲۔ یہ جواب عظیم محقق سید مہدی روحانی (ایدہ اللہ تعالیٰ) نے دیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ عمر ابن خطاب، ابی وائل اور قتادۃ کا عقیدہ ہے۔ جناب جابر نے بھی یہی عقیدہ رسولؐ اللہ سے نقل کیا ہے۔ بہت سے بزرگان اللہ کے حضور تضرع و زاری کیا کرتے اور دعا کرتے تھے کہ اللہ انہیں سعادت مندوں میں سے قرار دے نہ کہ اشقیا میں سے۔ یہ مسئلہ ہمارے آئمہؑ سے منقول دعاؤں میں حد تواتر کو پہنچا ہوا ہے اور بہت سی روایات میں آیا ہے کہ صحیح صدقہ اور والدین سے نیکی اور بھلائی شقاوت کو سعادت میں بدل دیتے ہیں اور عمر میں اضافے کا باعث بنتے ہیں"۔ (۱)

جی ہاں یہی وہ بداء ہے کہ شیعہ اپنے آئمہؑ کی پیروی میں جس کے معتقد ہیں البتہ ایسی نئی رائے کا ظاہر ہونا کہ جو پہلے مجہول ہو یا خلاف مصلحت ہونے کے باعث گزشتہ عمل پر پشیمانی، اس معنی میں بداء اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے اور شیعہ اس کے ہرگز قائل نہیں ہیں۔ علیؑ امیرالمومنین کے پیروکاروں کے لئے ایسا عقیدہ کیونکر ممکن ہے جبکہ وہ نہج البلاغہ میں ایسے ظریف اور باریک معانی بیان کرتے ہیں کہ جن کی گہرائی کے ادراک سے عقل انسان عاجز ہے۔ علیؑ وہی ہیں کہ جن سے اور جن کے معصوم فرزندوں سے لوگ اللہ تعالیٰ کے ہر نقص سے منزہ ہونے کا درس حاصل کرتے ہیں اور اللہ اور اس کی صفات کے بارے میں جن سے دقیق ترین معارف حاصل کرتے ہیں۔

امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا گیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: "میں اس شخص سے بیزار ہوں کہ جس کا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ کو ایسے امر میں بداء حاصل ہوتی ہے کہ جسے وہ کل نہیں جانتا تھا"۔

آپؑ نے یہ بھی فرمایا: "جس شخص کا یہ خیال ہو کہ کسی شے میں بداء اللہ کی پشیمانی کے باعث ظہور پذیر ہوتی ہے وہ ہمارے نزدیک خدائے عظیم کا منکر ہے"۔

۱۔ کتاب اجوبۃ موسی جار اللہ ص ۸۶ اور ۸۷۔ اس نے وہاں بعض امور کی طرف اشارہ کیا ہے اس کے مآخذ بھی ذکر کئے ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

توضیح اور تمثیل

فرض کریں اللہ "زید" کی روزی یا عمر، اس کی طبیعت، عادت اور ذاتی صلاحیت کی بنیاد پر مقدر فرماتا ہے لیکن وہ جانتا ہے کہ زید صدقہ دے گا کہ جس سے اس کے پہلے سے مقرر شدہ رزق میں اضافہ ہو جائے گا یا جانتا ہے کہ وہ والدین سے حسن سلوک کرے گا اور اس کے سبب اس کی عمر بڑھ جائے گی اللہ تعالیٰ ان تمام امور کو ابتداء ہی سے جانتا ہے۔

بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے کہ وہ اپنے نبی کو کسی چیز کے ہونے کی خبر دیئے بغیر اسے اس کے موانع سے آگاہ کرے یا یہ جانے کہ آئندہ حالات بدل جائیں گے۔

نبی بھی یہ بات دوسروں کو بتا دیتا ہے لیکن بعد ازاں اس کے موانع سے آگاہ ہوتا ہے یا یہ کہ اس امر کے وجود میں آنے کے لئے ایسی شرائط کی ضرورت ہے کہ جو اب موجود نہیں ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ابتداء تا انتہا ان تمام امور سے آگاہ ہوتا ہے کیونکہ اس کا علم ذاتی ہے اور وہ اپنے علم سے اپنے رسول کو آگاہ کرتا ہے یا اسے لوح محو و اثبات میں ثبت کرتا ہے جیساکہ ان دو علموں کے بارے میں اشارہ فرماتا ہے: "یمحو اللہ ما یشاء و یثبت و عندہ ام الکتاب"۔ (سورہ رعد / ۳۹) یعنی اللہ جسے چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے۔

ایک اور مثال عرض کرتے ہیں اگر ہم کوئی ایسا گھر بنائیں کہ عام حالات میں جس کی عمر سو سال ہونی چاہیے لیکن کوئی طوفان، زلزلہ، سیلاب یا کوئی دوسری آفت اس کے قائم رہنے میں مانع ہو جائے اور وہ دس برس میں ہی تباہ ہو جائے۔

جبکہ ہم نے لوگوں سے کہا ہو کہ یہ گھر سو سال تک باقی رہے گا اگرچہ ہم جانتے ہوں کہ یہ کسی سیلاب کی وجہ سے تباہ ہو جائے گا۔ اگر دوسرے مرحلے میں ہم پھر یہ کہیں کہ یہ گھر دس سال میں منہدم ہو جائے گا تو یہ دونوں باتیں صحیح ہوں گی۔ بعض اوقات کسی ناگزیر اور اہم مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے کہ ہم پہلی خبر دیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

امام زمانؑ کے ظہور کی بعض علامتیں بھی اسی طرح کی ہیں کیونکہ ان میں سے بعض حتی علامتوں کی حیثیت سے بیان ہوئی ہیں اور بعض کے بارے میں خاموشی اختیار کی گئی ہے لہذا ممکن ہے کہ ان میں سے بعض ظاہر ہو اور وجود میں آئیں اور بعض کچھ موانع پیدا ہونے کی وجہ سے ظہور میں نہ آئیں جن کی مخبر نے طبیعی حالات کی روشنی میں موانع و عوارض سے قطع نظر خبر دے دی ہو۔

لہذا ممکن ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کا واقعہ اسی قسم کا ہو یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی امتحان وغیرہ جیسی مصلحت کی بنیاد پر حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا ہو پھر اسے ایک ذبح عظیم کے بدلے بچا لیا اور ابراہیمؑ کو خبر دی کہ انہوں نے یقیناً اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔

امام جعفر صادقؑ کے بیٹے اسماعیل کا واقعہ بھی شاید اسی نوعیت کا ہے وہ یوں کہ مصلحت کا تقاضا ہو کہ لوگوں کی توجہ اسماعیل کی طرف ہے اور امام حق خطرات سے محفوظ رہیں جب اسماعیل وفات پا گئے تو واضح ہو گیا کہ حقیقی امام ان کے بھائی موسیٰ کاظم علیہ السلام ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب

بداء کا لفظی معنی ہے "ظاہر ہوا" نہ کہ "اظہار کیا" لہذا اللہ کے لئے بداء ہونے کا یہ معنی ہونا چاہیے کہ خدا عالم ہوا اور اس کے لئے وہ کچھ ظاہر ہوا جس سے وہ جاہل تھا حالانکہ آپ کے قول کے مطابق یہ اللہ کے لئے محال ہے۔ لہذا امام علیہ السلام کے اس قول کی کیا توجیہ ہوگی: "ما بداء للہ فی شیئی کما بداء لہ فی اسماعیل"۔ یعنی اسماعیل کے مسئلے میں جو بداء اللہ کو ہوئی کسی اور میں نہیں ہوا۔ اسی طرح سے یہ الفاظ بھی روایات میں ہیں "بداء لہ" یا "بداء للہ"۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "و نادیناہ ان یا ابراھیم قد صدقت الرؤیا". (سورہ صافات / ۱۰۴) یعنی ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم تحقیق تو نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ نیز یہ بھی فرمایا: "و بداہ لھم سیئات ما کسبوا". (سورہ زمر / ۴۸) یعنی جو برائیاں انہوں نے کمائی تھیں ان پر محقق ہو گئیں۔

یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ بداء اظہار یا ظہور کے معنی میں نہیں بلکہ عالم کون و وجود میں معلوم چیز کے تحقق کے معنی میں استعمال ہوئی ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں "علم" کا لفظ استعمال ہوا ہے: "ثم بعثناھم لنعلم ای الحزبین احصی لما لبثوا امدا". (سورہ کہف / ۱۲) یعنی پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ ہم جان لیں کہ ان میں کونسا گروہ ان کی مدت قیام کا شمار کر سکتا ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا: "و لنبلونکم حتی نعلم المجاھدین منکم و الصابرین' و نبلوا اخبارکم". (سورہ محمد / ۳۱) یعنی اور ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے تاکہ جان لیں کہ تم میں سے کون مجاہد ہے اور کون صابر ہے اور اس لئے کہ تمہاری خبروں کی جانچ کر لیں۔

ایک اور مقام پر فرمایا: "و ما جعلنا القبلة التی کنت علیھا الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیه". (سورہ بقرہ / ۱۴۳) یعنی ہم نے اس قبلہ کو جس پر تو تھا صرف اس لئے قبلہ قرار دیا تھا کہ ہم ان لوگوں کو جو رسول کی پیروی کرتے ہیں الٹے پاؤں پلٹ جانے والوں سے پرکھ لیں۔

مراد یہ ہے تاکہ ہمارا معلوم متحقق ہو جائے اور عالم وجود کا روپ دھار لے۔ بداء بھی یہی کچھ ہے لہذا "بداء لہ" کا معنی اس کے علم کا خارج میں وجود پذیر ہو جانا اور صفحہ ہستی پر نمودار ہو جانا ہے۔ (۱)

۱۔ اس مطلب کے لئے ہم نے محقق گرامی سید مہدی روحانی سے استفادہ کیا ہے (اللہ تعالیٰ انہیں سلامت رکھے)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہود اور بداء

اگر ہم بداء کا یقین نہ رکھیں تو پھر یہودیوں کی طرح ہو جائیں گے جن کے غلط اعتقاد کی خود خدا تعالی خبر دیتا ہے۔ یہودیوں نے اللہ کا انکار کرتے ہوئے کہا: "اللہ نے رزق اور اشیاء کو ازل ہی سے معین کر دیا ہے اور اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس نے "جف القلم" (۱) کر دیا ہے"۔

اللہ تعالی نے ان کی یوں مذمت کی ہے: "و قالت الیهود: یدالله مغلولة، غلت ایدیهم، و لعنوا بما قالوا، بل یداه مبسوطتان، ینفق کیف یشاء". (سورہ مائدہ / ۶۴) یعنی یہودیوں نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے ان کے اپنے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس کے سبب وہ لعنت کیے گئے ہیں جبکہ اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے انفاق کرتا ہے"۔

لہذا بداء اسلامی عقائد کی ایک ضرورت ہے اور یہ اللہ کی تنزیہ و توحید کے لوازم و مقتضیات میں سے ہے۔ بداء کا یہی مفہوم آیات و احادیث کے ساتھ ہماہنگ ہے۔

۱۔ اس کا لفظی معنی ہے "اس نے قلم کو خشک کر دیا ہے" مراد یہ ہے کہ مخلوقات کے تمام امور کو وہ مقدر کر کے فارغ ہو چکا ہے۔ (مترجم)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دوسری فصل

آنحضرتؐ کی ولادت سے بعثت تک

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

رسول اکرمؐ کا نسب گرامی

آپ ہیں حضرت ابو القاسم محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب (شیبۃ الحمد) بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فھر بن مالک بن نضر بن کنانۃ بن خزیمۃ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ... ۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کا نسب شریف جناب عدنان تک متفق علیہ ہے۔ اس کے بعد بہت اختلاف ہے تاہم اس امر میں کوئی شک نہیں کہ عدنان کا نسب حضرت اسماعیلؑ تک جا پہنچتا ہے۔

منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "اذا بلغ نسبی الی عدنان فامسکوا"۔ (۱) یعنی جب میرا نسب عدنان تک پہنچے تو ٹھہر جاؤ، ہم نے بھی آپ کے امر کی اتباع میں توقف کیا ہے۔

آپؐ کی والدہ آمنہ قبیلہ بنی زھرہ کے سردار وھب بن عبد مناف بن زھرۃ بن کلاب کی بیٹی تھیں۔

۱۔ کشف الغمہ ج ۱ ص ۱۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نبی کریمؐ کی ولادت

قول مشہور (۱) کی بنا پر آنحضرتؐ مکہ میں اس سال دنیا میں تشریف لائے جسے "عام الفیل" کہتے ہیں اور یہ بعثت سے چالیس سال پہلے کی بات ہے۔

"امامیہ" اور بعض دوسروں کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ آپؐ کا یوم ولادت سترہ ربیع الاول ہے لیکن امامیہ کے علاوہ دوسروں (کلینی نے بھی جن کی تائید کی ہے) کا نظریہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کا یوم ولادت ۱۲ ربیع الاول ہے۔ (۲) ان کے علاوہ دیگر اقوال بھی ہیں کہ جن کے ذکر کی گنجائش نہیں۔

"طبری" اور "کلینی" نے تصریح کی ہے کہ آنحضرتؐ روز جمعہ دنیا میں تشریف لائے جبکہ غیر امامیہ حضرات کا نظریہ یہ ہے کہ آپؐ پیر کے دن پیدا ہوئے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرتؐ کی مادر گرامی "ایام تشریق" یعنی گیارہ، بارہ اور تیرہ ذی الحجہ میں حاملہ ہوئیں۔ (۳)

لیکن اس پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر پیغمبر اکرمؐ اسی سال دنیا میں تشریف لے آئے تھے تو آپؐ کے لئے مدت حمل چار ماہ اور چند روز بنتی ہے اور اگر آپ کی پیدائش بعد کے سال میں ہو تو مدت حمل سولہ ماہ ہوگی۔ جبکہ امامیہ کے نزدیک کم ترین مدت حمل چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ ایک سال ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ مذکورہ قول اس بات پر مبنی ہے کہ عرب جان بوجھ کر حرام مہینوں کو بھلا دیتے تھے اور کہتے تھے کہ مثلاً حرام مہینے چار ماہ بعد شروع ہوں

۱۔ سیرۃ مغلطای ص ۷، تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۱۹۵ وغیرہ، اس قول کو متفق علیہ بھی کہا گیا ہے۔

۲۔ اصول کافی ج ۱ ص ۴۳۹ (مطبوعہ ۱۳۸۸ مکتبۃ الاسلامیۃ طہران)

۳۔ اصول کافی ج ۱ ص ۴۳۹، نیز دیکھئے تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۱۹۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

گے۔ جبکہ ان حرام مہینوں میں کہ جن کی حرمت کو انھوں نے اپنی طرف سے ختم کر دیا تھا جنگ و قتال کو جائز سمجھتے تھے۔

لیکن اگر روایت کی سند صحیح ہو اور ہم اس چیز کے قائل بھی نہ ہوں کہ چار ماہ کا حمل پیامبر اکرمؐ کے لئے مختص ہے تو خود اس جواب پر بھی اشکال وارد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ روایت کو حرام مہینوں کے بھلانے پر مبنی قرار دینے کے لئے بھی دلیل کی ضرورت ہے کیونکہ آئمہ معصومینؑ کے کلام میں بھی ایسی کوئی تعبیر موجود نہیں۔ اسی طرح محدثین اور مورخین کے کلام میں بھی ایسی کوئی چیز موجود نہیں۔

ایک اہم یاد دہانی

"اربلی" مرحوم پیغمبر اکرمؐ کی تاریخ ولادت میں اختلاف کی طرف اشارہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "آنحضرتؐ کے روز ولادت میں اختلاف ایک معمولی بات ہے کیونکہ اس زمانے کے عرب آنحضرتؐ اور آپؐ کے مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔ وہ لوگ ان پڑھ تھے یہاں تک کہ اپنی اولاد کے روز ولادت کو بھی لکھنا نہیں جانتے تھے۔ البتہ آپؐ کی وفات کے بارے میں ان کا اختلاف عجیب بات ہے اور اس سے بڑھ کر عجیب و غریب ان کا اذان اور اقامت میں اختلاف ہے بلکہ آنحضرتؐ کی وفات کے بارے میں اختلاف عجیب ترین امر ہے کیونکہ اذان کے متعلق ممکن ہے ہر گروہ اس میں روایت اور سند کا ادعا کرے جبکہ یوم وفات تو معلوم و معین ہونا چاہیے تھا"۔ (۱)

اربلی کی بات واضح ہے وہ کہتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کے روز ولادت میں اختلاف کی توجیہات پیش کرنا ممکن ہے لیکن جو چیز واقعاً حیرت انگیز ہے وہ آنحضرتؐ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے۔ آپؐ ان کے لئے فرشتہ نجات تھے آپ انھیں ظلمت کے اندھیروں سے

۱۔ کشف الغمة ج ۱ ص ۱۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نکال کر نور کی طرف لائے، موت سے نکال کر زندہ رہنے کا سلیقہ سکھایا۔ ان تمام باتوں کو سمجھنے کے باوجود ایسا ہوا جبکہ کوئی اور سیاسی یا مذہبی مقصد جو تاریخ میں ابہام، اجمال یا اس میں خرابی پیدا کرنے کا موجب بنتا، کار فرما نہیں تھا۔ یہی بات باعث تعجب ہے۔

اس سے بڑھ کر حیران کن امر یہ ہے کہ انھوں نے ایسے بہت سے مسائل میں اختلاف کیا جن پر انھوں نے نبی اکرمؐ کے ساتھ رہ کر کئی سال عمل کیا یہاں تک کہ آپ دیکھتے ہیں کہ نماز اور وضوء کے بارے میں بھی آنحضرتؐ سے متضاد روایات نقل کرتے ہیں جبکہ روزانہ پانچ مرتبہ آپؐ کے ساتھ وہ ان اعمال کو انجام دیتے تھے اس سے بڑھ کر یہ کہ بعض کہتے ہیں کہ مسلمان آپؐ کی ریش مبارک کی حرکت سے سمجھتے تھے کہ آپؐ نماز ظہر یا عصر کی قرائت میں مشغول ہیں۔ (۱)

ان کا اذان میں اختلاف جسے وہ بچپن سے سنتے آئے تھے نیز روشن ہے جیساکہ اربلی مرحوم نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اب اس پس منظر میں ان احکام اور امور میں جن سے انھیں کم واسطہ پڑتا تھا یا ان میں کم مبتلا ہوتے تھے، ان کی معرفت اور آگاہی کا کیا عالم ہوگا؟

ان حالات میں کیا اصحاب کا کردار اور گفتار حتی سنت اور قابل اطاعت شریعت کے طور پر معتبر ہو سکتی ہے؟ جیساکہ بعض اسلامی فرقے یہ نظریہ رکھتے ہیں بلکہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ بعض افراد ایک صحابی یا قاضی کے قول کی وجہ سے صحیح حدیث کو رد کر دیتے ہیں! اور یہ واقعاً بڑے تعجب کی بات ہے!!

۱۔ صحیح بخاری چھاپ ۱۳۰۹ ہجری ج ۱ ص ۹۰ اور ۹۳، مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۰۹ اور ۱۱۲ اور سنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۳۷ اور ۵۴ صحیحین سے نقل کرتے ہوئے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جب وہ ان جیسے امور اور مسائل میں بھی اختلاف رکھتے ہیں تو کیا ان میں سے بعض کا یہ قول قابل قبول ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ نے امت کو قائد، رہبر، معلم اور مرشد کے بغیر چھوڑ دیا اور امت کی مہار خود امت کی گردن پر ڈال دی، کیا اس لئے کہ امت ہدایت اور رہبریت سے بے نیاز ہے؟ یہ مسئلہ بہت ہی اہم ہے اس پر مفصل بحث و تحقیق کی ضرورت ہے۔

نبی اکرمؐ کی جائے ولادت کا حال

آنحضرتؐ کی ولادت با سعادت شعب ابیطالب میں جس گھر میں ہوئی تھی اسے بعد میں حجاج کے بھائی "محمد بن یوسف" نے حضرت ابو طالب سے خرید لیا پھر ہارون رشید کی ماں "خیزران" نے اسے مسجد میں بدل دیا لوگ وہاں آکر نماز پڑھتے تھے (۱) اور اس کی زیارت سے مشرف ہوتے تھے اور اسے متبرک سمجھتے تھے یہ ہمارے زمانے تک اپنی اسی حالت پر باقی رہا یہاں تک کہ وہابیوں نے جب مکہ پر قبضہ کیا تو اسے ویران کر دیا اور لوگوں کو زیارت کرنے سے منع کر دیا کیونکہ انبیاء اور صالحین کے آثار کی زیارت اور تعظیم سے روکنا ان کی عادت ہے اور اس گھر کو انھوں نے اصطبل بنا دیا۔ (۲)

رسول اکرمؐ کی رضاعت

کہا جاتا ہے کہ آپؐ کی والدہ ماجدہ نے دو یا تین روز آپؐ کو دودھ پلایا اس کے بعد کچھ دن ابولہب کی کنیز ثویبہ نے دودھ پلایا (۳) پھر جب حلیمہ سعدیہ اپنے ساتھیوں کے

۱۔ اصول کافی ج ۱ ص ۳۶۴

۲۔ اعیان الشیعۃ ج ۲ ص ۷

۳۔ قاموس الرجال ج ۱۰ ص ۴۱۷ ترجمہ ثویبہ البلاذری سے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہمراہ مکہ آئیں اور وہ کسی بچے کی تلاش میں تھیں تاکہ اسے دودھ پلا کر اپنی روزی کا بندوبست کریں، نبی اکرمؐ کو اس کے حوالے کرنے کی تجویز پیش ہوئی اس نے پہلے تو آپؐ کے یتیم ہونے کی وجہ سے انکار کیا لیکن جب اسے کوئی اور بچہ نہ ملا تو وہ واپس آئی اور آپؐ کو دودھ پلانے کے لئے اٹھا لیا۔ اس نے زندگی میں آپؐ سے بہت خیر و برکت کا مشاہدہ کیا انہوں نے دو سال تک آپؐ کو دودھ پلایا جب آپؐ پانچ سال اور دو دن کے ہوگئے تو وہ آپؐ کو خاندان والوں کے پاس واپس لے آئیں (جیساکہ نقل کیا جاتا ہے) اس کے بعد آپؐ اپنے دادا عبدالمطلب کی زیر کفالت پرورش پانے لگے اور ان کے بعد آپؐ اپنے چچا ابو طالب کی آغوش میں پروان چڑھنے لگے۔

علامہ محقق سید مہدی روحانی کہتے ہیں: "یہ بات کہ پہلے تو حلیمہ سعدیہ نے یتیم ہونے کی بنا پر آپؐ کو لینے سے انکار کر دیا اس یتیم کے بارے میں تو صحیح ہے جس کا کوئی والی وارث نہ ہو اور اس کی کوئی اہمیت نہ ہو لیکن حضرت محمدؐ کے بارے میں درست نہیں ہے جس کے کفیل وادی مکہ کے سردار عبدالمطلب ہوں، جس کی ماں آمنہ بنت وھب اشراف مکہ میں سے ہو۔ اس کے علاوہ بعض افراد یہ بھی کہتے ہیں کہ آپؐ اس وقت یتیم نہیں تھے اور آپؐ کے والد گرامی ولادت کے چند ماہ بعد اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ بعض کہتے ہیں اٹھائیس ماہ بعد اور بعض کے نزدیک سات ماہ بعد آپؐ کے والد نے دنیا کو الوداع کیا" (۱)

بہرحال اشراف مکہ کی یہ عادت تھی کہ اپنے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے صحرائی علاقوں میں بھیجتے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح بچوں کی نشو و نما کی لحاظ سے اچھی ہوتی ہے۔ مثلاً:

۱۔ صفة الصفوة ج ۱ ص ۵۱ اور کشف الغمة ج ۱ ص ۱۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۔ جسمانی طور پر صحت مند اور توانا ہونا، کیونکہ وہ کھلی اور صاف فضا میں سانس لیتے ہیں انھیں قدرتی مشکلات اور سختیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس سے انکے اندر مختلف حالات اور گوناگوں واقعات کا مقابلہ کرنے اور سختیوں کو برداشت کرنے کی ہمت پیدا ہوجاتی ہے۔

۲۔ زبان کے لحاظ سے فصیح تر ہونا، کیونکہ دوسرے علاقوں اور قوموں کے افراد سے ان کا میل جول بہت کم ہوتا تھا خصوصاً مکہ کی نسبت جو ان دنوں ایک تجارتی مرکز تھا اور اس کے دوسری قوموں اور علاقوں کے ساتھ تجارتی تعلقات قائم تھے اس کے مکین سردیوں اور گرمیوں میں ہمسایہ ممالک کے قریب کے شہروں کا سفر کرتے تھے اس لئے ان کی زبان کا کم و بیش متاثر ہونا بعید نہیں تھا۔

۳۔ جرات مند ہونا، اس دلیل کی بنا پر جس کی طرف پہلی فصل میں اشارہ کیا گیا ہے۔

۴۔ فکر اور ذوق کا خالص ہونا، کیونکہ وہ شہری زندگی کی پریشانیوں، مشکلات اور چکر بازیوں سے دور رہتا ہے وہ صحرا اور بیابان میں ان پیچیدگیوں سے ہٹ کر سادہ اور تنہا زندگی گزارتا ہے وہاں پر زندگی قدرتی اصولوں کے مطابق چلتی ہے اور شہر میں زندگی کی مشکلات کی وجہ سے انسانوں کے افکار منحرف ہو جاتے ہیں جبکہ اس قدرتی ماحول میں انسان کے افکار منحرف نہیں ہوتے اسے تفکر اور تدبر کرنے کا موقع ملتا ہے اسے اسرار طبیعت اور ہستی کی شناخت اور معرفت حاصل کرنے کی فرصت ملتی ہے اگرچہ یہ اس کے بچپن کا مختصر سا دور ہوتا ہے اور اس کی معلومات بھی کم ہوتی ہیں۔

اسی لئے وہ خلاق اور بہترین فکر کا حامل ہوتا ہے اور ایک صاف و شفاف اور غنی مزاج اور ذوق کا مالک ہوتا ہے۔

لیکن یہ سب کچھ اس وقت ہو سکتا ہے کہ جب وہ تمام زندگی وہاں نہ گزارے کیونکہ بیابان اور صحرا میں زندگی جاری رکھنا انسان کو جمود اور سردمہری سے دوچار کر دیتا ہے اس دوران وہ اپنے لئے مفاہیم اور افکار بناتا ہے جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کے لئے حقائق کی صورت اختیار کر لیتے ہیں پھر وہ ان کے خلاف کوئی بات نہیں سنتا اور ان سے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہٹ کر کسی دوسرے کی رائے کو قبول کرنا اس کے لئے انتہائی دشوار ہو جاتا ہے۔ اگر انسان اپنی رائے پر تنقید اور مخالف رائے کو برداشت کرنے کی عادت بنا لے تو وہ فکری استعداد سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ وہ اہل دلیل و برہان بن جاتا ہے اور پاکیزہ افکار کا حامل ہو جاتا ہے۔ ایسے انسان کے پاس اگر دلیل نہ ہو تو وہ اپنے غلط افکار سے ان افکار کو اپنا کر جن پر وہ استدلال کر سکتا ہے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے۔ اور یہ ایک طبیعی امر ہے جسے انسان مشاہدہ کے ذریعے جان سکتا ہے اور تجربے کے ذریعے اس پر استدلال قائم کر سکتا ہے۔

حدیث شق الصدر

اب جبکہ ہم طائفہ بنی سعدہ میں آنحضرتؐ کے دودھ پلانے کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں اس مقام پر اسی مناسبت سے وارد ہونے والی ایک حدیث پر بحث کرنا اور اپنی رائے پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ مسلم بن حجاج، انس بن مالک سے نقل کرتا ہے: "جب رسول اللہ بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول تھے تو جبرئیلؑ آپؐ کے پاس گئے، آپؐ کو پکڑا اور زمین پر لٹا دیا پھر آپؐ کے سینے کو چاک کیا اس میں سے دل باہر نکالا اور دل سے خون کا ایک لوتھڑا نکالا اور کہا کہ یہ تیرے اندر شیطانی حصہ ہے پھر اسنے آپکے دل کو سونے کے طشت میں آب زمزم سے دھویا پھر اسے درست کرنے کے بعد اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ بچے دوڑتے ہوئے آپکی ماں (جو درحقیقت آپکی دایہ تھی) کے پاس گئے اور کہا کہ محمدؐ قتل ہوگئے وہ سب آپکی طرف آئے اور آپؐ کا رنگ اڑا ہوا پایا"۔

انس کہتا ہے کہ میں نے ان ٹانکوں کا نشان آپ کے سینہ مبارک پر دیکھا ہے"۔ (۱)

اور یہی بات آپؐ کی اپنی والدہ کے پاس واپسی کا سبب بنی۔ (۲)

۱۔ صحیح مسلم ج۱ ص ۱۰۱ و ۱۰۲۔ آپکے سینہ پھاڑنے کے متعلق اور بھی روایات وہاں ذکر کی گئی ہیں، خواہشمند افراد وہاں رجوع کرسکتے ہیں۔

۲۔ سیرۃ ابن ہشام ج۱ ص ۱۶۴ و ۱۶۵ اور تاریخ یعقوبی ج۲ ص ۱۰ وغیرہ۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

امامیہ کے علاوہ حدیث اور سیرت کی اکثر کتب میں یہ روایت موجود ہے۔ انہوں نے ذکر کیا ہے کہ آپؐ کے سینے کو پانچ مرتبہ چاک کیا گیا، جن میں چار دفعہ ثابت ہے جبکہ پانچویں مرتبہ میں اختلاف ہے جیساکہ ہم نے ذکر کیا ہے۔ ان میں سے پہلی مرتبہ تین سال کی عمر میں، دوسری مرتبہ دس سال کی عمر میں، تیسری مرتبہ بعثت کے وقت اور چوتھی مرتبہ معراج کی رات چاک کیا گیا۔

روایت کا جائزہ

کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے سینے کو بار بار چاک کرنا آپؐ کی عظمت اور مقام میں اضافے کا باعث ہے۔ بعض شعراء نے روایت کے مضمون کو نظم کی صورت میں بیان کیا ہے۔

ایا طالباً نظم الفرائد فی عقد
مواطن فیہا شق صدر لذی رشد

لقد شق صدر للنبی محمد
مراراً لتشریفہ و ذا غایۃ المجد

فاولی لہ التشریف فیہا مؤثل
لتطہیرہ من مضغۃ فی بنی سعد

و ثانیۃ کانت لہ و ہو یافع
و ثالثۃ للمبعث الطیب الند

و رابعۃ عند العروج لربہ
و ذا باتفاق فاستمع یا اخا الرشد

و خامسۃ فیہا خلاف ترکتہا
لفقدان تصحیح لہا عند ذی النقد (۱)

۱۔ رجوع کریں: اضواء علی السنۃ المحمدیۃ ص ۱۸۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس کے علاوہ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بعض لوگ اس روایت کو "ارحاصات" (۱) نبوت میں شمار کرتے ہیں جیساکہ شاعر نے اپنے اشعار میں ذکر کیا ہے (۲) اور یہ بات خوشگوار حیرت کا موجب ہے۔ جبکہ دوسری طرف غیر مسلم یا تو اس کا تمسخر اور مذاق اڑاتے ہیں یا وہ اپنے بعض باطل عقائد پر اسے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں اور مسلمانوں کے بعض عقائد کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں۔ جیساکہ بعد میں ذکر کیا جائے گا۔

ہم تیسرے فریق کو بھی ملاحظہ کرتے ہیں جو اس روایت کو ان افراد کے حوالے سے جعلی قرار دیتا ہے جو اسے آیت مبارکہ "الم نشرح لک صدرک، و وضعنا عنک وزرک" کی لفظی تفسیر قرار دینا چاہتے ہیں۔ (۳)

مجمع البیان کے مصنف نے بھی ظاہر روایت کو درست تسلیم نہیں کیا ہے اور اس کی تاویل کو بھی بعید اور مشکل خیال کیا ہے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ہر عیب اور برائی سے پاک اور مطہر تھے لہذا آپ کے اندرونی نظریات اور قلب مبارک کا پانی کے ذریعے پاک ہونا کیسے ممکن ہے؟ (۴)

jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

۱۔ ان واقعات کو کہا جاتا ہے جو آنحضرت (ص) کی ولادت کے ساتھ رونما ہوئے تھے مثلاً ایوان کسریٰ کا ٹوٹ جانا وغیرہ

۲۔ فقہ السیرۃ للبوطی ص ۵۳ اور رجوع کریں سیرۃ المصطفیٰ للحسنی ص ۳۶

۳۔ محمد حسنین ہیکل کی کتاب "حیات محمد" ص ۷۳ اور خطیب کی کتاب "النبی محمد" ص ۱۹۷ کی طرف رجوع کریں۔

۴۔ المیزان ج ۱۳ ص ۳۴، مجمع البیان سے نقل کرتے ہوئے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعض علماء روایت کی سند پر اعتراض کرتے ہیں (۱) البتہ ان کا اعتراض صرف ابن ہشام کی روایت پر ہوتا ہے جو اس نے بعض اہل علم سے نقل کی ہے۔ حالانکہ ان کو اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ یہی روایت صحیح مسلم میں چار ذرائع سے نقل ہوئی ہے اور اگر وہ اس سے آگاہ ہوتے تو روایت کے حق میں ان کا موقف اور زیادہ سخت ہوتا کیونکہ اس صورت میں روایت ان کے لئے وحی منزل کا درجہ پا لیتی۔ شیخ محمد عبدہ نے بھی اس حدیث میں شک کا اظہار کیا ہے جیساکہ "ابوریۃ" نے ان سے نقل کیا ہے۔

اور شاید اس حدیث پر سب سے عمدہ، مناسب اور بہترین اعتراض علامہ شیخ محمد ابوریۃ کا ہے جو انھوں نے اپنی گراں بہا کتاب "اضواء علی السنۃ المحمدیۃ" میں بیان کیا ہے۔

اس روایت کے متعلق ہمارا نظریہ

اس کے متعلق چند امور کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے:

۱۔ ابن ہشام اور دوسرے افراد بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرمؐ کا اپنی والدہ کے پاس لوٹنے کا سبب یہ تھا کہ حبشہ کے چند عیسائیوں نے آپؐ کو اپنی ولیے کے ساتھ دیکھا اور آپؐ سے کچھ سوالات کئے اور آپؐ کا بغور جائزہ لینے کے بعد ان سے کہنے لگے کہ "ہم اس بچے کو پکڑ لیں گے اور اسے اپنی سرزمین میں لے جائیں گے"۔ (۲)

اس بنا پر سابقہ روایت جو آنحضرتؐ کی ماں کے پاس واپسی کا سبب آپؐ کا سینہ چاک ہونا بتاتی ہے مشکوک ہو جاتی ہے۔

۱۔ عبد الکریم خطیب کی کتاب "النبی محمد" ص ۱۹۶

۲۔ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۶۶ اور تاریخ طبری ج ۱، ص ۵۷۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۳۔ حضور اکرمؐ کا سینہ چاک ہونا آنحضرتؐ کی والدہ کے پاس واپسی کا سبب کیسے بن سکتا ہے جبکہ وہ خود یہ کہتے ہیں آپؐ کے ساتھ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپؐ کی عمر مبارک تین سال یا دو سال اور چند ماہ تھی حالانکہ آنحضرتؐ پانچ برس پورے کرنے کے بعد اپنی والدہ ماجدہ کے پاس واپس لوٹے تھے۔

۴۔ کیا یہ درست ہے کہ ایک خون کا لوتھڑا یا غدود قلب کے اندر شرور کا منبع قرار پائے اور اس کی صفائی کے لئے آپریشن کی ضرورت پڑے؟

کیا ان کی مراد یہ ہے کہ اس غدود کو نکالنے کے لئے جس کا بھی آپریشن کیا جائے وہ پرہیزگار، متقی اور نیک انسان بن جائے گا؟

یا ان کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے غدود یا خون کا لوتھڑا بنی آدم میں سے صرف نبی اکرمؐ کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے اور انہیں ہی اس میں مبتلا کیا ہے؟ یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ دوسرے انسان اس میں مبتلا کیوں نہیں ہوئے؟

۴۔ اس عمل کو مختلف وقتوں کے ساتھ چار یا پانچ مرتبہ کیوں دہرایا گیا؟ یہاں تک کہ بعثت کے چند سال بعد اور معراج کے موقعہ پر ایسا کیوں کیا گیا؟

کیا وہ خونی لوتھڑا یا غدود یا شیطان کا حصہ ایک دفعہ جڑ سے اکھاڑنے کے بعد دوبارہ نئے سرے سے پیدا ہوگیا تھا؟ کیا وہ کسی ایسے کینسر کی کوئی قسم تھی جو آپریشن سے بھی ختم نہیں ہوتی بلکہ آپریشن کے بعد پہلے سے زیادہ شدت کے ساتھ نمودار ہوتی ہے۔

وہ غدود چوتھے یا پانچویں آپریشن کے بعد دوبارہ کیوں پیدا نہیں ہوئی اور اس کے بعد پھر آپریشن کی ضرورت نہ رہی؟

کس دلیل کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو اس عذاب میں مبتلا کیا اور کیوں اسے اس مصیبت اور تکلیف سے دوچار کیا جبکہ وہ کسی جرم کے مرتکب بھی نہیں ہوئے تھے کہ انہیں اس کی سزا دی جاتی۔ کیا ایسا ممکن نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ابتداء ہی سے ایسی غدود کے بغیر خلق فرماتا؟

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۵۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے کہ اس کا بندہ برا نہ ہو تو کیا اس کے لئے اسے لوگوں کے سامنے اس قسم کے آپریشن کی ضرورت ہے؟ اور جبرئیل اور دوسرے فرشتوں نے میڈیکل کا علم کہاں سے سیکھا تھا کہ انھوں نے اس طرح کے نادر آپریشن کرنے کا اعزاز حاصل کیا؟

کیا اس روایت کا یہ مطلب نہیں کہ حضورؐ نیک اعمال انجام دینے پر مجبور تھے اور اعمال خیر کی انجام دہی میں ان کے ارادے کا کوئی عمل دخل نہیں تھا کیونکہ آپؐ جبری طور پر اور آپریشن (کہ جس کے ٹانکوں کے نشان انس بن مالک نے آپؐ کے سینہ مبارک پر دیکھے تھے) کے ذریعے سے شیطان کی دسترس سے قطعاً دور تھے۔

۶۔ آخر یہ عمل صرف ہمارے پیارے نبیؐ کے ساتھ مخصوص کیوں ہے؟ جبکہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ یہ عمل انجام نہیں دیا گیا؟ کیا یہ بات معقول ہے کیونکہ آپؐ تمام انبیاء سے افضل اور اکمل تھے لہٰذا آپریشن کرنے کی ضرورت تھی؟ اس صورت میں آنحضرتؐ باقی رسل سے کس طرح افضل اور اکمل قرار پائیں گے؟ یا یوں کہا جائے کہ شیطان کو ان انبیاء علیہم السلام پر ایک قسم کی دسترس حاصل تھی جو آپریشن کے ذریعے سے زائل نہیں ہوئی تھی کیونکہ ملائکہ نے اس وقت تک آپریشن کا طریقہ کار نہیں سیکھا تھا۔

۷۔ ان تمام باتوں کے علاوہ کیا یہ حدیث قرآن کی آیات سے منافی نہیں ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ خدا کے مخلص بندوں پر شیطان کو کسی قسم کا تسلط اور دسترس حاصل نہیں ہے۔ جیساکہ ارشاد ہوتا ہے: "قال رب بما اغویتنی لازینن لهم فی الارض، و لاغوینهم اجمعین. الا عبادک منهم المخلصین". (سورہ حجر/۳۹-۴۰) یعنی شیطان نے کہا اے میرے پروردگار چونکہ تو نے مجھے راستہ سے الگ کیا میں بھی ان کے لئے دنیا میں (ساز و سامان کو) عمدہ کر دکھاؤں گا اور سب کو ضرور بہکاؤں گا مگر ان میں سے تیرے خاص بندے کہ وہ میرے بہکانے میں نہ آئیں گے۔

و نیز قرآن میں فرماتا ہے: "ان عبادی لیس لک علیهم سلطان". (سورہ اسراء/۶۵)
یعنی میرے بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہیں ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پھر ارشاد ہوتا ہے: "انہ لیس لہ سلطان علی الذین آمنوا و علی ربہم یتوکلون"۔ (سورہ نحل/۹۹) یعنی اور شیطان کو مومنین اور اپنے پروردگار پر توکل کرنے والوں پر کوئی قدرت حاصل نہیں ہے۔

اور یہ بات واضح ہے کہ انبیاء علیہم السلام اللہ کے خالص اور بہترین بندے ہیں۔ اس امر کے پیش نظر کس طرح ممکن ہے کہ رسول اعظمؐ پر معراج کی رات تک شیطان کو قدرت اور دسترس حاصل رہی ہو؟

یہ اس روایت کے بارے میں تمام مطالب تھے البتہ یہ سب کچھ اس شدید تضاد کے علاوہ ہے جو ان روایات میں پایا جاتا ہے جن کی طرف سیرت المصطفیٰ کے مصنف حسن صاحب نے مختصر اشارہ کیا ہے۔ آپ خود رجوع کریں اور ان کا موازنہ کریں۔ (۱)

عیسائی ... اور حدیث شق صدر

ابوریّہ کہتے ہیں کہ مذکورہ حدیث ایک اور حدیث کی تائید کرتی ہے جو بخاری، مسلم، فتح الباری اور دوسری کتب حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ بخاری میں صراحت کے ساتھ وہ حدیث یوں بیان ہوئی ہے۔ "کل بنی آدم یطعن الشیطان فی جنبیہ باصبعہ حین یولد غیر عیسی بن مریم، ذھب یطعن، فطعن فی الحجاب"۔ (۲) یعنی حضرت عیسیٰ بن مریم کے علاوہ جو انسان بھی پیدا ہوتا ہے شیطان اس کے پہلو میں انگلی چبھوتا ہے لیکن جب اس نے حضرت عیسیٰؑ کے پہلو میں انگلی چبھونا چاہی تو ان پر پردہ آگیا اور شیطان کی انگلی پردے سے ٹکرا گئی۔

۱۔ سیرۃ المصطفیٰ، ص ۳۶

۲۔ البخاری ج۲ ص ۱۴۳، طبع سال ۱۳۰۹ ہجری

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ: "ما من بنی آدم مولود الا یمسہ الشیطان حین یولد، فیستہل صارخاً من مس الشیطان غیر مریم و ابنہا"۔ یعنی آدم کی اولاد میں سے کوئی بچہ بھی پیدا نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس کی پیدائش کے وقت شیطان اسے چھوتا ہے جس کی وجہ سے نومولود رونے لگتا ہے لیکن حضرت مریمؑ اور ان کے بیٹے اس اصول سے منزہ ہیں۔

اسی حدیث کے مزید الفاظ بھی ذکر ہوئے ہیں جن کے بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ عیسائی حضرات اس روایت سے استدلال پیش کرتے ہیں کہ کوئی بھی انسان یہاں تک کہ کوئی نبی بھی معصوم نہیں بلکہ خطا اور لغزش اس سے سرزد ہوسکتی ہے لیکن صرف حضرت عیسیٰ بن مریم گناہ سے پاک تھے کیونکہ وہ شیطان کے مس کرنے سے محفوظ رہے تھے اور یہی امر حضرت مسیح کے مافوق بشر ہونے پر دلالت کرتا ہے اور ان کے لاہوتی وجود کو ثابت کرتا ہے۔ (۱)

ابوریہ مزید کہتے ہیں کہ: اگر مسلمان اپنے مسیحی بھائیوں سے یہ کہیں کہ، اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کی غلطیوں کو اس کٹھن اور مشکل ذریعے کے علاوہ کسی اور ذریعے سے کیوں نہ بخشا جس کی وجہ سے اسے حضرت عیسیٰ کی پاکیزہ اور سالم روح جو بے گناہ تھی، کو اپنی طرف اٹھانا پڑا؟

وہ جواب میں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسولؐ کے قلب کو دوسرے انبیاء اور رسل کے قلوب کی طرح (البتہ خدا بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کہاں قرار دے) اس سیاہ لوتھڑے اور شیطانی حصے کے بغیر کیوں خلق نہیں فرمایا تاکہ آپریشن کی ضرورت ہی پیش نہ آتی جس کی وجہ سے کئی دفعہ ان کا سینہ چیرنا پھاڑنا پڑا۔ (۲)

۱۔ اضواء علی السنۃ المحمدیۃ ص ۱۸۶ بحوالہ المسیحیۃ فی الاسلام چھاپ سوم ص ۱۲۷ تالیف ابراہیم لوقا۔

۲۔ اضواء علی السنۃ المحمدیۃ ص ۱۸۷

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

روایت کی بنیاد جاہلیت

حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت اہل جاہلیت سے لی گئی ہے کتاب "اغانی" میں ایک افسانہ بیان ہوا ہے جس کا مفہوم یہ ہے "امیہ بن ابی الصلت سو رہا تھا کہ دو پرندے آئے ایک گھر کے دروازے پر بیٹھ گیا اور دوسرا اندر چلا گیا اس نے امیہ کے دل کو پھاڑا اور پھر دوبارہ اسی جگہ پر رکھ دیا پہلے پرندے نے اس سے پوچھا: کیا اس نے پا لیا؟ دوسرے نے کہا: "ہاں"۔ پھر پہلے نے پوچھا: کیا "وہ پاک ہو گیا" اس نے جواب دیا: "اس نے پاکیزگی کو قبول نہیں کیا"۔

ایک اور روایت کے مطابق وہ اپنی بہن کے گھر گیا اور گھر میں کسی جگہ پر پڑے ہوئے تخت پر سو گیا اس کے بعد چھت پھٹی اور دو پرندے اندر داخل ہوئے ایک اس کے سینے پر بیٹھ گیا اور دوسرا اپنی جگہ پر کھڑا رہا جو سینے پر بیٹھا تھا اس نے اس کے سینے کو چیرا پھاڑا اور اس کے دل کو باہر نکالا۔ کھڑے ہوئے پرندے نے دوسرے سے پوچھا "کیا اس نے پایا"؟ دوسرے نے جواب دیا: "ہاں" پھر سوال کیا: کیا اس نے قبول کر لیا؟ اس نے کہا: نہیں مسترد کر دیا ہے۔ پھر اس نے دل کو اپنی جگہ پر رکھ دیا۔ یہ روایت امیہ کے بارے میں چار مرتبہ اسی سینہ پھاڑنے کے عمل کا تکرار کرتی ہے۔ (۱)

اس طرح واضح ہوتا ہے کہ مذکورہ روایت جعلی اور جھوٹی ہے اور یہ جھوٹ گھڑنے کا مقصد فاسد عقائد کی تقویت اور قرآن مجید کی صداقت اور ختمی المرتبت رسول اکرمؐ کی عصمت کو داغدار کرنا ہے۔

اب ہم دوبارہ اپنی گفتگو یعنی سیرہ پاک کے سلسلے کو آگے بڑھاتے ہیں۔

۱۔ الاغانی ج ۳ ص ۱۸۸، ۱۸۹ اور ۱۹۰ کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نبی اکرمؐ کی کفالت

اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ نبی اکرمؐ اپنی ماں کے پیٹ میں یا اپنی چھوٹی عمر میں ہی اپنے والد ماجد کے سائے سے محروم ہو جائیں۔ بعض افراد کا نظریہ یہ ہے کہ پہلی بات زیادہ صحیح ہے، کیونکہ آپؐ یتیم تھے اور اسی وجہ سے حلیمہ سعدیہ نے آنحضرتؐ کی دایہ بننے سے اجتناب کیا تھا (۱) البتہ اس پر ہونے والے اعتراضات کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔

اس کے بعد جب آنحضرتؐ بنی سعد کے قبیلے سے واپس آ گئے تو بعض روایات کے مطابق چار سال، بعض کے مطابق چھ سال اور بعض کے مطابق اس سے زیادہ عمر میں آپؐ کے سر سے والدہ کا سایہ بھی اٹھ گیا۔

مسلم اپنی کتاب صحیح میں نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: "استاذنت ربی فی زیارة امی، فاذن لی، فزوروا القبور تذکرکم الموت". (۲) یعنی میں نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کے لئے اپنے پروردگار سے اجازت طلب کی اور اس نے اجازت مرحمت فرمائی،

۱۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ کشف الغمة ج ۱ ص ۱۶ میں ذکر ہوا ہے وہ قابل قبول نہیں ہے اس میں آیا ہے کہ آنحضرت (ص) نے اپنے والد گرامی کے ساتھ دو سال اور چار ماہ کا عرصہ گزارا۔ جبکہ اربلی نے اسی کتاب کے صفحہ ۲۲ پر صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ آنحضرت (ص) ابھی ماں کے شکم مبارک میں تھے کہ آپ (ص) کے والد ماجد انتقال فرما گئے اس کے علاوہ تاریخ الخمیس ج۱ ص ۲۵۸، تاریخ الطبری ج ۲ ص ۳۳ اور سیرة ابن ھشام ج ۱ ص ۱۹۳ کی طرف رجوع کیا جائے۔

۲۔ کشف الغمة ج ۱ ص ۱۶ مسلم سے منقول، صحیح مسلم ج ۳ ص ۶۵، ۱۳۳۴ ہجری میں چھاپ ہوئی اور یہ حدیث مختلف منابع میں موجود ہے جیساکہ کتاب الجنائز فی کتب الحدیث کی طرف رجوع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بحیرا ... اور شام کا پہلا سفر

کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے چچا حضرت ابوطالب کے ہمراہ شام کا سفر اختیار کیا دوران سفر بصریٰ کے راہب بحیرا نے آپؐ کو دیکھا اور آپؐ کے چچا کو خبر دی کہ آپؐ اس امت کے نبی ہیں۔ بحیرا کا اصرار تھا کہ حضرت ابوطالب آپؐ کو واپس مکہ لے جائیں تاکہ آپؐ یہودیوں کے شر سے محفوظ رہیں کیونکہ یہودی آنے والے پیغمبرؐ کی اپنی کتب میں ثابت شدہ نشانیوں اور علامتوں کو آپؐ میں دیکھ کر کہیں آنحضرتؐ کو تکلیف نہ پہنچائیں پس حضرت ابوطالب نے وہیں قافلے کو چھوڑا اور واپس مکہ آگئے۔

جھوٹی روایت

ابو موسیٰ اشعری سے منقول ایک حدیث میں آیا ہے کہ بحیرا انھیں مسلسل قسمیں دیتا رہا۔ آخرکار انھوں نے پیغمبر اکرمؐ کو واپس بھیج دیا اور ابوبکر اور بلال کو آپؐ کے ہمراہ کیا۔ نیز راہب نے کچھ روٹیاں اور زیتون کا تیل انھیں دیا۔ (۱)

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ سات افراد رسول اکرمؐ کے قتل کا ارادہ رکھتے تھے انھیں بحیرا نے منع کیا پھر ان سب نے آپؐ کی بیعت کی اور آپؐ کے ہمراہ ہوگئے۔

لیکن یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے کیونکہ:

۱۔ الثقات لابن حبان ج ۱ ص ۴۳، البدایة و النہایة ج ۲ ص ۲۸۵، تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۳ الاستقامة، تاریخ الخمیس ج ۲ ص ۲۵۸، السیرة الحلبیہ ج ۱ ص ۱۲۰، مستدرک الحاکم، البیہقی، ابن عساکر اور ترمذی نے کہا حسن غریب. اسی طرح سیرة دحلان ج ۱ ص ۴۹ کہ آپ (ص) مکّہ واپس آگئے اور ان کے ہمراہ بلال اور ابوبکر تھے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۔ اس وقت آنحضرتؐ کی عمر بارہ سال سے زیادہ نہ تھی بلکہ ایک قول کے مطابق نو سال تھی۔ (۱) اور ابوبکر پیارے نبیؐ سے مختلف اقوال کے لحاظ سے دو سال سے زیادہ چھوٹے تھے اور بلال ابوبکر سے بھی چند سال چھوٹے تھے۔ مختلف اقوال کی بنا پر یہ مدت پانچ سال سے لے کر دس سال تک ہے۔ (۲)

اس بنا پر کیا ابوبکر کے لئے ممکن ہے کہ وہ اس کم سنی میں شام کا سفر کرے اور پھر اس قسم کے اہم ترین مسائل ان کے سپرد کیے جا سکیں۔

اور کیا یہ بات قابل قبول ہو سکتی ہے کہ بلال ایک شیرخوار جس نے ابھی چلنا بھی نہ سیکھا ہو یا پیدا ہی نہ ہوا ہو وہ ابوبکر کے ساتھ شام کا طولانی سفر کرے اور پھر حضور اکرمؐ کو بصری سے واپس مکہ لانے کی ذمہ داری بھی قبول کرے جبکہ رسول اکرمؐ اس سے چند سال بڑے بھی تھے؟

۲۔ ابوبکر اور بلال کا آپس میں کیا تعلق بنتا ہے کہ ابوبکر اسے یہ حکم دیں؟ جبکہ بلال ابوبکر کے غلام نہیں تھے بلکہ وہ تو امیہ بن خلف کے غلام تھے اور جیساکہ کہا جاتا ہے ابوبکر نے اس واقعے کے تیس سال بعد بلال کو اس سے خریدا۔ (۳)

۱۔ طبری ج۲ ص ۳۳، البدایۃ والنہایۃ ج۲ ص ۲۸۶، سیرۃ الحلبیۃ ج۱ ص ۱۲۰ اور کہا گیا ہے کہ صاحب کتاب الھدی کے مصنف نے اس قول کو ترجیح دی۔

۲۔ ابن حبان اور الاصابۃ ج ۱ ص ۱۶۵ میں ابی نعیم سے ذکر کرتا ہے کہ بلال، ابوبکر کے ہم عمر تھے اور مشہور یہ ہے کہ وہ خود بلال سے چند سال بڑے تھے۔ اسی طرح سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۱۲۰ کی طرف رجوع کیا جائے۔

۳۔ اس کی طرف حافظ دمیاطی نے تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۵۹ میں بحوالہ حیاۃ الحیوان اشارہ کیا ہے۔ اسی طرح سیرۃ مغلطای ص ۱۱ پر بھی اس جملے کے اضافہ کے ساتھ "بایعوہ علی ای شیئی"۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

البتہ یہ بات اس وقت درست ہے جب ہم یہ نہ کہیں کہ نبی اکرمؐ نے بلال کو خریدا اور پھر آزاد کیا تھا اور وہ کبھی بھی ابوبکر کی غلامی میں نہیں رہے تھے۔ اس کا ذکر آئندہ صفحات میں کیا جائے گا انشاء اللہ سبحانہ و تعالیٰ۔

۳۔ اس حدیث کی نادرستی کی تیسری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی ابو موسیٰ ہیں وہ اس وقت تک دنیا میں ہی نہ آئے تھے کیونکہ مؤرخین کہتے ہیں کہ ابو موسیٰ آٹھ یا دس سال قبل از بعثت پیدا ہوئے تھے اور انھوں نے سات ہجری میں جنگ خیبر کے سال میں مدینے کی طرف ہجرت کی۔ جبکہ یہ واقعہ تقریباً بعثت سے تیس سال پہلے وقوع پذیر ہوا۔ ان سب باتوں کے علاوہ ذہبی اس حدیث کے بارے میں کہتا ہے کہ میرا گمان ہے کہ یہ حدیث جعلی اور اپنے مدلول کے کچھ حصے کی وجہ سے باطل ہے۔ (۱)

شاید مندرجہ بالا تمام باتوں یا ان میں سے بعض باتوں کے پیش نظر ترمذی نے اس حدیث کو غریب (نامانوس) شمار کیا ہے اور ابن کثیر، دمیاطی اور مغلطای نے اس میں شک و تردید کا اظہار کیا ہے۔

حدیث گھڑنے کی وجہ

اس حدیث کو جعل کرنے کی وجہ ابوبکر کا نبی اکرمؐ کی نبوت پر ایمان کو بعثت سے پہلے ثابت کرنا ہے تاکہ ایمان لانے میں سب لوگوں پر ان کی سبقت ثابت کی جائے۔ یہاں تک کہ حضرت علیؑ اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا پر ان کی فضیلت ثابت کی جائے بلکہ ان معنوں میں تو خود رسول اکرمؐ پر بھی ان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

نووی کہتا ہے کہ "ابوبکر نے بیس سال کی عمر میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور

۱۔ تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۵۹ اور سیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۱۲۰۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعض کے بقول پندرہ سال کی عمر میں"۔ (۱)

صفوری شافعی کہتا ہے کہ "ابوبکر حضرت علیؑ کی ولادت سے پہلے اسلام لائے"۔ (۲)

دیار بکری بحیرا کے واقعے کے بارے میں ابن عباس سے ایک روایت نقل کرتے ہوئے اس کے آخر میں یوں ذکر کرتا ہے کہ "محمدؐ کے رسالت پر مبعوث ہونے سے پہلے ابوبکر کے دل میں آپؐ کی نبوت پر یقین اور ایمان پیدا ہوگیا تھا"۔ (۳)

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انھوں نے اس واقعے میں شریک بحیرا، بلال، حارث اور دوسرے افراد کو اسلام قبول کرنے میں سبقت لے جانے والوں میں کیوں شمار نہیں کیا اور یہ کہ ان سے پہلے کس نے ابوبکر کے دل میں اسلام کی خبر دی ہے؟

بحیرا کے واقعہ میں چند اشارے

واقعہ بحیرا میں قابل ذکر اور بحث طلب نکات بہت زیادہ ہیں لیکن ان سب کو یہاں بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے اور ان کے ذکر کرنے میں ہمیں کوئی زیادہ فائدہ بھی نظر نہیں آتا۔

گذشتہ گفتگو سے بعض روایات کی صحت اور درستی کا اندازہ ہو جاتا ہے جو یہ کہتی ہیں کہ ابوبکر یا آپؐ کے چچا حارث رسول اللہ کے پاس گئے، آپؐ کو گود میں اٹھایا اور دوسروں کے ساتھ بحیرا کے دسترخوان پر آپؐ کو بٹھا دیا اور ابن محدث اس بات کو ترجیح دیتا ہے کہ رسول اکرمؐ کو لانے والا ابوبکر تھا نہ کہ آپؐ کے چچا۔ (۴)

۱۔ الغدیر ج ۷ ص ۲۴۷

۲۔ نزھۃ المجالس ج ۲ ص ۱۴۷

۳۔ تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۶۱

۴۔ السیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۱۱۹ اور السیرۃ النبویۃ لدحلان ج ۱ ص ۴۸

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

گویا ابن محدث اس بات کو نہیں جانتا کہ ابوبکر سرے سے اس سفر میں تھے ہی نہیں۔ جیساکہ دمیاطی اور مغلطای نے بھی بات صراحت سے ذکر کی ہے۔ (۱) اور اگر بالفرض وہ سفر میں موجود بھی تھے تو بھی عمر کے لحاظ سے آنحضرتؐ سے چھوٹے تھے جیساکہ ہم نے بیان کیا ہے۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس واقعے سے مربوط بعض روایات کے راوی اس میں متردد ہیں کہ آنحضرتؐ کا شام کی طرف یہ سفر حضرت ابوطالبؑ کے ساتھ تھا یا آپؐ کے دادا حضرت عبدالمطلبؑ کے ہمراہ۔ (۲)

اس صورت میں مذکورہ روایت جو یہ کہتی ہے کہ یہ سفر ابوبکر اور بلال کے ساتھ تھا مزید مورد اعتراض واقع ہوتی ہے اور اس کی نارسائی مزید واضح ہو جاتی ہے کیونکہ جب حضرت عبدالمطلب کی وفات ہوئی تو اس وقت نبی اکرمؐ کی عمر مبارک آٹھ سال تھی جیساکہ گزر چکا ہے۔

بہرحال حقیقت یہ ہے کہ مکے کی طرف واپسی کے سفر میں آنحضرتؐ کے ساتھ صرف آپؐ کے چچا حضرت ابوطالبؑ تھے۔ (۳) (جیساکہ ذکر ہوچکا ہے) آپؐ کے ہمراہ ابوبکر تھے نہ کوئی اور۔

رسول اکرمؐ نے تجارت کی غرض سے شام کا ایک اور سفر بھی اختیار کیا جس کا ذکر ہم بہت جلد کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

۱۔ سیرۃ مغلطای ص ۱۱، تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۵۹ حافظ دمیاطی

۲۔ طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۲۰ طبع صادر اور ج ۱ قسم ۱ ص ۷۶ طبع لیدن اور البدایۃ و النہایۃ ج ۲ ص ۲۸۶

۳۔ الحافظ عبدالرزاق کی کتاب المصنف ج ۵ ص ۳۱۸ اور سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۴

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضور اکرمؐ کی جنگ فجار میں شرکت

مورخین لکھتے ہیں کہ حرام مہینوں (یعنی ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم الحرام اور رجب المرجب) میں قبیلہ قیس اور قریش و کنانہ کے درمیان ایک جنگ ہوئی۔ اسی وجہ سے اس کا نام جنگ فجار (یعنی بہت بڑا گناہ) رکھا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے بھی کچھ دن عملی طور پر اس جنگ میں شرکت کی۔

ہمارے نزدیک یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ مندرجہ ذیل دلائل کی بنا پر اس میں بہت زیادہ شکوک و شبہات پائے جاتے ہیں:

۱۔ جنگ فجار حرام مہینوں میں سے ماہ رجب میں لڑی گئی اور ہم کہیں بھی نہیں دیکھتے کہ حضرت ابوطالب اور رسول خداؐ نے ان مہینوں کی حرمت کو پامال کیا ہو۔ جیساکہ ان دو حضرات کی سیرت اور زندگی کا مطالعہ کرنے والے شخص پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ دونوں ہستیاں ایسے کاموں میں ملوث نہیں تھیں بلکہ ان سے سختی سے اجتناب کرتی تھیں۔ آپ دونوں دین حنیف پر قائم تھے بلکہ کافی کی بعض روایات یہ بتاتی ہیں کہ انبیاء کی وصیتیں امانت کی شکل میں حضرت ابوطالبؑ کے پاس تھیں۔ الغدیر اور اس طرح کی دوسری کتب جن میں حضرت ابوطالبؑ کا ذکر کیا گیا ہے، میں ان کی عظمت اور دین میں ثابت قدمی پر اور بھی بہت سے دلائل موجود ہیں۔

ہاں اسکی یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ جنگ فجار غیر حرام مہینوں میں لڑی گئی یا یہ کہ اس کے اسباب حرام مہینوں میں وجود میں پیش آئے جبکہ یہ خود شعبان یا شوال میں لڑی گئی۔ (۱) لیکن یہ تاویل ناقابل اعتماد ہے اور تاریخی لحاظ سے اسکی کوئی سند بھی نہیں ہے۔

۱۔ سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۱۲۸ کی طرف رجوع کریں۔ اس میں ہے کہ جنگ فجار کے اسباب حرام مہینوں میں فراہم ہوگئے تھے لیکن خود جنگ شعبان میں لڑی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۔ ابن واضح المعروف یعقوبی کہتے ہیں: روایت ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے سب بنی ہاشم کو اس (یعنی جنگ فجار) میں شرکت کرنے سے منع کیا اور کہا کہ یہ ظلم و تعدی، قطع رحم اور حرام مہینوں کو حلال قرار دینا ہے۔ میں اور میرے خاندان میں سے کوئی اس میں شریک نہ ہوگا۔ لیکن زبیر بن عبدالمطلب مجبور ہو کر اس میں شریک ہوا نیز عبد اللہ بن جدعان تیمی اور حرب بن امیہ نے کہا کہ جس کام میں بنی ہاشم شریک نہیں ہوں گے ہم بھی اس میں شرکت نہیں کریں گے۔ (۱)

۳۔ اس جنگ میں آنحضرتؐ کی شرکت سے مربوط روایات میں آپؐ کے جنگ میں کردار کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض روایات یہ بیان کرتی ہیں کہ رسول اکرمؐ کا کام فقط اپنے چچوں کو تیر دینا تھا۔ آپؐ دشمن کے تیر جمع کر کے انھیں دیتے اور ان کے سامان کی حفاظت کرتے تھے۔ (۲)

کچھ اور روایات بتاتی ہیں کہ آپؐ نے چند تیر چلائے اور آپؐ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ آپؐ ایک تیر بھی نہ چلائیں۔ (۳)

روایات کی تیسری قسم یہ کہتی ہے کہ آپؐ نے نیزے کے ساتھ ابو براء کو گھوڑے سے گرایا۔ یہ شخص مسخرہ تھا۔ آنحضرتؐ کی عمر اس وقت چودہ سال کی تھی (۴) یا آپؐ بالکل

گئی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسے پھر جنگ فجار کا نام کیوں دیا گیا؟ اس اضافے کے ساتھ کہ جنگ کی تاریخ کے حوالے سے یعقوبی صراحت کے ساتھ ماہ رجب میں جنگ کے وقوع پذیر ہونے پر زور دیتا ہے۔

۱۔ تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۵ طبع صادر

۲۔ سیرۃ ابن ھشام ج ۱ ص ۱۹۸ اور تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۵۹

۳۔ السیرۃ النبویۃ لدحلان ج ۱ ص ۵۱ اور السیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۱۲۷

۴۔ مندرجہ بالا حوالے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نوجوان تھے (۱) اور ہم نہیں جانتے کہ کیا عرب ایک نوجوان کو معرکہ جنگ میں وارد ہونے کی اجازت دیتے تھے یا نہیں۔

بلکہ بعض افراد سے اس بارے میں متضاد باتیں نقل ہوئی ہیں پس جب یہ کہا جاتا ہے کہ رسول اکرمؐ کی ولادت عام الفیل میں ہوئی اور جنگ فجار میں آپؐ نے چودہ سال کی عمر میں شرکت کی اور پھر آخر میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ جنگ فجار عام الفیل کے بیس سال بعد وقوع پذیر ہوئی تو ان بیانات سے ایک تضاد سامنے آتا ہے۔ (۲)

یہاں پر ایک اور تضاد بیان کیا جاتا ہے جو یعقوبی کے کلام کے دوسرے حصے سے ظاہر ہوتا ہے کہ حرب بن امیہ نے اس جنگ میں حصہ نہیں لیا حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دوسری روایات انکی موجودگی پر اور وہ بھی قریش اور کنانہ کی قیادت کی صورت میں دلالت کرتی ہیں۔ علاوہ ازیں اور بھی اعتراضات ہیں لیکن یہاں انہیں بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

جعلی روایات کا کھیل

آخری تضاد ایک قابل توجہ نکتہ ہے کیونکہ اگر مذکورہ اختلاف لشکر کے کسی عام شخص کے بارے میں ہوتا تو ممکن تھا کہ بعض لوگ اسے جنگ میں حاضر سمجھتے اور بعض غائب جانتے اور اس کے لئے تاویلیں بھی کی جاسکتی تھیں اور چہ بسا یہ کہا جاتا کہ اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔

لیکن یہاں اختلاف کی یہ صورت ہے کہ ایک کہتا ہے کہ وہ جنگ میں موجود اور لشکر کا سردار تھا جبکہ دوسرا کہتا ہے کہ وہ بالکل جنگ میں موجود ہی نہیں تھا۔ ایسے مورد میں اس کے علاوہ کوئی اور نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا یہاں فقط جھوٹ باندھا گیا ہے۔

۱۔ تاریخ الیعقوبی ج ۲ ص ۱۶ طبع صادر

۲۔ تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۵۹ اور سیرۃ ابن ھشام ج ۱ ص ۱۹۵ اور ۱۹۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شاید اس کا مقصد حرب ابن امیہ کو ایسی جنگ سے دور رکھنا ہو جس میں ظلم و ستم ہو، قطع رحم ہو اور جو حرام مہینوں میں لڑی گئی ہو، اگرچہ یہ بات تمام مورخین کے اقوال کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ حرب ابن امیہ ایک ایسا شخص تھا جس کی فضیلت اور عظمت ظاہر کرنے کے لئے (بنی امیہ کی) حکومت کوشاں رہتی تھی خواہ وہ جھوٹ اور افتراء کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو۔

لیکن آنحضرتؐ کے بارے میں ایسی باتوں کے پیچھے ایک سازش کار فرما تھی جس کا مقصد اس چیز کے برعکس تھا جو حرب بن امیّہ کے بارے میں جھوٹ گھڑنے میں پیش نظر تھی۔ اس وجہ سے یہ ملاحظہ کیا جاتا ہے کہ ان کی کوشش یہ ظاہر کرنے پر مرکوز تھی کہ رسول اکرمؐ نے جنگ فجار میں شمولیت اختیار کی اور اس پر خوش تھے جبکہ یہ جنگ حرمت والے مہینوں میں لڑی گئی اور اس میں ظلم و ستم اور قطع رحم روا رکھا گیا اور حرام مہینوں کی حرمت پامال کی گئی۔ بلکہ یہاں تک کہا جاتا ہے کہ آپؐ نے کچھ تیر بھی چلائے اور آپؐ اس بات پر راضی نہ تھے کہ آپ ایک تیر بھی نہ چلائیں۔

حلف الفضول (۱)

قریش کے جنگ فجار سے دستبردار ہونے کے بعد زبیر بن عبدالمطلب (۲) نے لوگوں کو ایک معاہدے کی دعوت دی جسے حلف الفضول کہا جاتا ہے۔ اس کے لئے عبداللہ بن جدعان کے گھر میں ایک اجلاس منعقد ہوا۔ تمام شرکاء جلسہ نے اپنے ہاتھ آب زمزم میں

۱۔ ایسے معاہدے کو "حلف الفضول" کہے جانے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس میں شریک متعدد افراد کا نام "فضل" تھا۔ (مترجم)

۲۔ اور یہ زبیر بن عوام کے علاوہ ہے جس نے جمل میں حضرت علیؑ کے خلاف جنگ کی اور مارا گیا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ڈال کر مظلوموں کی حمایت، معاشی امور میں باہمی امداد اور نہی عن المنکر کرنے کی قسم اٹھائی اور عہد کیا۔ یہ بہترین عہد و پیمان تھا۔

اس معاہدے میں شریک افراد میں بنی ہاشم، بنی مطلب، بنی اسد بن عبد العزیٰ زھرۃ اور تیم شامل تھے۔ (۱)

اس عہد و پیمان میں رسول اکرمؐ بھی شریک تھے اور آپؐ نے نبوت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد اس کی تائید اور تعریف فرمائی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "میں پسند نہیں کرتا کہ حلف الفضول میں شرکت کا کسی اور چیز سے معاوضہ لوں حتیٰ کہ سرخ بالوں والے اونٹ بھی نہیں لوں گا اگر اب بھی اس کے لئے مجھے بلایا جائے تو میں اس دعوت کو قبول کروں گا"۔ یا آپؐ نے اس سے ملتی جلتی کوئی بات کی۔ (۲)

حلف کا سبب

اس حلف کا موجب قبیلہ زبید کے ایک شخص کا واقعہ ہے۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ مذکورہ شخص مکے میں اپنا مال لے کر آتا ہے، وہ مال اس سے عاص بن وائل خرید لیتا ہے لیکن اس کا معاوضہ ادا نہیں کرتا ہے۔ زبیدی نے حلیفوں سے مدد طلب کی جو خون چاٹنے

۱۔ شرح نہج البلاغہ معتزلی ج۱۴ ص ۱۲۹ اور نسب قریش مصعب ص ۳۸۴، اس نے دونوں قسموں کی تشریح کی ہے ایک پیمان احلاف خون چاٹنے والوں کے لئے اور دوسرا حلف مطیبین اور بدایہ و نہایہ ج ۲ ص ۲۹۳۔

۲۔ اعیان الشیعہ ج ۲ ص ۱۳، سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۴۲، بدایۃ و نہایۃ ج ۲ ص ۲۹۳ اور ۲۹۱، تاریخ خمیس ج ۱ ص ۲۶۱، سیرۃ حلبیہ ج ۱ ص ۱۳۱ اور سیرۃ نبویۃ دحلان ج ۱ ص ۵۳۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

والوں کے نام سے مشہور تھے کیونکہ انہوں نے حلف اٹھاتے وقت مطیبین کے برخلاف جن کا ذکر گزر چکا اپنے ہاتھ خون میں ڈبوئے تھے جن کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا تھا۔ احلاف یہ تھے بنی عبد الدار، بنی مخزوم، بنی جمح، بنی سہم اور بنی عدی بن کعب ...

حلیفوں نے زبیدی کی مدد کرنے سے انکار کر دیا اور اسے اپنے سے دور کر دیا جب زبیدی نے یہ صورت حال دیکھی تو ابوقبیس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گیا اور اس نے فریاد بلند کی یہ منظر دیکھ کر زبیر بن عبدالمطلب سخت متاثر ہوا اور اس نے چند افراد کو مذکورہ پیمان کی دعوت دی۔ آخرکار یہ عہد و پیمان باندھا گیا اس کے بعد ان لوگوں نے عاص کی خبر لی اور اس سے زبیدی کا مال لے کر اس کے حوالے کیا۔ (۱)

بنو امیہ اور حلف الفضول

اس پیمان کے وقت بنوامیہ کی موجودگی کے بارے میں ابوہریرہ نے جو کچھ کہا اس کا کسی اور نے کوئی تذکرہ نہیں کیا بلکہ بہت سے مؤرخین نے اسکی بات کو رد کیا ہے (۲) اسی طرح بعض افراد کا یہ بھی قول ہے کہ اس عہد و پیمان کی دعوت دینے والے ابوسفیان اور عباس بن عبدالمطلب تھے، (۳) یہ بات درج ذیل دلائل کی روشنی میں قابل قبول نہیں ہے۔

۱۔ البدایة و النہایة ج ۲ ص ۲۹۱ اور ۲۹۲، السیرة الحلبیة ج ۱ ص ۱۳۲، السیرة النبویة دحلان ج ۱ ص ۵۳۔

۲۔ البدایة و النہایة ج ۲ ص ۲۹۱، السیرة الحلبیة ج ۱ ص ۱۳۱، دحلان کی السیرة النبویة ج ۱ ص ۵۳ اور بیہقی کی السنن الکبری۔

۳۔ السیرة الحلبیة ج ۱ ص ۱۳۲ اور دحلان کی سیرة النبویة ج ۱ ص ۵۳ جیساکہ اس عہد و پیمان کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے اس وقت عباس کی عمر اٹھارہ سال تھی لہذا وہ اس قسم کی دعوت دینے کی پوزیشن میں تھے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اول: یہ عہد و پیمان امویوں کے خلاف تھا اس کا سبب عمرو عاص کا باپ عاص بن وائل بھی تھا جو امویوں کا حلیف تھا لہذا ابوسفیان کی اس میں شرکت معقول نہیں ہے چہ جائیکہ وہ اس کی دعوت دینے والا ہو۔

دوم: کہا گیا ہے کہ محمد بن جبیر بن معطم، عبداللہ بن زبیر کے قتل کے وقت عبدالملک کے پاس پہنچا۔ عبدالملک نے اسے کہا اے ابو سعید! کیا ہم اور آپ یعنی عبد شمس بن عبد مناف اور بنی نوفل بن عبد مناف حلف الفضول میں شریک نہیں تھے؟ اس نے جواب دیا تم بہتر جانتے ہو۔ عبدالملک نے کہا اے ابو سعید! مجھے حقیقت حال سے آگاہ کرو۔ اس وقت ابو سعید نے کہا "خدا کی قسم ہم اور آپ اس سے خارج ہیں"۔ عبدالملک نے اس کی تصدیق کی۔ ابن ابی الحدید معتزلی نے ابن جبیر کے جواب کو اس اضافے کے ساتھ ذکر کیا ہے "ہم نے اور آپ نے جاہلیت اور اسلام کے ادوار میں ہمیشہ ایک دوسرے کا ساتھ دیا ہے اور اکٹھے رہے ہیں"۔ (۱)

سوم: درج ذیل واقعات سے مجموعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنی امیہ اس حلف الفضول میں شریک نہیں تھے اور اسلام نے اس پیمان کا اعتراف کیا اور اسے قبول کیا ہے۔

الف: امام حسینؑ اور ولید بن عتبہ اموی جو اپنے چچا معاویہ کی طرف سے مدینے کا حاکم تھا، کے درمیان ایک مال پر تنازع پیدا ہوگیا، یہ مال امام حسینؑ کا تھا گویا کہ ولید نے اپنی طاقت و قدرت سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے امام حسینؑ کا حق غصب کر لیا تھا۔ امام حسینؑ نے کہا خدا کی قسم یا تم میرا حق انصاف کے تقاضے پورے کرتے ہوئے یا میرے حوالے کر دوگے یا پھر میں تلوار لیکر مسجد النبیؐ میں قیام کرونگا اور لوگوں کو حلف الفضول کی دعوت دونگا۔ لوگوں کی ایک جماعت نے امام حسینؑ کی آواز پر لبیک کہا ان میں قبیلہ اسد بن

۱۔ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۴۴ اور شرح نہج البلاغہ معتزلی ج ۱۵ ص ۲۲۶ میں زبیر بن بکار سے منقول ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عبدالعزیٰ کے عبداللہ بن زبیر، مسور بن مخرمۃ الزہری اور عبدالرحمن بن عثمان تیمی شامل تھے۔ جب یہ خبر ولید تک پہنچی تو اس نے امام حسینؑ کا حق لوٹا دیا اور انھیں راضی کیا۔ (۱)

ب: ہلال عسکری کی تصریح کے مطابق "امام حسینؑ اور معاویہ کے درمیان زمین کے ایک ٹکڑے پر جو امام حسینؑ کی ملکیت تھا تلخ کلامی ہوگئی۔ امام حسینؑ نے ابن زبیر سے کہا کہ اسے تین کاموں میں سے ایک کا اختیار ہے ورنہ چوتھی فیصلہ کرنے والی چیز تلوار ہے اور وہ تین کام یہ ہیں یا تو وہ مجھے یا ابن عمر کو میرے اور اس کے درمیان ثالث بنائے یا وہ میرے حق کا اقرار کرے اور پھر مجھ سے اس زمین کی درخواست کرے یا پھر مجھ سے خرید لے اور اگر وہ پس و پیش سے کام لے تو مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے میں ضرور حلف الفضول کی بنیاد پر اپنے حلیفوں کو پکاروں گا۔ (۲)

ج: ابو الفرج نے ایک روایت نقل کی ہے جس کے آخر میں یہ ذکر ہے کہ جب معاویہ نے امام حسن مجتبیٰؑ پر اپنی برہمی کا اظہار کیا کیونکہ وہ مدینے میں موجود ہونے کے باوجود معاویہ سے ملنے نہیں آئے تھے تو اس وقت ابن زبیر نے اسے امام حسنؑ کے قتل پر اکسایا لیکن معاویہ نے اس کی بات کو ٹھکرا دیا۔ پھر ابن زبیر نے یہ کہا کہ "خبردار رہو خدا کی قسم میں اور وہ حلف الفضول میں تمہارے خلاف متحد ہوں گے"۔ معاویہ نے جواب دیا، تو کون ہے؟ "خدا کی قسم مجھے تجھ سے سروکار ہے نہ حلف الفضول سے" (۳) یہ نصوص اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آئمہؑ نے رسول اللہؐ کی پیروی کرتے ہوئے حلف الفضول کو

۱۔ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۴۲، سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۱۳۲، کامل ابن اثیر (طبع صادر) ج ۲ ص ۴۲، بدایۃ و نہایۃ ج ۲ ص ۲۹۳، دحلان کی سیرۃ النبویہ ج ۱ ص ۵۳ (سیرۃ حافظ دمیاطی کے حوالے سے) اور انساب الاشراف ج ۲ ص ۱۴۔

۲۔ الأوائل ج ۱ ص ۶۳ اور ۶۴

۳۔ الاغانی ج ۸ ص ۱۰۸ طبع ساسی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قبول کیا اور اسکی تائید کی، جیساکہ پہلے ذکر ہوا۔ اسی طرح یہ اسناد خصوصاً آخری روایت اس امر پر بھی گواہی دیتی ہیں کہ معاویہ اور اسکا خاندان حلف الفضول میں شریک نہیں تھا کیونکہ ابن زبیر اسے حلف الفضول کی دھمکی دیتا اور اسی طرح امام حسینؑ کا اس حلف کیلئے پکارنا اور زبیریوں اور دیگر افراد کا امویوں کے خلاف جمع ہوجانا بھی اسی بات کو ثابت کرتا ہے۔

اس گذشتہ گفتگو سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ ابو ہریرہ اور اس جیسے دوسرے افراد اپنے ظالم آقاؤں کی خوشنودی اور قرب حاصل کرنے کے لئے جس بات کو ثابت کرنا چاہتے تھے وہ ایک ایسی بات ہے جس کی تکذیب تاریخی وقائع اور مورخین کے اقوال سے ہوتی ہے۔

لیکن ابو ہریرہ کی یہ بڑی خواہش تھی کہ بنوامیہ ایسی فضیلت سے محروم نہ رہیں، اس خواہش نے اسے مجبور کیا کہ وہ عربوں کے بہترین پیمان میں امویوں کو شریک کرے وہ پیمان جسکی اسلام اور شریعت نے تائید کی ہے اور وہ فطرت اور عقل سلیم سے بھی ہم آہنگ ہے۔

قابل توجہ نکتہ: آخر میں ہم یہ ملاحظہ کرتے ہیں کہ بعض افراد رسول اکرمؐ سے ایسی باتیں نقل کرتے ہیں جو جاہلیت کے پیمانوں سے متمسک رہنے کو ضروری قرار دیتی ہیں (۱) اس کے پیچھے کوئی غرض کارفرما ہے اور یہ خبیث حرکت ہے۔ ہاں اگر ایسی روایتوں کا مورد نظر حلف الفضول ہو تو درست ہے کیونکہ اسلام نے اس کی تائید کی ہے۔ یا ان کے پیش نظر ایسا پیمان ہو جو اسلام کے مقاصد سے ہم آہنگ ہو تو بھی صحیح ہے مثلاً حضرت عبدالمطلب کا بنی خزاعہ سے پیمان اور جب قریش نے بنی خزاعہ کے افراد کو قتل کیا تو انہوں نے اسی پیمان کی بنیاد پر آنحضرتؐ سے مدد طلب کی تھی۔ اور جیساکہ ہم اشارہ کریں گے فتح مکہ کا واقعہ اسی وجہ سے وقوع پذیر ہوا۔

۱۔ حافظ عبدالرزاق کی کتاب المصنف ج۱۰ ص ۳۰۶ و ۳۶۰ اور اسکے مسلم اور ترمذی کے حاشیہ کی ج۴ ص ۱۳۶ طبع مکتبۃ الاسلامیۃ اور اسی طرح سعید بن منصور اور فتح الباری ج۸ ص ۱۶۳ اور الدارمی کے حوالے سے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حلف الفضول کے بارے میں چند اہم نکات

۱۔ امام حسینؑ اس وقت کے حالات اور نفسیاتی کیفیات کی بنیاد پر یہ جانتے تھے کہ ان کی دعوت کا بہت بڑا فائدہ حاصل نہیں ہوگا لیکن انہوں نے حلف الفضول کے لئے لوگوں کو پکارا اس سے آپؑ کا ہدف یہ تھا کہ لوگ بنی امیہؑ کی حقیقت کو پہچان لیں اور وہ جان لیں کہ یہ ایک ظالم اور ستمگر خاندان ہے اور ان کا مطلوب صرف دنیا ہے۔ اور لوگوں کو یہ بھی معلوم ہوجائے کہ خاندان ہاشم اور اہل بیتؑ مظلوموں کے حامی اور حق کی حمایت کرنے والے ہیں۔ معاویہ اس بات سے ڈر گیا اور وہ امام حسینؑ کے آگے جھک گیا اور حق، اہل حق کو واپس کر دیا۔ یہ بات ہم نے ایک محقق کے حوالے سے بیان کی ہے۔ (۱)

علاوہ ازیں حلف الفضول کی طرف دعوت ایسے حالات میں دی گئی جب اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا اور اس مفسد ٹولے کی نابودی کے لئے عوامی تحریک چلانے اور عوام کے ذریعے سے انقلاب لانے کا بھی موقع نہیں تھا کیونکہ اس موقع پر اور ان حالات میں عوامی تحریک چلانے کی صورت میں امام حسینؑ مورد الزام ٹھہرائے جاتے اور ان کے اس اقدام کی یہ تفسیر کی جاتی کہ وہ ذاتی مفادات کے حصول کے لئے ایسا کر رہے ہیں اور اس کا دین اور امت کے دفاع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

لہذا اس دلیل کی بنا پر ایسے حالات اور صورت حال میں اگر امام حسینؑ شہید ہوتے تو آپؑ کی شہادت سے دین اور امت کو کوئی خاص فائدہ نہ ہوتا بلکہ فائدے کی بجائے نقصان کا اندیشہ زیادہ تھا کیونکہ معاویہ بہت عیار تھا وہ اس کے بعد اپنے گمراہ کن پروپیگنڈے کے ذریعے امت کی امیدوں کو آئمہ علیہم السلام سے قطع کر دیتا اور مسلمانوں کو روحانی اور فکری لحاظ سے اہل بیتؑ اور آئمہؑ سے خصوصاً دور کر دیتا اور ان کے درمیان فاصلے ایجاد کر دیتا۔

۱۔ وہ عظیم محقق سید مہدی روحانی ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس کی دلیل یہ ہے کہ جن حالات سے گزر کر معاویہ اقتدار تک پہنچا تھا ان سے اگرچہ اہل عراق اور اہل حجاز کی اکثریت واقف تھی لیکن اہل شام اس سے بے خبر تھے کیونکہ وہ صرف سفیانی اسلام سے آشنا تھے وہ اسلام جس کا مطمع نظر ذاتی اغراض و مقاصد اور مفادات کا حصول تھا اور جو ذاتی اہداف تک پہنچنے کے لئے ہر چیز کو حلال سمجھتا تھا۔

شامیوں کی صحیح اسلامی خطوط پر تربیت نہیں ہوئی تھی۔ وہ علیؑ اور اہلبیتؑ کی حقیقت سے نا آگاہ تھے انہیں علیؑ کے اسلام، علیؑ کے اصولوں اور اہداف کا ادراک نہیں تھا جبکہ دوسری طرف اموی اپنے آپ کو رسول اللہ (ص) کے رشتہ دار اور اہل بیت ظاہر کرتے تھے۔ نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ان کے روساء اور بزرگوں میں سے دس اشخاص نے یہ دعویٰ کیا کہ ہم بنی امیہ کے علاوہ کسی اور کو نبی اکرمؐ کے اہلبیت کے طور پر نہیں جانتے (۱) بلکہ معاویہ تو اس حد تک گستاخی پہ اتر آیا تھا کہ وہ اہل شام سے کہتا تھا کہ علیؑ تو نماز بھی نہیں پڑھتے۔ (۲)

اس صورت حال میں اور اپنی ان خصوصیات کی وجہ سے اہل شام واقعات کی اصل

۱۔ مقریزی کی کتاب النزاع و التخاصم ص ۲۸، معتزلی کی شرح نہج البلاغہ ج ۷ ص ۱۵۹، مروج الذہب ج ۳ ص ۳۳ اور ان کے رسول اللہ کی قرابت کی بنا پر دعویٰ خلافت کے لئے، العقد الفرید ج ۲ ص ۱۲۰ طبع دار الکتاب العربی کی طرف رجوع کیا جائے۔ اسی طرح مؤلف کی کتاب حیاۃ الامام الرضا السیاسیۃ کے صفحات ۵۴ اور ۵۵ کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ الفتوح از ابن اعثم ج ۳ ص ۱۹۶، نصر بن مزاحم کی کتاب وقعۃ صفین ص ۳۵۴، ابن ابی الحدید کی شرح نہج البلاغہ ج ۸، ص ۳۶، ابن اثیر کی الکامل ج ۳ ص ۳۱۳، تاریخ طبری ج ۳ ص ۳۰ اور الغدیر ج ۹ ص ۱۲۲ بعض قدیمی کتابوں کے حوالے سے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے تھے بلکہ معاویہ اپنی مکروہ شیطنیت کے بل بوتے پر غیر اہل شام کے لئے بھی حقائق کو پوشیدہ رکھ سکتا تھا۔ معاویہ عمر بن خطاب کی طرف سے شام کا گورنر مقرر کیا گیا تھا۔ عرب حضرت عمر کے ارادت مند اور محب تھے کیونکہ انھوں نے عربوں کے غرور کو جلا بخشی، بیت المال کی تقسیم اور دیگر امور میں عربوں کو دیگر اقوام پر ترجیح دے کر انھوں نے عربوں کی شخصیت اور حیثیت کو بلند کیا۔ یہ وہی عرب تھے جن کی کل تک کوئی اہمیت نہیں تھی وہ خشک و بیابان صحراء میں سرگرداں تھے۔ نامطلوب غذا کھاتے اور گدلا پانی پیتے تھے اور دوسری گھٹیا خصوصیات کے حامل تھے جن کا پہلی فصل میں ذکر کیا گیا ہے۔

جب اسلام آیا تو اس نے انھیں دوسروں کے برابر سمجھا اور ان کے عزت و وقار کو بلند کیا اور عزت و بزرگی کا معیار تقویٰ کو قرار دیا۔ لیکن حضرت عمر بن خطاب کی سیاست کا تقاضا یہ تھا کہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں میں ہر قسم کے امتیازات کو صرف عربوں کے لئے مخصوص کرے اور غیر عربوں کو ہر چیز سے محروم کرے اسی وجہ سے عرب انھیں بہت چاہتے تھے اور ان کا حد سے زیادہ احترام کرتے تھے ان کا کردار اور گفتار ان کے لئے ایک قانون کی حیثیت رکھتا تھا جس کی مخالفت کرنا ہرگز ممکن نہیں تھا اور نہ ہی اس کے خلاف کوئی اقدام کیا جا سکتا تھا۔ اس بارے میں اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ جس شخص کو بھی کسی علاقے کا حاکم بناتے تھے اس سے اس شخص کی عزت و وقار میں اضافہ ہوتا تھا اور اسے ایک خاص مقام حاصل ہو جاتا تھا جیساکہ ابن حیان نے اپنی کتاب الثقات ج ۲ ص ۲۹۵ میں نقل کیا ہے۔ لیکن اس کے برعکس حضرت علیؑ جو بنی اسماعیل کی بنی اسحاق پر کسی قسم کی برتری کے قائل نہیں تھے (۱)۔ "شریح" کو قاضی کے منصب سے معزول نہ کر سکے کیونکہ اسے حضرت عمر نے قاضی مقرر کیا تھا اسی طرح فوج کو نماز تراویح پڑھنے سے روکنے میں کامیاب

۱۔ سنن البیہقی ج ٦ ص ۳۴۹ اور الغدیر ج ۸ ص ۲۴۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نہیں ہوسکے تھے کیونکہ حضرت عمر نے اس کا حکم دیا تھا بلکہ لوگ علیؑ کے سامنے شور مچاتے تھے کہ ہم حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی سنت چاہتے ہیں۔ (۱) جس کو حضرت عمر حاکم بناتا وہ لوگوں کے درمیان مقام و عظمت کا حامل بن جاتا اور اسی پر ان کو اعتماد ہوتا۔ ان کے علاوہ ایسے اور بہت سے شواہد ہیں جو ان اثرات کی حکایت کرتے ہیں۔ اس کے بعد جب بنی امیہ برسراقتدار آ گئے تو انھوں نے عمر کی سنت اور سیرت پر عمل کیا اور انھی کو سیاسی اور غیر سیاسی امور میں اپنا آئیڈیل (ideal) قرار دیا۔

جب معاویہ حضرت عمر کی طرف سے شام کا حاکم بنا اور اس نے قتل عثمان کے انتقام کا پرفریب نعرہ لگایا اور لوگوں کے درمیان بہت سے شبہات ایجاد کر دیئے یہاں تک کہ وہ اس قابل ہوگیا کہ رسول اعظمؐ کے بعد عظیم ترین انسان علیؑ کے خلاف صفین کے میدان میں جنگ کرنے کے لئے ایک بڑے لشکر کی قیادت کر سکے۔

اسی طرح جب معاویہ "تحکیم" کے واقعے سے فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہوگیا اور یوں اس نے اپنی حکومت پر شرعی رنگ چڑھا لیا جس کے ذریعے سے وہ سادہ لوح عوام کو فریب اور دھوکا دینے کے قابل ہوگیا تھا تو جب وہ ان پیچیدہ حالات میں اقتدار کو حاصل کر سکتا تھا تو طبیعی طور پر اس کے لئے یہ بات بہت آسان تھی کہ وہ حسین بن علیؑ کو شہید کرنے کے بعد انھیں ایک باغی، ظالم، لالچی اور ذاتی مفادات کی خاطر جنگ کرنے والے شخص کے طور پر لوگوں میں مشہور کر دیتا بلکہ العیاذ باللہ انھیں دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیتا۔

ان خاص حالات میں معاویہ مختلف شہروں میں خفیہ طور پر مقرر کئے گئے اموی مبلغین اور خطباء کے ذریعے سے نہایت تیز رفتاری کے ساتھ حجاز، عراق اور شام میں بہت سوء استفادہ کر سکتا تھا خصوصاً شامی عوام کے بارے میں حقائق اور حقیقت حال سے آگاہی اور علم کے لئے اموی ذرائع ابلاغ کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہیں تھا۔ معاویہ وہ شخص تھا جس نے

۱۔ الکامل للمبرد ج ۱ ص ۱۴۳ طبع دار النہضۃ مصر۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حق و باطل کو اس حد تک مخلوط کر دیا تھا کہ اس بات نے مولا علیؑ کو کنارہ گیری پر مجبور کر دیا تھا۔

مزید برآں یہ کہ حضرت علیؑ سے پہلے خلفاء کے زمانے میں خاص سیاسی مقاصد کے پیش نظر بزرگ صحابہ کے گرد ایک حصار بنا دیا گیا تھا انہیں مختلف شہروں میں پھیل جانے کا موقع نہ دیا گیا تاکہ وہ نبی اکرمؐ کی تعلیمات کو صحیح طور پر لوگوں میں پھیلا نہ سکیں بلکہ انہیں لمبی مدت تک مدینہ میں محبوس رکھا گیا اور اگر کوئی ان کے چنگل سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا اور اس نے کلمہ حق بیان کیا تو اسے طرح طرح کے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا جیساکہ حضرت ابوذرؓ سے یہ سلوک روا رکھا گیا۔ (۱)

اس صورت حال میں اصحاب کے سینوں میں جو کچھ تھا وہ اس کے اظہار و بیان سے عاجز تھے یہاں تک کہ اصحاب کا طبقہ آہستہ آہستہ دنیا سے چل بسا۔ اس صورت حال کے باعث حکمران ٹولے کو اہلبیتؑ اور نبی اکرمؐ بلکہ خود اسلام کے خلاف افترا پردازی کا موقع فراہم ہوگیا۔

گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ معاویہ کے دور میں امام حسینؑ کا شہید ہو جانا نہ صرف بے اثر اور غیر مفید ہوتا بلکہ اس طرح دین، امت اور حق کی تمنا امید پر پانی پھر جاتا یوں یہ ایک کھلی خیانت ہوتی جیساکہ بعد میں آپؑ کی شہادت سے دین، حق اور امت کی حفاظت اور پاسداری ہوئی۔ اس وقت حکمران کی بے دینی، دین سے دشمنی اور اس کا انحراف کسی سے پوشیدہ نہ رہا تھا۔ نیز مکارانہ اور عیارانہ سیاسی چالیں ان کے کرتوتوں پر پردہ نہ ڈال سکیں۔ ان حالات میں سکوت اور خاموشی اختیار کرنا دین، امت اور حق کے ساتھ خیانت کے مترادف تھا۔

۱۔ ہماری کتاب "دراسات و بحوث فی التاریخ و الاسلام" کی پہلی جلد میں حضرت ابوذر کے بارے میں مقالے کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ورنہ امام حسینؑ نے اپنے بھائی امام حسنؑ کی شہادت کے بعد دس سال معاویہ کے دورِ حکومت میں گزارے اور اس کے خلاف قیام نہیں کیا۔ امام حسینؑ نے معاویہ کے زمانے میں سکوت اختیار کیا لیکن آپ ہی نے یزید کے خلاف قیام کیا جبکہ وہی ظلم و ستم اور جبر و تشدد جو یزید کے دور میں تھا معاویہ کے زمانے میں بھی تھا جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے وہی اس زمانے میں امامؑ کے سکوت اور یزید کے دور میں قیام کا راز ہے۔

یہ تھا وہ مطلب جس کی طرف ہم یہاں اشارہ کرنا چاہتے تھے، اگرچہ اس بحث کا مقام کہیں اور ہے۔

۲۔ ملاحظہ کریں کہ جب امام حسینؑ نے حلف الفضول کی دعوت دی تو ابن زبیر جیسے دشمنوں نے بھی آپؑ کی آواز پر لبیک کہا جبکہ اس کا اپنی خلافت کے ایام میں ہاشمیوں کے ساتھ برا سلوک کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ابن زبیر انہیں مکہ میں زندہ جلا دینا چاہتا تھا مگر عراق سے ان کی امداد کے لئے ایک گروہ پہنچ گیا جس سے وہ اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب نہ ہو سکا۔

اسی طرح ابن عباس کے بقول جب امام حسینؑ عراق کی طرف عازم ہوئے تو ابن زبیر بہت زیادہ خوش ہوا۔ اس نے اپنے خطبوں میں حضور اکرمؐ پر درود بھیجنا ترک کر دیا جب اس کی سرزنش کی گئی تو اس نے ڈھٹائی سے کہا ہاشم کی اولاد جب پیغمبر اکرمؐ پر صلوات سنتی ہے تو اپنے سر کو بلند کر لیتی ہے اس کے نزدیک بدترین چیز ہاشمی خاندان کی خوشی تھی۔ ایک اور روایت کے بقول اس نے کہا کہ رسول اکرمؐ کا خاندان برُا ہے۔ (۱)

خلاصہ یہ کہ ان افراد نے امام حسینؑ کی طرف سے حلف الفضول کی دعوت کو تو قبول

۱۔ العقد الفرید ج ۴ ص ۳۱۳ طبع دار الکتاب العربی، شرح نہج البلاغہ للمعتزلی ج ۲۰ ص ۱۲۷، انساب الأشرف ج ۴ ص ۲۸، قاموس الرجال ج ۵ ص ۴۵۲ اور مقاتل الطالبیین ص ۴۷۴ کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کر لیا لیکن انہی لوگوں نے حسنین علیہما السلام کی امامت کو صلح اور جنگ دونوں صورتوں میں حسنینؑ کی امامت کو تسلیم کرنے کے سلسلے میں حکم خدا اور حکم رسولؐ کی مخالفت کی اور اس امام کی حمایت سے دریغ کیا جس نے اپنے نانا کی امت کی اصلاح کی خاطر قیام کیا تھا بلکہ وہ اس کے برعکس عموماً ان کے اور ان کے خاندان کے ساتھ دشمنی کا اظہار کرتے تھے جیساکہ پہلے اشارہ ہو چکا ہے۔

پس حلف الفضول پر لبیک کہنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ جبکہ اس کے برعکس روز عاشورا امام حسینؑ کی حمایت نہ کرنے اور کربلا میں ظلم و ستم اور دین و حق سے انحراف کے خلاف کربلا میں آپ کے ساتھ جنگ کرنے کا کیا سبب ہو سکتا ہے؟ جبکہ پہلا واقعہ اگرچہ ظلم و استبداد سے جنگ کا نمونہ تھا لیکن درحقیقت اس کا تعلق خاص اشخاص اور محدود زمان و مکان کے ساتھ تھا جبکہ واقعہ کربلا میں قیام کا مقصد سب کے سامنے واضح تھا اور امامؑ نے کئی بار اس کی وضاحت فرمائی تھی۔ اور اس بات میں کسی قسم کے شک و شبہہ کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی کہ آپ کے قیام کا مقصد اسلام کے جامع اہداف تھے اور اس میں ذرہ برابر بھی ذاتی مفادات کا عمل دخل نہیں تھا۔

پھر انہوں نے کیوں سکوت اختیار کیا؟ بلکہ ان میں سے بعض نے تو امام حسینؑ کے ساتھ پیش آنے والے واقعات پر مسرت کا اظہار کیا جبکہ وہاں پر وہ ان کی مدد کرتے اور اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے آمادہ و تیار نظر آتے ہیں یا کم از کم ان کے ساتھ دینے کے لئے آمادگی کا اظہار کرتے ہیں؟ پھر اگر ان دو قیاموں کا ہدف مشترک نہیں بھی تھا تو واقعہ کربلا کا ہدف ان کے دین اور شخصیت کے ساتھ زیادہ وابستگی رکھتا تھا (میل کھاتا تھا) اور زیادہ اہم تھا کیا ابتداء میں ان کا مقصد قوی دشمن کو کمزور کرنا تھا؟ یا یہ کہ وہ شرابی یزید سے ڈرتے تھے جبکہ معاویہ کی طرف سے آسودہ خاطر تھے؟ اور شاید ایسا ہی ہو، ایک اور احتمال بھی دیا جا سکتا ہے کہ حلف الفضول چونکہ جاہلیت کے دور کی یاد تازہ کرتا تھا اور وہ لوگ حق و باطل میں اسلام کی نسبت جاہلیت سے زیادہ نزدیک تھے۔ وہ واقعہ پوری امت کی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تقدیر بدلنے کا موجب ہو اور دین سے مربوط ہی کیوں نہ ہو۔

اور اگر انھیں معلوم ہوجاتا کہ اسلام نے حلف الفضول کی تائید کی ہے اور یہ اسلامی قوانین میں شمار ہوتا ہے تو شاید اس سلسلے میں وہ کوئی اور موقف اختیار کرتے۔ اور یہ بات واقعاً بہت ہی عجیب و غریب ہے۔

۳۔ امام حسینؑ کا یہ موقف اور نبی اکرمؐ کا اس عہد و پیمان کی تائید کرنا جو گزشتہ کلمات میں گزر چکا ہے، اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اسلام نے اس حلف کو منظور کیا ہے کیونکہ مذکورہ پیمان حق و عدالت اور خیر کی بنیاد پر استوار ہے اور کیا اسلام اس کے علاوہ کسی اور چیز کا نام ہے؟ اسلام نے اس پیمان کو قبول کیا جبکہ اس میں شرکت کرنے والے کافر اور مشرک تھے لیکن وہ مسجد "ضرار" کو منہدم کر دیتا ہے جبکہ اس کے بانی ظاہری طور پر اسلام کا اظہار بھی کرتے تھے اور دکھاوے کی خاطر اس پر عمل پیرا بھی تھے۔

یہ بات اسلام کی حقیقت پسندی کو واضح کرتی ہے، اور اس بات کو روشن کرتی ہے کہ یہ دین شکاری کے عمل کو دیکھتا ہے نہ کہ اس کے آنسوؤں کو۔ اسلام ظاہری باتوں سے دھوکا نہیں کھاتا اور ان نعروں سے کبھی بھی فریب نہیں کھاتا جن کے پس پردہ سازش، غداری اور خیانت کار فرما ہو خواہ وہ نعرے کتنے بھی دلکش کیوں نہ ہوں پس حق حق ہے اور وہی قابل قبول ہے۔ اور ہم حق کے مطابق عمل کرنے اور اسے قبول کرنے پر مجبور ہیں چاہے وہ مشرک سے ہی کیوں نہ صادر ہو، اسی طرح باطل باطل ہے اور قابل انکار ہے، اس پر عمل کرنا کسی صورت میں بھی جائز نہیں ہے اگرچہ وہ خوبصورت اور پرکشش نعروں اور باتوں کے قالب میں ہی کیوں نہ ہو۔

لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ اسی لئے حضرت امیر المومنینؑ قرآن کو نیزوں پر بلند کرنے کی چال اور سازش کی مذمت کرتے ہیں اور اس سے خبردار کرتے ہیں۔ اس مسئلے میں امامؑ کا راستہ صحیح راستہ تھا اور دوسرے لوگ جو تقوی اور عبادت کا تظاہر کرتے تھے انھوں نے غلط راستے کا انتخاب کیا تھا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اللہ تعالیٰ ہمیں امیر المومنین علیؑ کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عنایت فرمائے، بتحقیق وہ توانا سرپرست ہے۔

د۔ نبی اکرمؐ اور آئمہؑ کا پیمان فضول کو اہمیت دینا اسلام کی وسعت نظری پر دلالت کرتا ہے اور اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسلام اپنے خول کے اندر بند نہیں رہتا۔ اسلام ہر اس چیز کی حمایت کرتا اور اسے اپنا لیتا ہے جو انسان کے لئے خیر و برکت کا موجب ہو، انسانیت کے رشد و تکامل میں سہیم ہو، احساس ذمہ داری کو اجاگر کرتی ہو۔ اس کے اعلیٰ اہداف کی تکمیل کرتی ہو، فطری تقاضوں کے مطابق ہو اور عقل سلیم کے ساتھ ہم آہنگ ہو۔

ہ۔ البتہ ان لوگوں کے زبیر بن عبدالمطلب کی حلف الفضول کی دعوت کو قبول کرنے کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں مثلاً

الف: انسانی فطرت کا تقاضا کیونکہ اس پیمان کا پیغام فطرت اور عقل سلیم کے تقاضوں کے عین مطابق تھا اس کے ساتھ ہی وہ انسانی اور اخلاقی شعور سے ہم آہنگ تھا۔

ب: مصلحت اندیشی کیونکہ مکہ میں امن و امان نہ ہونے کی وجہ سے تجارتی وفود کی آمد اور اہل مکہ کے ساتھ ان کے معاملات میں تیزی سے کمی آنے کا خطرہ تھا۔

ج: اسی طرح دیگر وجوہات ہو سکتی تھیں مثلاً عربوں کے دلوں میں مکہ اور اہل مکہ کے لئے موجود جذبہ احترام اور تقدس کی حفاظت وغیرہ وغیرہ۔ پہلی فصل میں بیان ہونے والے مطالب یہاں پر بھی مفید ہیں۔

www.ziaraat.com jabir.abbas@yahoo.com sabeelesakina

حضورؐ کا بکریاں چرانا

مؤرخین کا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ قبیلہ بنی سعد کے ہاں رہتے ہوئے بکریاں چرایا کرتے تھے اور اپنے گھر والوں کے لئے گلہ بانی کرتے تھے بلکہ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ آپؐ اہل مکہ کی بکریاں بھی چراتے تھے۔ یہاں تک کہ دوسروں کے علاوہ بخاری نے تو کتاب "اجارہ" میں یہاں تک ذکر کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نہیں فرمایا مگر یہ کہ اس نے گلہ بانی کی ہو۔ صحابہ نے پوچھا اور آپ نے ارشاد فرمایا: ہاں میں نے بھی قراریط کے بدلے مکہ والوں کی بکریاں چرائی ہیں۔ (۱) اور قراریط سے مراد درہم اور دینار کی کچھ مقدار بتائی گئی ہے جس سے معمولی اشیاء خریدی جا سکتی ہوں۔ (۲)

لیکن اس بات میں بہت زیادہ شک و شبہ پایا جاتا ہے کہ نبی اکرمؐ اتنی مزدوری پر غیروں کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ مزدوری کی مقدار اتنی معمولی ہے کہ بوڑھی عورتیں بھی اسے قبول نہیں کرتیں۔ اسی طرح آپ بکریاں چرانے میں جو وقت لگاتے اور محنت کرتے تھے اس کے مقابلے میں یہ معمولی رقم قطعاً نامناسب ہے۔ اس بات میں ہمارے شک و تردد کی دو وجوہات ہیں۔

اول: معتبر مورخ یعقوبی نے صریحاً کہا ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ہرگز کسی کے اجیر نہیں بنے۔ (۳)

دوم: روایات کا تضاد، بعض روایات میں آیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "میں اپنے خاندان والوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا"۔ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "میں مکہ والوں کے لئے گلہ بانی کرتا تھا"۔ بعض روایات نے آپؐ کا قول "قراریط" (۴) کے ساتھ نقل کیا ہے جبکہ بعض دوسری روایات میں "اجیاد" (۵) کا ذکر آیا ہے۔ جب راوی ایک ہو تو یہ اختلاف قابل قبول نہیں ہے۔

۱۔ بخاری حاشیہ فتح الباری ج ۴ ص ۳۶۳، دحلان کی السیرة النبویة ج ۱ ص ۵۱ اور السیرة الحلبیة ج ۱ ص ۱۲۵۔

۲۔ زینی دحلان کی السیرة النبویة ج ۱ ص ۵۱، السیرة الحلبیة ج ۱ ص ۱۲۵ اور فتح الباری ج ۴ ص ۳۶۴۔

۳۔ تاریخ الیعقوبی ج ۲ ص ۲۱ طبع صادر۔

۴۔ معمولی اجرت۔ ۵۔ ایک جگہ کا نام۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہاں بعض افراد نے ذکر کیا ہے کہ عرب قراریط کو نہیں جانتے تھے بلکہ یہ تو مکہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔ (۱)

بنابرایں "قراریط" والی روایت اور "اجیاد" والی روایت میں اختلاف کی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ یہ دو نام ایک ہی جگہ کے ہوں یا ایک دوسرے کے نزدیک دو جگہوں کے نام ہوں لیکن یہ تاویل بہت کمزور ہے کیونکہ بخاری کی روایت میں "علی قراریط" ذکر ہوا ہے۔ اور لفظ "علی" سے اجر و مزدوری ظاہر ہوتا ہے۔ ممکن ہے اس اعتراض کا جواب یوں دیا جائے کہ شاید قراریط مکہ میں ایک پہاڑ ہو جس پر رسول خدا بکریاں چرایا کرتے ہوں۔ اس اور ان کے علاوہ دیگر تمام احتمالات کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ صرف اس صورت میں قابل قبول ہو سکتے ہیں جب ان پر معصومؑ سے کوئی روایت نقل ہوئی ہو اور یہاں ایسی کوئی روایت موجود نہیں ہے ہاں ابوہریرہ اور دوسرے راویوں نے حدیثیں بیان کی ہیں جن پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

jabir.abbas@yahoo.com www.ziaraat.com Saheel-e-Sakina

نکتہ:

یہاں پر بعض لوگوں نے فلسفہ بگھارنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ہے کہ بھیڑیں

۱۔ فتح الباری ج ۴ ص ۳۶۴ میں ابن ناصر اور سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۱۲۶ کی پیروی کرتے ہوئے ابراہیم حربی اور صوبہ ابن جوزی سے نقل کرتے ہوئے اور جو کچھ الصحیح میں آیا ہے اس سے عربوں کی قراریط سے عدم آگاہی کی تائید ہوتی ہے اور اس میں قراریط نامی سرزمین کا ذکر آیا ہے۔ فتح الباری ج ۴ ص ۳۶۴ اور بعض افراد کا یہ قول درست نہیں ہے کہ مکہ میں اس نام کی کوئی جگہ معروف نہیں کیونکہ ہمارے دور میں اس کا معروف نہ ہونا اس زمانے میں اس کے معروف نہ ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

چرانا نہایت ہی دشوار کام ہے کیونکہ بھیڑیں سرکش ترین جانور ہیں اور ان کے ساتھ رہنا دل کے اندر جذبہ مہربانی و عطوفت کی بیداری کا موجب بنتا ہے پس جس وقت آپ ؐ کو بشر کی قیادت اور رہبری کا فریضہ سونپا گیا تو اس سے پہلے آپ ؐ کا مزاج نرم ہوچکا تھا طبیعت کی فطری سختی اور زیادتی کا خاتمہ ہوگیا تھا اور آپ ؐ ایک معتدل ترین شخصیت بن چکے تھے۔ (۱)

لیکن کیا اس بات کو کوئی بھی قبول کرنے کے لئے تیار ہو سکتا ہے کہ آنحضرت ؐ کو مزاج کی فطری درشتی اور جذبہ ظلم سے تہذیب کی ضرورت تھی۔ کیا ان کی طبیعت میں غضب اور جبلی ظلم موجود تھا جس میں اعتدال اور تہذیب کی ضرورت تھی؟ اور اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو کیا (تربیت کے لئے) اس سے بہتر کوئی اور مدرسہ نہ تھا۔

اس کے علاوہ یہ بات شق صدر (جسے ہم نے جھوٹ ثابت کیا) کے منافی نہیں ہے جس کے یہ لوگ قائل ہیں کیا ظلم اور سختی شیطان کا حصہ نہ تھا جسے جبرئیل ؑ نے عمل جراحی کے ذریعے سے جڑ سے اکھاڑ دیا تھا؟ کیا روایات کے مطابق بچپن سے ہی آپ ؐ کے ہمراہ ایک فرشتہ مقرر نہیں تھا جو آپ ؐ کی راہنمائی اور اصلاح کرتا تھا؟

کیا اللہ تعالی کے پاس اپنے نبیؐ کی تہذیب اور آپ کی سخت مزاجی کو ختم کرنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا؟ اور کیا یہ بات صحیح ہے کہ بھیڑوں کو چرانا باقی تمام جانوروں سے مشکل ترین کام ہے؟ اور کیا ظلم انسان کے اندر جبلی طور پر موجود ہے جسے بھیڑیں چرا کر ہی ختم کیا جا سکتا ہے؟ کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ جو پانی کے اندر سختی اور جبلی ظلم نہیں کرتا یا یہ کہ ظلم و سختی اس کے اندر دوسروں کی نسبت کم ہوتی ہے؟

پھر کیا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بھیڑ بکریاں چرانا ایک عام کام تھا جسے آنحضرت ؐ نے معاشرے کے دوسرے افراد کی طرح جن کے لئے بھیڑ بکریاں چرانا زندگی گزارنے اور رزق

۱۔ سیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۱۲۶، سیرۃ نبویۃ لدحلان ج ۱ ص ۵۱ اور فتح الباری ج ۴ ص ۳۶۴ کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کمانے کا ایک عام وسیلہ تھا، انجام دیتے تھے۔ اسی طرح کے اور دوسرے سوالات ہیں جن کا ان کے پاس کوئی مفید اور قانع کنندہ جواب نہیں ہے۔

البتہ جیساکہ بعض افراد نے کہا ہے اس کی یہ علت بیان کی جا سکتی ہے کہ چوپانی لوگوں سے دوری اور معاشرتی پریشانیوں اور شور شرابے سے ہٹ کر غور و فکر کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے اور رسول اکرمؐ کا غار حرا میں جانا بھی تفکر کے لئے، لوگوں سے کنارہ کشی، خداوند کی مخلوق میں غور و خوض، عبادت اور تزکیہ نفس کی خاطر ہوتا تھا۔

بعض دوسرے افراد کا یہ نظریہ ہے کہ حیوان چرانا متفرق و پراگندہ حیوانوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری سنبھالنے کا موجب ہے اور یہ بات نبوت کی ذمہ داریوں سے مناسبت رکھتی ہے جنہیں بہت جلد پیغمبر اکرمؐ کے کاندھوں پر آنا تھا اور جس کے لئے آپؐ کو ریاضت نفس اور دوسروں کی خیر خواہی کے جذبے میں اضافے کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ، پیغمبر اکرمؐ کے اندر تحمل و برداشت پیدا کرنے اور آپؐ کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کا اہتمام فرما رہا تھا۔ تاکہ آپؐ نبوت کی عظیم ذمہ داریوں کو نبھا سکیں۔ البتہ یہ سب کچھ عام اور طبیعی طور پر ہوا ہے جیساکہ یہ بات ارسال رسل سے واضح ہے۔ ہاں اللہ معجزات وغیرہ سے بھی انبیاء کی مدد کرتا رہا۔

شام کا دوسرا سفر

کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے ۲۵ سال کی عمر میں شام کی طرف دوسرا سفر اختیار کیا۔ (۱)

۱۔ بحار الانوار ج ۱۶ ص ۹ میں بعض لوگوں سے نقل ہوا ہے کہ آپ (ص) کا یہ سفر تہامہ میں بازار حباشہ کی طرف تھا۔ اسی طرح کشف الغمہ ج ۲ ص ۱۳۵ میں جنابذی کے معالم العترۃ سے یہی نقل ہوا ہے (مکہ کے اوپر بالائی اور حجاز کے جنوبی حصول کو تہامہ کہتے ہیں)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت خدیجہؑ کے لئے ایک تجارتی سفر تھا۔ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابو طالبؑ کے معاشی حالات بہت خراب ہوگئے اور سب جمع شدہ پونجی خرچ ہوگئی تھی تو انھوں نے آپؐ کو اس سفر کی تجویز پیش کی لیکن آپؐ نے یہ قبول نہ فرمایا کہ خود جا کر حضرت خدیجہ سے بات کریں۔ جب حضرت ابو طالبؑ اور حضرت رسول اکرمؐ کے درمیان ہونے والی گفتگو کی خبر حضرت خدیجہ (س) تک پہنچی تو انھوں نے آنحضرتؐ کو خود تجارت کی پیشکش کی اور دوسروں کی نسبت دوگنا معاوضہ ادا کیا کیونکہ وہ آپؐ کی سچائی، زبردست امانتداری اور اعلیٰ اخلاق سے واقف تھیں۔

بعض نے یوں بھی روایت کی ہے کہ حضرت ابو طالب نے خود حضرت خدیجہ سے بات چیت کی اور انھوں نے بھی کمال شوق اور رغبت سے اپنی رضا مندی کا اظہار کیا اور جو معاوضہ و اجرت طلب فرمایا انھوں نے ادا کر دی۔

پس آنحضرتؐ نے شام کا سفر اختیار کیا اس تجارتی سفر میں آپ کو دوسروں کی نسبت کئی گنا زیادہ منافع ہوا اور بہت سی واضح اور روشن کرامات آپؐ سے ظاہر ہوئیں۔ جب قافلہ مکہ واپس پہنچا تو میسرہ نے تمام واقعات سے حضرت خدیجہ کو آگاہ کیا۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ نے خود اپنے مشاہدات اور میسرہ کی باتوں کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے نقل کیا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے لیکن ہمیں اس میں شک و تردد ہے۔ (۱) اس نے حضرت خدیجہ سے کہا کہ جو کچھ بتایا گیا ہے اگر صحیح ہو تو آپؐ اس امت کے نبی ہیں۔ (۲)

اس کے بعد جیسا کہ کہا جاتا ہے حضرت خدیجہ نے آپؐ کی زوجیت میں داخل ہونے کی کوشش کی۔

۱۔ ورقہ بن نوفل کے بارے میں اقوال اور آغاز وحی میں اس کے کردار پر ہم انشاء اللہ بہت جلد گفتگو کریں گے۔

۲۔ البدایۃ و النہایۃ ج ۲ ص ۲۹۶ اور سیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۱۳۶۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لیکن جو کچھ کہا گیا ہے خصوصاً یہ کہ حضرت خدیجہ نے آنحضرتؐ کو تجارت کے لئے اجیر کیا، ہمیں اس میں شک و شبہ ہے کیونکہ ابن واضح المعروف بالیعقوبی جیسا معتبر اور موثق مورخ کہتا ہے: "لوگ کہتے ہیں کہ خدیجہ نے آپؐ کو اجیر کیا ایسا ہرگز نہیں ہے، آپؐ کبھی کسی کے اجیر نہیں ہوئے"۔ (۱)

شاید رسول اکرمؐ اور ان کے آباء و اجداد کی عزت نفس، پروردگار عالم کی طرف سے آنحضرتؐ کی حفاظت و نگرانی کا بدولت اور اسی طرح ابوطالبؑ کی عزت و شرافت کے تناظر میں جو کچھ حضرت ابوطالبؑ سے منسوب کیا جاتا ہے وہ سب ان سے بعید ہے۔

بنابرایں آنحضرتؐ کا سفر شام حضرت خدیجہ کے کارندے کے طور پر نہ تھا بلکہ آپؐ نے نفع میں شرکت کے عنوان سے یا بطور شریک ان کا مال تجارت لے کر شام کا سفر اختیار کیا۔

علامہ مجلسی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے آنحضرتؐ سے حضرت خدیجہ کے مال سے تجارت کرنے والوں کا ذکر کیا اور آپؐ کی تشویق فرمائی ہے تاکہ آپؐ بھی اس کام میں پہل کریں لہذا آپؐ نے ایسا ہی کرتے ہوئے شام کا تجارتی سفر اختیار کیا۔ (۲) یہ روایت اسی حقیقت کی تائید کرتی ہے کہ آنحضرتؐ نے نفع میں شرکت کی شرط پر

۱۔ تاریخ یعقوبی ج۲ ص ۲۱ اس نے سفر السعادۃ سے نقل کیا ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) بعثت کے بعد اور ہجرت سے پہلے بیچنے سے زیادہ خریدتے تھے۔ ہجرت کے بعد صرف تین بار فروخت کا معاملہ کیا البتہ آپ (ص) کی خرید بہت زیادہ تھی لیکن دوسروں کے ساتھ ان کی شراکت کے بارے میں اختلاف ہے اور ہمارے پاس اس کی تحقیق کی فرصت نہیں ہے۔

۲۔ بحار الانوار ج۱۶ ص ۲۲ البکری سے نقل ہوا ہے اور ص ۳ پر الخرائج اور ص ۱۸۶ اور ۱۸۷ پر الجرائح سے نقل کیا گیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تجارت فرمائی۔ اسی طرح "جنابذی" کی روایت بھی صراحت کے ساتھ مقاربت پر دلالت کرتی (۱) ہے۔

رسول اکرمؐ کی حضرت خدیجہ سے شادی

حضرت خدیجہ کا شمار شرافت اور عزت کے لحاظ سے قریش کی بہترین عورتوں میں ہوتا تھا وہ مالدار ترین اور خوبصورت ترین خاتون گنی جاتی تھیں۔ دور جاہلیت میں انھیں طاہرہ کا لقب دیا گیا تھا اور انھیں "سیدہ قریش" کہا جاتا تھا۔ ان کے رشتہ دار ان سے شادی کرنے کے خواہشمند تھے۔

قریش کے سرداروں نے انھیں شادی کے پیغام بھجوائے اور بہت زیادہ مال کی پیشکش کی۔ ان میں سے عقبہ بن ابی معیط، صلت بن ابی یہاب، ابو جہل اور ابو سفیان قابل ذکر ہیں۔ (۲) لیکن حضرت خدیجہ نے ان سب کو ٹھکرا دیا اور نبی اکرمؐ کے نیک اخلاق شرافت نفس، صفات عالیہ اور عادات کریمہ کی وجہ سے آپ کا انتخاب کیا۔ ہم روایات کی کثرت کے پیش نظر قطعی طور پر یہ کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ نے پہلے آپؐ سے ازدواج کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔

پس حضرت ابوطالبؑ رشتے کے لئے ان کے گھر والوں کے پاس گئے اور قریش کے چند افراد ان کے سرپرست اور چچا عمرو بن اسد کے پاس گئے کیونکہ حضرت خدیجہ کے والد فجار کی لڑائی میں یا اس سے بھی پہلے قتل ہوگئے تھے۔ (۳)

۱۔ بحار الانوار ج ۱۶ ص ۹، کشف الغمة ج ۲ ص ۱۳۳ میں معالم العترة جنابذی سے نقل کیا گیا ہے۔

۲۔ بحار الانوار ج ۱۶ ص ۲۲

۳۔ کشف الغمة ج ۲ ص ۱۳۹، بحار الانوار ج ۱۶ ص ۱۲ اور کشف الغمة ص

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور یہ بات قابل قبول نہیں ہے کہ حضرت ابوطالب رشتہ مانگنے کے لئے ورقہ بن نوفل اور حضرت خدیجہ کے چچا کے پاس گئے یا صرف ورقہ کے پاس گئے (۱) کیونکہ اس بات پر اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے کہ صرف عمرو بن اسد کے پاس جانا وقوع پذیر ہوا ہے۔ (۲)

لیکن خود ورقہ کے بارے میں ہم نہیں جانتے کیا کہیں؟ جو لے ہر جگہ پر ثعلب کا اثر نظر آتا ہے۔ (۳) رسول اکرمؐ سے مربوط کوئی بھی چھوٹا واقعہ ہو یا بڑا یہ وہاں بڑھ چڑھ کر حاضر ناظر ہوتا ہے اور یہی بات میرے لئے شک و شبہ کا باعث ہے کہ آیا وہ ایک افسانوی شخصیت ہے یا حقیقی۔

ملاحظہ کیجئے ایک ہی کردار جو ایک مرتبہ حضرت خدیجہ کے باپ سے منسوب کیا جاتا

---

۱۹ پر واقدی سے نقل کیا گیا ہے۔ سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۱۳۸ میں آیا ہے کہ جو کچھ اہل علم کے نزدیک ثابت ہے وہ یہ ہے کہ جنگ فجار سے پہلے حضرت خدیجہ کے والد دنیا سے رخصت ہوگئے تھے۔ اسی طرح تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۶۳ پر بھی ذکر ہوا ہے۔

۱۔ بحار ج ۱۶ ص ۱۹ از واقدی، سیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۱۲۹، الکافی ج ۵ ص ۳۷۴ اور ۳۷۵ اس میں مذکور ہے کہ ورقہ حضرت خدیجہ کے چچا تھے۔ بحار ج ۱۶ ص ۱۴ اور ۲۱ میں کافی اور بکری سے یہی بات منقول ہے۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے کیونکہ ورقہ، نوفل بن اسد کے بیٹے ہیں جبکہ حضرت خدیجہ خویلد بن اسد کی بیٹی ہیں۔

۲۔ سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۱۳۷

۳۔ کہتے ہیں کہ "بنی ثعلبہ" کے ایک شخص سے اس کی قوم نے برا سلوک کیا وہ کسی دوسری جگہ گیا وہاں پر بھی اس سے برا سلوک کیا گیا تب سے یہ ضرب المثل مشہور ہوگئی کہ ہر جگہ ثعلبہ کا اثر ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہے، دوسری مرتبہ ان کے چچا سے اور تیسری مرتبہ اسی کو ورقہ بن نوفل سے نسبت دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ الفاظ اور جملات بھی ایک جیسے ہی ہوتے ہیں چہ جائیکہ افعال اور واقعات۔ آپ ان روایات کی طرف رجوع کریں اور موازنہ کریں۔

البتہ یہ بات ضرور ہے کہ حضرت خدیجہ کا رشتہ مانگنے کیلئے حضرت ابو طالب گئے تھے نہ کہ حضرت حمزہ جیساکہ ابن ہشام نے اپنی کتاب سیرہ میں اس پر اکتفا کیا ہے۔ (۱) کیونکہ حضرت حمزہ کا جانا حضرت ابوطالب کو قریش کے پاس حاصل قدر و منزلت کے پیش نظر مناسب لگتا ہے خصوصاً اس وقت جب یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت حمزہ رسول اللہ ؐ سے صرف دو یا چار سال بڑے تھے اس کے علاوہ یہ بات تمام مورخین کے نظریے کے خلاف بھی ہے۔

بعض افراد نے اس کی یوں تاویل کرنے کی کوشش کی ہے کہ ممکن ہے حضرت حمزہ حضرت ابوطالب کے ساتھ گئے ہوں لیکن اسے صرف حضرت حمزہ سے منسوب کیا گیا ہو۔ (۲) لیکن یہ تاویل بے بنیاد ہے کیونکہ یہاں پر ایک اور سوال اٹھتا ہے کہ آخر یہ نسبت حمزہ کے علاوہ قریش میں سے دوسرے بنی ہاشم یا غیر بنی ہاشم کے افراد جو حضرت ابوطالب کے ساتھ گئے تھے کی طرف کیوں نہ دی گئی؟

حضرت ابوطالب اور خواستگاری

بہرحال حضرت ابوطالب نے بعثت سے پندرہ سال قبل رسول اکرمؐ کے لئے حضرت خدیجہ کا رشتہ مانگا جیساکہ مشہور ہے اور مورخین کے بقول انہوں نے خواستگاری کے دوران یوں کہا: "الحمد لرب ھذا البیت، الذی جعلنا من زرع ابراھیم، و ذریۃ اسماعیل، و

۱۔ سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۰۱، سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۱۳۸ اسی طرح محب الطبری سے بھی نقل ہوا ہے۔

۲۔ سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۱۳۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

انزلنا حرماً آمناً و جعلنا الحکام علی الناس، و بارک لنا فی بلدنا الذی نحن فیہ ..."
یعنی "تمام حمد اور تعریف اس گھر کے پروردگار کے لئے ہے جس نے ہمیں ابراہیم کی نسل اور اسماعیل کی اولاد میں سے قرار دیا اور اپنے حرم میں ہمیں پناہ دی، ہمیں لوگوں پر حکومت عطا کی اور ہمارے شہر (مکہ) میں برکت عطا کی"۔

پھر انہوں نے اپنے خطبہ کو جاری رکھتے ہوئے کہا: "ثم ان ابن اخی ھذا (یعنی رسول اللہ) ممن لایوزن برجل من قریش الا رجع بہ، و لایقاس بہ رجل الاعظم عنہ، و لاعدل لہ فی الخلق، و ان کان مقلاً فی المال، فان المال رفد جار، و ظل زائل، و لہ فی خدیجۃ رغبۃ. و قد جئناک لنخطبہا الیک، برضاھا و امرھا، و المھر علی فی ما لی الذی سئلتموہ عاجلہ و آجلہ ... و لہ (ربّ ھذا البیت) حظ عظیم، و دین شائع، و رای کامل" یعنی "یہ میرے بھائی کا بیٹا (یعنی رسول اللہ)، قریش کے کسی مرد سے بھی موازنہ نہیں رکھتا جس کا بھی اس سے مقابلہ کیا جائے یہ اس سے برتر ہے لوگوں میں اس کا کوئی ہمسر نہیں اگرچہ اس کے پاس مال کم ہے کیونکہ مال انسان کے ہاتھوں کی میل ہے اور جلد ختم ہوجانے والی چیز ہے وہ خدیجہ کا خواستگار ہے۔ ہم آئے ہیں تاکہ اس (خدیجہ) کی طلب اور خواہش کے مطابق آپ سے رشتہ مانگیں اس کا مہر میرے ذمے ہے وہ میرے مال سے ادا ہوگا جتنا چاہو نقد ہو یا ادھار ... اس گھر کے پروردگار کی قسم، اس کی قسمت عظیم ہے اس کا دین رائج اور اس کی رائے کامل ہے"۔ (۱)

۱۔ کافی ج ۵ ص ۳۷۴، بحار ج ۱۶ ص ۱۴ پر کافی سے، ص ۱۶ پر من لایحضرہ الفقیہ کے ص ۴۱۳ سے اور ص ۵ پر شرف المصطفی، و الکشاف، ربیع الابرار اور ابن بطۃ کے الابانہ سے نقل کیا گیا ہے۔ سیرہ جوینی میں حسن، واقدی، ابی صالح اور عتبی سے نقل ہوا ہے۔ المناقب ج ۱ ص ۴۲، حلبیۃ ج ۱ ص ۱۳۹، تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۲۰ ابو ہلال کی الاوائل ج ۱ ص ۱۶۲ وغیرہ۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعض محققین یہاں پر یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ ابوطالب کے قول "دین رائج" اور کلام الٰہی میں کس طرح مناسبت ہوسکتی ہے کیونکہ قرآن ارشاد فرماتا ہے: "ما کنت تدری ما الکتاب و لا الایمان"۔ (۱) یعنی تم نہیں جانتے تھے کہ کتاب اور ایمان کیا ہے۔

اسی طرح "و ما کنت ترجوا ان یلقی الیک الکتاب"۔ (۲) یعنی تمہیں امید یا خبر نہیں تھی کہ کتاب (قرآن) تمہاری طرف بھیجی جائے گی۔ پس ان دو کلاموں کو کس طرح جمع کیا جا سکتا ہے؟

جواب:

اولاً: ممکن ہے مذکورہ آیات آنحضرتؐ کی ابتدائی زندگی کی طرف اشارہ کرتی ہوں۔ آپ پہلے یہ بات نہیں جانتے تھے بعد میں اس سے آگاہ ہوئے لیکن کب عالم ہوئے یہ بات آیات سے معلوم نہیں ہوتی۔ چہ بسا ممکن ہے کہ آپ بیس سال یا اس سے پہلے یا بعد میں اس بات سے آگاہ ہوئے ہوں۔

ثانیاً: علامہ طباطبائی کہتے ہیں کہ: "ان آیات کا مطمع نظر تفصیلی علم کی نفی کرنا ہے جبکہ آپؐ کو علم اجمالی تھا کیونکہ عبدالمطلب اور ابوطالب اور دوسرے افراد اجمالاً خدا اور اسکی کتابوں پر ایمان رکھتے تھے اور نبی اکرمؐ بھی اسی طرح تھے"۔ (۳) اس مسئلہ پر ہم بہت جلد اس فصل میں گفتگو کریگے۔ جس کا موضوع ہے "بحوث تسبق السیرة"۔ (۴)

ثالثاً: سیرت، تدبیر، پارسائی، عادت اور شان۔ دین کے مختلف معانی ہیں اور شاید مذکورہ عبارت میں دین سے مراد ان میں سے کوئی ایک معنی ہو۔

۱۔ سورہ شوریٰ، آیت ۵۲

۲۔ سورہ قصص، آیت ۸۶

۳۔ تفسیر المیزان ج۱۸ ص ۷۷ کی طرف رجوع کریں۔

۴۔ تذکرہ سیرت سے پہلے کچھ بحثیں، تیسری فصل دیکھئے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بہرحال جیسا کہ خطبے سے ظاہر ہوتا ہے ابوطالب اپنے مال سے مہر ادا کرنے کے ضامن بنے لیکن حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے اسے واپس کر دیا اور خود اپنے مال سے مہر کو معین کیا۔ اس پر بعض لوگوں نے کہا کتنی عجیب بات ہے کہ مہر عورتوں کی طرف سے مردوں کو دیا جائے! ابوطالب اس بات سے ناراض ہوئے اور فرمایا اگر میرے بھتیجے جیسے جوان ہوں تو انھیں بہت بڑا معاوضہ دے کر اور اعلیٰ ترین مہر ادا کر کے ان سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کی خواہش کی جاتی ہے لیکن اگر تمہارے جیسے افراد ہوں تو تمہارے ساتھ شادی کرنے کے لئے کوئی بھی تیار نہ ہوگا مگر تم سے بہت زیادہ مہر لے کر۔

لیکن ایک نکتہ ابھی حل طلب ہے اور وہ یہ ہے کہ بعض روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ نے خود جوان اونٹ مہر مقرر فرمایا۔ یہ نکتہ اس بات کے منافی ہے کہ حضرت ابوطالب مہر کے ضامن بنے ہوں یا حضرت خدیجہ نے مہر خود اپنے ذمے لیا ہو نہ کہ ابوطالب نے یا وہ حضرت ابوطالب کی طرف سے مہر ادا کرنے کی ضامن بنی ہوں۔ لیکن اگر اس سے مراد یہ ہو کہ پیغمبر اکرمؐ نے حضرت ابوطالب کے ذریعے سے مہر مقرر کیا تھا تو اس وقت یہ تضاد ختم ہو جاتا ہے۔

یہاں پر ایک اور قول نقل کیا جاتا ہے کہ حضرت علیؑ مہر کے ضامن بنے تھے اس بات کی رد میں کہا گیا ہے کہ یہ بات غلط ہے کیونکہ ان کی عمر کے بارے میں تمام اقوال کی بنا پر وہ اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ (۱)

البتہ اس جواب پر ایک اعتراض ہوسکتا ہے کیونکہ ان کے مقابلے میں اقوال اور بھی موجود ہیں جن کے مطابق (اگرچہ ہمیں ان کے بطلان میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے) کہا

۱۔ سیرۃ حلبیۃ ج۱ ص ۱۳۹ میں فسوی سے منقول ہے۔ فسوی کی روایت "ما روی اهل الکوفۃ مخالفاً لاهل المدینۃ" نامی کتاب میں موجود ہے۔ سیرۃ مغلطای ص ۱۲ اور الاوائل ج۱ ص ۱۶۱۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جاتا ہے کہ حضرت علیؑ بعثت سے ۲۰ یا ۲۲ سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ اسی لئے مغلطای کہتا ہے کہ "یہ قول غلط ہے کیونکہ حضرت علیؑ اس موقع پر چھوٹے تھے اور سات سال کے بھی نہیں ہوئے تھے"۔ (۱)

لیکن ہم اس قول کو بھی غلط اور حقیقت سے دور سمجھتے ہیں کیونکہ اس کا لازمہ یہ ہے کہ آپکی عمر شہادت کے وقت ۸۷ سال ہونی چاہئے اور اس کا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ پس ہم اس دلیل کی بنا پر جو انکی تاریخ ولادت میں آئے گی نہ تو مغلطای کے قول کو قبول کرتے ہیں اور نہ دوسروں کے اقوال کو جو یہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ مہر کے ضامن بنے تھے۔

ابو ھلال عسکری کہتے ہیں کہ "جب یہ پوچھا گیا کہ مہر کون ادا کرے گا" تو علیؑ جبکہ وہ بچے تھے، نے کہا! میرا باپ: جب اس بات کی خبر ابوطالب نے سنی تو کہا "میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوجائیں"۔ (۲)

ہاں یہ بات اس وقت کچھ معقول ہوسکتی ہے کہ جب ہم ایک تو ان نادر اقوال کو معتبر سمجھیں جو یہ بتاتے ہیں کہ حضرت علیؑ کی ولادت بعثت سے پندرہ یا سولہ سال بلکہ ۲۲ سال قبل ہوئی تھی۔ اس کے بعد ہم ان آراء کا موازنہ ان اقوال سے کریں جو پیغمبر اکرمؐ کے ازواج مبارک کے بارے میں نقل ہوئے ہیں جن کے مطابق آنحضرتؐ نے تیس سال کی عمر میں یعنی بعثت سے دس سال پہلے حضرت خدیجہ سے شادی کی یا بقول ابن جریج شادی کے وقت آپؐ کی عمر ۳۷ سال تھی۔ (۳) یا بقولے بعثت سے پانچ سال پہلے آپؐ کی شادی انجام پائی۔ (۴) لیکن یہ ساری باتیں مشکوک ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک حضرت علیؑ

۱۔ سیرۃ مغلطای ص ۱۲۔

۲۔ ابو ھلال عسکری کی الاوائل ج۱ ص ۱۶۱۔

۳۔ تاریخ الخمیس ج۱ ص ۲۶۳۔

۴۔ الاوائل ج۱ ص ۱۶۱۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دنیا میں ہی تشریف نہیں لائے تھے۔ یہاں پر ان مختلف اقوال نقل کرنے کا مقصد قارئین کی آگاہی تھا۔

رہا مہر کی مقدار کا مسئلہ تو ایک قول یہ ہے کہ بیس جوان اونٹ تھے، دوسرے قول کے مطابق ساڑھے بارہ "اوقیہ" یعنی پانچ سو درھم کے برابر تھے ان کے علاوہ دیگر اقوال بھی موجود ہیں۔

حضرت ابوطالبؑ کے کلمات پر ایک نظر

حضرت ابوطالبؑ کا مذکورہ خطبہ لوگوں کے دلوں میں رسول اللہ (ص) کی عزت و احترام کی غمازی کرتا ہے اور اس بات کو واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ لوگ آنحضرتؐ میں نبوت اور نور ہدایت کی نشانیاں پاتے تھے وہ اس کے منتظر تھے کہ یہ شخصیت وہی ہو جس کی بشارت حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے دی تھی اور وہ یہ سمجھتے تھے کہ جس کسی سے بھی آپؐ کا موازنہ کیا جائے آپؐ کی شخصیت اس سے زیادہ وزنی اور عظیم ثابت ہوگی۔

حضرت ابوطالبؑ کے کلمات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بنی ہاشم عظمت اور احترام کے حامل تھے یہاں تک کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے ہمیں انسانوں پر حاکم قرار دیا ہے"۔

علاوہ ازیں خطبے کے الفاظ جو نبی اکرمؐ کے فقر اور انسانوں کے درمیان برتری کے معیار کو بیان کرتے ہیں حضرت ابوطالبؑ کی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ انسان کو شرافت اور نجابت کی نظر سے دیکھتے ہیں نیز یہ کہ وہ حقائق کے ساتھ عقل و فکر اور بردباری کا رویہ اپناتے تھے۔

ان کے الفاظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قریش اپنا سب کچھ حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ سے منسوب ہونے اور خانہ خدا کے متولی ہونے کو ہی سمجھتے تھے اس امر کی طرف ہم پہلی فصل میں اشارہ کر چکے ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قریش کا یتیم واضح جھوٹ

ابن اسحاق سے نقل کیا گیا ہے کہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے حضورؐ سے کہا اے محمدؐ کیا شادی نہیں کرو گے؟ آپؐ نے فرمایا: کس سے؟ اس نے جواب دیا: میرے ساتھ۔ آپؐ نے پھر فرمایا: یہ کیسے ممکن ہے کہ میں تم سے شادی کروں؟ جبکہ تم قریش کی بے شوہر عورت ہو اور میں قریش کا یتیم ہوں۔ خدیجہ نے جواب دیا آپؐ رشتہ مانگیں ... (۱)

بلکہ بعض نے تو یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابوطالبؑ نے آنحضرتؐ سے کہا مجھے ڈر ہے کہ وہ یہ کام نہیں کریں گے کیونکہ وہ قریش کی بے شوہر خاتون ہے اور آپؐ یتیم قریش ہیں۔ اس کے بعد ابوطالبؑ نے حضرت حمزہؑ کو اپنی جگہ پر بھیجا کیونکہ انہیں اس بات کا خوف تھا کہ کہیں وہ انکار نہ کر دیں اور یوں ان کی بے عزتی ہو جائے۔ (۲)

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے حضرت ابوطالبؑ سے کہا کہ اپنے بھتیجے کیلئے میرے چچا سے میرا رشتہ مانگو تو حضرت ابوطالبؑ نے کہا "خدیجہ! مجھ سے مذاق نہ کرو"۔ (۳)

ہمیں ان روایات کے جھوٹے ہونے میں کوئی شک نہیں ہے کیونکہ ایک ایسے شخص سے جسکی عمر ۲۵ سال سے زیادہ ہو ایسے الفاظ کس طرح صادر ہوسکتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو یتیم کہے جبکہ اسکی تربیت اور پرورش عرب کے معزز ترین اور نجیب ترین گھرانے میں ہوئی ہو۔ کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ عربی زبان میں غیر بالغ پر لفظ یتیم کا اطلاق نہیں ہوتا؟ علاوہ ازیں اس شخصیت سے ایسے الفاظ کا اظہار جسکا گھرانہ عرب کا سب سے معزز اور نجیب گھرانہ تھا نیز آپکی خود داری و عزت نفس بھی ناقابل بیان حد تک تھی، ناممکن اور محال ہے۔

۱۔ سیرت حلبیۃ ج ۱ ص ۱۳۸

۲۔ ابو ھلال عسکری کی الاوائل ج ۱ ص ۱۶۰ اور ۱۶۱

۳۔ سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۱۳۸

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہاں پر بعض محققین نے ایک سوال کا اضافہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ "کیوں صرف محمدؐ کو ہی یتیم کہا گیا ہے جبکہ حضرت عبد المطلبؑ کی وفات کے بعد حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ بھی کم سن تھے اور سن بلوغ تک نہیں پہنچے تھے" (۱)

اسی طرح حضرت ابوطالبؑ سے منسوب باتوں کا بھی جواب یہی ہوسکتا ہے خاص کر اس صورت میں کہ انھوں نے پیغمبر اکرمؐ کی اس قدر زیادہ تعریف اور مدح کی ہو (جسکا ذکر گزر چکا ہے) اور شاید یہ کہنا صحیح ہو کہ ایسی باتیں قریش کی خواتین نے بنائی ہوں جیساکہ حضرت خدیجہ (س) کی پیغمبر اکرمؐ سے پہلے دو مردوں کے ساتھ شادی کے قصے میں ذکر ہوگا۔

ان لوگوں کو بھی یہی جواب دیا جا سکتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے یتیم ہونے کی وجہ سے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کا چچا آپؐ سے ان کی شادی سے خوش نہ تھا (۲) پس خدیجہ نے ایک منصوبہ سوچا اور اسے شراب پلا دی اور یوں اس نے حالت مستی میں حضرت خدیجہ (س) کی حضرت محمدؐ سے شادی کر دی جب وہ ہوش میں آیا تو اس نے دیکھا کہ معاملہ انجام پا چکا ہے لہذا قبول کرنے کے سوا اسے کوئی راہ دکھائی نہ دی۔

اسی طرح بعض دوسرے افراد کا قول بھی بے اساس ہے جو یہ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ شادی سے پہلے حضرت خدیجہ (س) کے پاس گئے اس نے آپؐ کا ہاتھ پکڑا اور سینے سے لگا لیا (۳) اس کے علاوہ اور بھی عجیب و غریب قسم کے اقوال ہیں جو حضور اکرمؐ کی سیرت اور اخلاق حسنہ کے منافی ہیں۔

یہ سب کچھ جھوٹ کا پلندا ہے ان کا مقصد پیغمبر اکرمؐ کی عظمت اور شان کم کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہے یہ سب دشمن کی کارستانیاں اور شیطانی چالیں ہیں۔ خدا ہمیں

۱۔ اس کا ذکر محقق جلیل سید مہدی روحانی نے کیا ہے۔

۲۔ سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۱۳۸

۳۔ سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۱۴۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پستی اور ذلت سے محفوظ رکھیں۔

کیا آپ ؐ نے دولت کے لالچ میں شادی کی؟

بعض مستشرقین جو ہمیشہ اسلام پر ناروا تہمتیں لگاتے رہتے ہیں اور تمام تاریخی شواہد ان کی تکذیب کرتے ہیں، نے ذکر کیا ہے کہ آنحضرت ؐ نے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا سے دولت کے لالچ میں شادی کی تھی۔

ہم اس ہذیان کے جوابات دے کر خواہ مخواہ اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے، کیونکہ حضور اکرم ؐ کی زندگی ابتداء سے لے کر انتہا تک اس بات کی بہترین گواہ ہے کہ آپ ؐ نے مال و دولت سے ہمیشہ بے اعتنائی برتی اور اسے حقیر سمجھا ہے۔

حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے اپنی تمام دولت رضا و رغبت سے خرچ کی البتہ پیغمبر اکرم ؐ اور آپ ؐ کی خوشیوں کے لئے نہیں بلکہ دعوت اسلام کی راہ میں اور اس دین کے لئے خرچ کی۔ اسی طرح حضرت خدیجہ نے ہی آنحضرت ؐ کو شادی کا پیغام بھیجا تھا نہ کہ حضور اکرم ؐ نے جو یہ کہا جائے کہ آپ ؐ نے مال و ثروت کے لالچ میں حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا سے شادی کی تھی۔

آنحضرت ؐ، حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا سے بہت زیادہ محبت اور ان کا احترام کرتے تھے۔ ان کی وفات کے بعد بھی آپ ؐ کا رویہ یہی ہوتا تھا یہاں تک کہ کبھی کبھار آنحضرت ؐ کے اسی رویے کی وجہ سے آپ ؐ کی بعض ازواج جوش میں آجاتی تھیں حالانکہ انہوں نے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کو دیکھا تھا نہ ان کے ساتھ زندگی گزاری تھی۔ یہی بات شیخ محمد حسن آل یاسین کی نظر کے مطابق اس تفکر کے بطلان پر واضح دلیل ہے۔ (۱)

۱۔ کتاب النبوۃ ص ٦٣

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خدیجہ (س) - ایک اعلیٰ نمونہ

یہاں ہمیں حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی طرف سے نبی اکرمؐ کو ازدواج کی تجویز کے بارے میں کہنا چاہیے کہ ایک آزاد، سمجھدار اور عقلمند خاتون ایسا ہی کرتی ہے وہ دنیاوی زرق برق کی وجہ سے مغرور نہیں ہوتی، وہ لذت برائے لذت یا مال و شہرت کے پیچھے نہیں جاتی بلکہ اسے ایسی چیزوں کی تلاش ہوتی ہے جن کے ذریعے سے زندگی کے اعلیٰ مقاصد حاصل ہو سکیں اور وہ ان پر عمل کرے جیساکہ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے کیا۔

خدیجہ نے زعماء قریش جو مالدار، قدرت مند، صاحب اقتدار، طاقتور اور صاحبان جاہ و مقام تھے کو یکسر ٹھکرا دیا۔ اسے ایک مرد فقیر کی تلاش تھی جس کے پاس کچھ بھی نہ تھا اس نے اپنی طرف سے پیغمبر اسلامؐ کو شادی کا پیغام بھیجا کیونکہ اس کی نظر میں مذکورہ چیزوں کی کوئی اہمیت نہ تھی کیونکہ کبھی کبھار یہی چیزیں انسان اور اس کی زندگی کی بربادی کا موجب بن جاتی ہیں بلکہ پوری انسانیت کا خاتمہ کر دیتی ہیں۔ خدیجہؑ کے مدنظر صرف اور صرف اخلاق فاضلہ، عادات پسندیدہ، عملی حقیقت پسندی اور ہدف کی بلندی تھی۔

کیونکہ ان امور کے ذریعے سے مال و دولت، قدرت و طاقت اور جاہ و عظمت کو تسخیر کیا جا سکتا ہے اور ہر چیز کو انسان اور انسانیت اور اس کے مراتب عالیہ میں کمال کے لئے بروئے کار لایا جا سکتا ہے۔

قریشی عورتوں میں خدیجہ (س) کا مقام

یہاں پر اس بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہے کہ تمام مورخین اپنے انداز بیان کے ذوق اور طریقہ کار کے اختلاف کے باوجود حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ قریش کی وجیہہ ترین خاتون تھیں اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ آنحضرتؐ کی تمام ازواج مطہرات میں سے حضرت خدیجہ افضل ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شاید پیغمبر اکرمؐ کی بعض ازواج کے حضرت خدیجہ (س) سے ان کی وفات کے بعد بھی حسد کا سبب یہی ہو اسی لئے وہ ہمیشہ ان کی عیب جوئی کرتی اور نقص نکالتی رہتی تھیں جبکہ وہ ان کے ساتھ پیغمبر اکرمؐ کے گھر میں ہرگز اکٹھی نہیں رہی تھیں۔ اور شاید نبی اکرمؐ کی ازواج میں فضیلت و برتری محبت و اخلاص بلکہ خوبصورتی کے لحاظ سے بھی ام سلمہ سلام اللہ علیہا کو دوسرا مقام حاصل تھا۔ جیساکہ امام محمد باقرؑ کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے۔

بہرحال حضورؐ کی صاحب جمال و صاحب اخلاص بیویاں ہمیشہ ان بیویوں کی طرف سے مہلک قسم کے حسد اور سازشوں کا شکار رہتی تھیں جن کا حسن و جمال سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔ یہ بیویاں رسول خداؐ کے سامنے مکمل ادب و احترام کا خیال بھی نہیں رکھتی تھیں بلکہ وہ اپنے اعمال اور کرتوتوں کی وجہ سے آنحضرتؐ کو تکلیف پہنچاتی تھیں۔ البتہ اس مطلب کی مزید وضاحت آگے آئے گی۔

کیا حضرت خدیجہ (س) کنواری تھیں؟

بعض افراد کا کہنا ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت عائشہ کے علاوہ کسی کنواری لڑکی سے شادی نہیں کی۔ حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرمؐ کے ساتھ ازدواج سے پہلے دو اور مردوں، عتیق بن عابد مخزومی اور ابوہالہ تمیمی سے یکے بعد دیگرے شادیاں کیں اور ان دونوں سے آپ صاحب اولاد بھی تھیں۔

لیکن ہم اس دعوی کو شک و تردد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں بلکہ قوی احتمال یہ ہے کہ اس مسئلہ میں بہت ساری باتیں سیاسی مقاصد کے لئے گھڑی گئی ہیں۔ یہاں پر ہم اس اختلافی بحث کو چھیڑنا نہیں چاہتے کہ ابوہالہ کون تھا۔ کیا وہ نباش بن زرارہ تھا یا زرارہ بن نباش؟ یا هند بن مالک اور کیا وہ صحابی تھا یا نہیں؟

اسی طرح ہم اس بات کے بھی متعرض نہیں ہوتے کہ خدیجہ کے بطن سے ھند نام کی جو اولاد متولد ہوئی وہ پہلے خاوند کی تھی یا دوسرے کی؟ اگر عتیق کا تھا تو بیٹا تھا ورنہ بیٹی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور یہ کہ کیا وہ جنگ جمل میں حضرت علیؑ کے لشکر کے ساتھ مارا گیا یا بصرہ میں طاعون کی بیماری سے وفات پا گیا۔ (۱) ہم ان بحثوں کو طول دینا نہیں چاہتے بلکہ یہاں پر ہم مندرجہ ذیل امور کے تذکرے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اول: ابن شہر آشوب کہتے ہیں کہ احمد بلاذری اور ابو القاسم کوفی نے اپنی اپنی کتابوں میں، مرتضیٰ نے اپنی کتاب شافی میں اور ابو جعفر نے تلخیص میں نقل کیا ہے کہ "رسول اللہؐ نے جب حضرت خدیجہ (س) سے شادی کی تو وہ باکرہ تھیں"۔

اس کی مزید تائید "الانوار و البدع" نامی کتابوں میں مذکور اس بات سے ہو جاتی ہے کہ "رقیہ اور زینب حضرت خدیجہ (س) کی بہن ہالہ کی بیٹیاں تھیں"۔ (۲)

دوم: ابو القاسم کوفی کہتے ہیں کہ "اس امر پر اہل قلم اور احادیث کے ناقلین میں سے ہر خاص و عام کا اتفاق ہے کہ قریش کے سرداروں، روسا اور نوجوانوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس نے حضرت خدیجہ (س) کو شادی کا پیغام نہ بھیجا ہو مگر حضرت خدیجہ (س) نے سب کو منفی جواب دے دیا۔ جب رسول اکرمؐ نے ان سے شادی کی تو قریش کی خواتین ان سے ناراض ہو گئیں اور ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ خواتین ان سے کہتی تھیں کہ "قریش کے امراء اور روسا نے تم سے شادی کی خواہش کی تم نے ان سب کو

۱۔ ان اختلافات سے مزید آگاہی کے لئے مندرجہ ذیل مصادر کی طرف رجوع کیا جائے اور ان کا آپس میں موازنہ کیا جائے۔

الاصابة ج ۳ ص ٦١١ اور ٦١٢، مصعب زبیری کی کتاب نسب قریش ص ۲۲، سیرۃ حلبیة ج ۱ ص ۱۴۰ قاموس الرجال ج ۱۰ ص ۴۳۱ اور اسد الغابة ج ۵ ص ۱۲، ۱۳ اور ۷۱ وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ مناقب آل ابی طالب ج ۱ ص ۱۵۹، بحار الانوار، رجال المامقانی اور قاموس الرجال یہ سب مناقب سے نقل کرتے ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ٹھکرا دیا اور تنگدست، فقیر اور ابوطالب کے یتیم سے شادی رچا لی"۔ پس ایسی صورت حال میں سمجھدار افراد کی نظر میں یہ بات کیونکر ممکن ہے کہ حضرت خدیجہ قریش کے سرداروں کے رشتوں کو تو رد کر دے لیکن بنی تمیم کے ایک دیہاتی سے شادی کر لے۔ کیا اہل فکر و نظر اسے واضح طور پر محال اور نہایت بیہودہ بات نہیں سمجھتے؟ (۱)

مذکورہ بالا گفتگو میں اس بات کو کہ ایسی شریف اور حسین و جمیل خاتون اتنی لمبی مدت تک شادی کے بغیر رہی ہو بعید از قیاس قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اس سے "الاستغاثہ" کی دلیل کمزور نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس کی شرافت اور حسن اس امر کی دلیل نہیں بن سکتا کہ وہ قریش کے سرداروں کو ٹھکرا دے اور بنی تمیم کے اعرابی سے رشتہ جوڑ لے۔ اب رہی یہ بات کہ ان کے باپ یا ولی نے انہیں اتنی عمر تک کیوں بٹھائے رکھا؟ جیساکہ پہلے بیان ہوچکا ہے تو واضح ہے کہ ان کا باپ فجار کی لڑائی میں قتل ہوگیا تھا اور ولی کے پاس باپ کی ولایت نہیں تھی تاکہ وہ جس سے چاہتا اسے شادی پر مجبور کرتا۔ علاوہ ازیں ایک پاک دامن، عفیف اور حسین خاتون کا باکمال اور صاحب فضیلت مرد کے انتظار میں زیادہ مدت کنواری بیٹھنا زیادہ بعید بھی نہیں ہے خصوصاً اس دور میں جب ایسا انسان نایاب ہو۔

سوم: اس مقام پر ان اقوال کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے جن میں نبی اکرمؐ کے علاوہ دوسروں سے حضرت خدیجہ (س) کے صاحب اولاد ہونے کا ذکر ہوا ہے۔

الف۔ بعض لوگوں نے ذکر کیا ہے کہ جب نبی اکرمؐ نے اعلانیہ طور پر اسلام کی دعوت کا آغاز فرمایا تو اسلام کے سب سے پہلے شہید، حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے بیٹے حارث بن ابی ہالہ تھے۔ (۲)

۱۔ الاستغاثہ ج ۱ ص ۷۰

۲۔ ابو ہلال عسکری کی الاوائل ج ۱ ص ۳۱۱ اور ۳۱۲؛ الاصابۃ ج ۱ ص ۲۹۳ یہاں پر ابو ہلال، ابن کلبی اور ابن حزم سے نقل کیا گیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لیکن اس بات کے دعویدار قتادہ کی صحیح سند کے ساتھ نقل ہونے والی اس روایت کا کیا جواب دیں گے کہ "اسلام کا اولین شہید، حضرت عمار یاسر کی ماں سمیہ ہیں"۔ (۱) یہی بات مجاہد سے بھی نقل کی گئی ہے۔ (۲)

ب۔ روایت کی گئی ہے کہ حضرت خدیجہ (س) کی ایک بہن تھیں جن کا نام "ہالہ" تھا (۳) اس نے قبیلہ مخزوم کے ایک شخص سے شادی کی، اس سے ایک لڑکی بنام ہالہ پیدا ہوئی۔ پھر اس نے ایک تمیمی شخص جسے ابو ھند کہا جاتا تھا سے شادی کی، اس کی صلب سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام ھند رکھا گیا۔ اس تمیمی شخص کی دوسری بیوی سے دو بیٹیاں رقیہ اور زینب نام کی تھیں۔ یہ تمیمی شخص اور اس کی دوسری بیوی دنیا سے چل بسے۔ اس کے بعد ہند اپنے باپ کی قوم سے ملحق ہوگیا اور حضرت خدیجہ کی بہن ہالہ اور اس کی دو سوتیلی بیٹیاں اور اس تمیمی کی دوسری بیوی باقی رہ گئیں۔ اس کے بعد یہ تینوں حضرت خدیجہ کے پاس رہنے لگیں۔ حضرت خدیجہ کی رسول اللہ سے شادی کے بعد ہالہ کا انتقال ہوگیا اور وہ دونوں لڑکیاں رسول اللہ اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کے دامن میں پرورش پانے لگیں۔

عربوں کا یہ نظریہ تھا کہ "ربیبة" (۴) انسان کی بیٹی ہوتی ہے۔ اس لئے انھوں نے دو لڑکیوں رقیہ اور زینب کو آنحضرتؐ سے منسوب کیا جبکہ وہ حضرت خدیجہ کی بہن کے خاوند ابو ھند کی بیٹیاں تھیں اور یہی بات خود ھند کے بارے میں بھی ہے۔ (۵)

۱۔ الاصابة ج ۴ ص ۳۳۵ اور طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۹۳ طبع لیدن

۲۔ الاستیعاب حاشیہ الاصابہ ج ۴ ص ۳۳۱

۳۔ اس کا نام انساب کی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے مثال کے طور پر مصعب زبیری کی "نسب قریش" ص ۱۵۷ اور ۱۵۸

۴۔ اس بچے کو کہا جاتا ہے جو ماں باپ کے علاوہ کسی اور کی گود میں پلا بڑھا ہو

۵۔ الاستغاثہ ج ۱ ص ۶۹-۶۸ اور مکارم الاخلاق میں چھاپ شدہ رسالہ ص ۶۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ھند کے باپ کے نام پر جو اختلافات پایا جاتا ہے شاید اسی سے ان روایات کی تائید ہوتی ہو۔ مزید وضاحت کیلئے جن مدارک کا ہم نے وہاں ذکر کیا، انکی طرف رجوع کیا جائے۔

کیا عثمان کی دو بیویاں پیغمبرؐ کی بیٹیاں تھیں؟

جو کچھ ہم نے کتاب الاستغاثہ سے ابھی نقل کیا ہے اس کے علاوہ ہم یہ بھی بیان کرتے چلیں کہ عثمان کی بیویوں کے پیغمبرؐ کی بیٹیاں نہ ہونے پر دلالت کرنے والی باتوں میں سے ایک وہ اقوال ہیں جو مذکورہ قول کے منافی ہیں۔ علاوہ برآں ان میں سے ایک "مقدسی" کا قول ہے جو اس نے سعید بن ابو عروۃ اور اس نے قتادہ سے نقل کیا ہے کہ "اسلام سے قبل حضرت خدیجہ (س) کے بطن سے آنحضرتؐ کا ایک بیٹا عبد مناف پیدا ہوا اور اسلام کے بعد انہوں نے دو بیٹوں اور چار بیٹیوں کو جنم دیا۔ ایک بیٹے کا نام قاسم تھا، جس کی وجہ سے آپؐ کی کنیت ابو القاسم ہے۔ یہ بچہ جب چلنے کے قابل ہوا تو فوت ہوگیا۔ دوسرے بیٹے کا نام عبداللہ تھا یہ ایام طفولیت میں وفات پاگیا اور بیٹیوں کے نام ام کلثوم، زینب، رقیہ اور فاطمہ تھے۔ (۱) قسطلانی اپنے کلام کے دوران کہتا ہے "کہا گیا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کا ایک بیٹا بنام عبد مناف بعثت سے قبل پیدا ہوا اور یوں آپؐ کی اولاد کی تعداد بارہ تک پہنچ جاتی ہے سوائے اس بیٹے کے باقی سارے بعثت کے بعد متولد ہوئے۔ (۲) جیساکہ بعض افراد نہایت صراحت کے ساتھ کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ رقیہ ان سب سے چھوٹی تھیں یعنی جناب فاطمہ (س) سے بھی چھوٹی تھیں۔ (۳)

۱۔ البدء و التاریخ ج ۵ ص ۱۶ اور ج ۴ ص ۱۳۹

۲۔ المواھب اللدنیۃ ج ۱ ص ۱۹۶

۳۔ جرجانی کی الاصابۃ ج ۴ ص ۳۰۴ کی طرف رجوع کیا جائے، الاستیعاب (الاصابۃ کے حاشیہ کے ساتھ) ج ۴ ص ۲۹۹ اور نسب قریش ص ۲۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ان باتوں کی روشنی میں یہ قول کیسے درست ہو سکتا ہے اور ہم کیونکر اس کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ رسول اکرمؐ کی ان دو بیٹیوں کی شادی دور جاہلیت میں ابو لہب کے دو بیٹوں سے ہوئی جب اسلام آیا تو وہ ان سے جدا ہو گئیں۔

مقدسی کہتا ہے کہ "پس رسول اللہ نے رقیہ کی شادی عثمان بن عفان سے کر دی اور رقیہ نے عثمان کے ساتھ دو بار حبشہ کی طرف ہجرت کی اور پہلی ہجرت کے دوران کشتی میں ان کا حمل ساقط ہوا۔ (۱)

ہم کیسے اس بات پر یقین کر لیں جبکہ ہم جانتے ہیں کہ حبشہ کی طرف پہلی ہجرت بعثت کے پانچویں سال انجام پائی۔ اس صورت میں یہ کس طرح ممکن ہے کہ رقیہ بعثت سے پہلے ابو لہب کے بیٹے سے شادی کرے پھر اس سے علیحدگی اختیار کر کے عثمان سے نکاح کرے اور حبشہ کی طرف ہجرت سے پہلے اس سے حاملہ بھی ہو جائے۔ حالانکہ وہ بعثت کے بعد پیدا ہوئی تھی یہ بات واقعاً عجیب و غریب ہے۔

یہی مطلب اس امر کی بھی تصدیق اور تائید کرتا ہے کہ رقیہ جو عثمان کی بیوی تھی وہ اس رقیہ کے علاوہ تھی جس کے بارے میں ادعا کیا جاتا ہے کہ وہ رسول اللہ کی بیٹی تھیں اور بعثت کے بعد متولد ہوئی تھیں۔ پس اس بنا پر عثمان سے شادی کرنے والی رقیہ آنحضرتؐ کی ربیبہ بیٹی ہو سکتی ہے نہ کہ آپؐ کی حقیقی بیٹی۔ البتہ جیساکہ بیان ہو چکا ہے کہ عرب کے لوگ انسان کی ربیبہ کو بھی اس کی بیٹی کہتے ہیں۔ ام کلثوم کے بارے میں بھی یہی جواب دیا جا سکتا ہے کہ وہ بھی بعثت کے بعد پیدا ہوئیں۔ (پس وہ لڑکی جس نے دور جاہلیت میں ابو لہب کے بیٹے سے شادی کی ہو اور اسلام آنے کے بعد عثمان کی دوسری بیوی قرار پائی ہو، پیغمبر اسلامؐ کی بیٹی نہیں ہو سکتی)۔

۱۔ البدء و التاریخ ج ۵ ص ۱۷

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کیا زینب رسول اللہ کی بیٹی تھی یا ربیبہ

ہم اطمینان اور یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ زینب آنحضرتؐ کی دختر تھی۔ اس کی چند وجوہات ہیں۔

۱۔ مغلطای حضرت خدیجہ (س) کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہے "پھر اس نے ابو ہالہ نباش بن زرارہ سے شادی کی اور اس شوہر سے اس کی اولاد ہند، حرث اور زینب ہوئی اور خود اس (خدیجہ) کی کنیت ام ہند قرار پائی اور اسے طاہرہ پکارا جانے لگا"۔ (۱)

۲۔ عمرو بن دینار روایت کرتا ہے کہ اسے حسن بن محمد بن علی نے خبر دی ہے کہ "ابوالعاص ابن ربیع بن عبدالعزیٰ بن عبدالشمس بن عبدمناف جو خدیجہ کی بیٹی کا شوہر تھا، قید ہو کر حضور اکرمؐ کے پاس لایا گیا جسے پیغمبرؐ کی دختر زینب نے آزاد کر دیا"۔ (۲)

اس میں نکتہ یہ ہے کہ پہلے اس نے اسے خدیجہ کی بیٹی سے تعبیر کیا ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ پیغمبرؐ کی بیٹی نہیں تھی اگرچہ بعد میں اسے رسول اللہ کی بیٹی کے طور پر ذکر کیا ہے۔ یہ بات بعید از قیاس نہیں ہے کہ اس کا مقصد یہ ہو کہ چونکہ آنحضرتؐ نے اسے پالا تھا اس لئے وہ باپ کا درجہ رکھتے تھے بصورت دیگر اس نے پہلے کیوں اسے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا سے نسبت دی ہے اور صرف ان کی بیٹی قرار دی۔

۳۔ شیخ محمد حسن آل یاسین زینب کے بارے میں کہتے ہیں کہ "بعض مآخذ کے مطابق جب آنحضرتؐ کی عمر مبارک ۳۰ سال تھی تو زینب پیدا ہوئی (۳) اور ابو العاص بن

۱۔ سیرۃ مغلطای ص ۱۲

۲۔ حافظ عبد الرزاق کی المصنف ج ۵ ص ۲۲۴

۳۔ اسد الغابۃ ج ۵ ص ۴۶۷، نہایۃ الارب ج ۱۸ ص ۲۱۱ اور الاستیعاب حاشیہ الاصابۃ ج ۴ ص ۳۱۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ربیع نے اس سے قبل از بعثت شادی کی اور اس سے اس کے دو بچے پیدا ہوئے ایک کا نام علی تھا جو بچپنے میں فوت ہو گیا دوسرے کا نام امامہ تھا جو اسلام کی ابتداء میں ہی ماں کے ایمان لانے کے ساتھ ایمان لے آیا"۔ (۱)

یہ بات غیر معقول ہے کیونکہ ایک ۱۰ سالہ لڑکی کے لئے کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ وہ اس عمر میں شادی کرے اور ایک بچی کو جنم دے وہ اتنی بڑی بھی ہو جائے کہ بعثت کے آغاز میں ہی اپنی ماں کے ہمراہ ایمان بھی لے آئے۔ جبکہ خود اس کی یعنی ماں کی عمر کے ابھی ۱۰ سال بھی پورے نہ ہوئے ہوں۔ (۲)

ان مذکورہ مطالب کی وضاحت کے بعد ہم وثوق اور اعتماد سے یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ عثمان نے آنحضرتؐ کی دو بیٹیوں سے عقد کیا کیونکہ قوی احتمال یہ ہے کہ وہ آپؐ کی ربیبہ (لے پالک) بیٹیاں تھیں۔ اور اسی طرح یہ نسبت دینا کہ زینب ابو العاص کی زوجہ تھیں بھی اطمینان آور نہیں ہے۔

علیؑ کے رقیب

شاید دوسروں کی طرف سے ان کو رسولؐ اللہ کی بیٹیاں ثابت کرنے کا اور اسے مسلمات میں سمجھنے کا سبب حضرت علی علیہ السلام کے بیرونی فضائل کے مقابلے میں رقیب سازی ہو۔ اسی وجہ سے انھوں نے عثمان کو "ذو النورین" کے لقب سے نوازا ہے جبکہ وہ جانتے ہیں کہ ان دو بیویوں کے ساتھ عثمان کا وہ رویہ نہ تھا جس طرح یہ لوگ ثابت کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ ہم ان دونوں کی وفات کے حوالے سے گفتگو میں اس طرف اشارہ کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

۱۔ کتاب النبوۃ حاشیہ ص ٦۵

۲۔ کتاب النبوۃ پر شیخ محمد آل یاسین کے حاشیے ص ٦۵ کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہیں اس خود ساختہ روایت کی حقیقت بھی سامنے آجاتی ہے حضرت علیؑ کے ساتھ ابو جہل کی لڑکی کی شادی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں رسولؐ اللہ نے ابو العاص کی آپ سے دامادی کو سراہا اور یہ علیؑ پر تعریض کرنے کے لئے ہے۔ وہی علیؑ جس کی عیب جوئی اور بے حرمتی بیان کرنے کے وہ درپے تھے۔ اس جعلی حدیث کے متعلق بھی ہم بہت جلد گفتگو کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

رسول اللہ سے شادی کے وقت حضرت خدیجہؑ کی عمر

حضور اکرمؐ سے شادی کے وقت حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کی عمر کیا تھی؟ اس بارے میں مختلف اقوال نقل ہوئے ہیں۔ بعض ان کی عمر ۲۵ سال بتاتے ہیں، بعض ۲۸ سال، کچھ ۳۰ سال، کچھ ۳۵ سال اور کچھ ۴۰ سال بیان کرتے ہیں، اور ایک گروہ ۴۵ سال ذکر کرتا ہے۔ (۱) کچھ افراد پہلے قول کو ترجیح دیتے ہیں (۲) جبکہ مورخین کے درمیان قول پنجم مشہور ہے اور اکثر اسی کو پسند کرتے ہیں۔

امیر المومنینؑ کی تاریخ ولادت

حضرت علیؑ کی تاریخ ولادت کے بارے میں تقریباً بارہ قول موجود ہیں جن میں آپ کی تاریخ ولادت ۷ سال قبل از بعثت سے لے کر ۱۶ سال قبل از بعثت تک بتائی گئی ہے۔

۱۔ تاریخ الخمیس ج۱ ص ۲۶۴، سیرۃ حلبیۃ ج۱ ص ۱۴۰، سیرۃ مغلطای ص ۱۲ بحار الانوار ج۱۶ ص ۱۲ و ۱۹ اور البدایہ و النہایۃ ج۲ ص ۲۹۵ کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ جلال مظہر نے اپنی کتاب "محمد رسول اللہ، سیرتہ و اثرہ فی الحضارۃ" میں اسی قول کو اختیار کیا ہے لیکن اس ترجیح کی کوئی وجہ بیان نہیں کی۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کچھ تو ۲۰ سال اور بعض ۲۲ سال قبل از بعثت بھی بتاتے ہیں۔ (۱)

۱۔ مذکورہ اقوال کو کلی یا جزئی طور پر مندرجہ ذیل کتب میں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

* عبد الرزاق کی کتاب المصنف ج ۵، عقد الفرید ج ۳ ص ۳۱۱، انساب الاشراف، مقاتل الطالبیین ص ۲۶، الانس الجلیل ج ۱ ص ۱۷۸، التہذیب ج ۷ ص ۳۳۶، الاوائل، تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۷۹ نے شواہد النبوۃ سے نقل کیا ہے، طبقات ابن سعد طبع لیدن ج ۳ ص ۱۳، ابن قتیبۃ کی المعارف ص ۵۱، حیات الحیوان ج ۱ ص ۵۳، بحار الانوار، ینابیع المودۃ، تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۳۳، ذخائر العقبی ص ۵۸، الاستیعاب، سنن البیہقی ج ۶ ص ۲۰۶، نزہۃ المجالس، مناقب الخوارزمی، اسد الغابۃ ج ۴ ص ۱۸-۱۶، البدایۃ و النہایۃ، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۰۲، فتح الباری ج ۷ ص ۵۷، احقاق الحق ج ۷ ص ۵۳۸-۵۵۳۔
* بعثت سے ۱۰ سال قبل والا قول ان کتب میں ذکر ہوا ہے: الفصول المہمۃ از ابن الصباغ ص ۱۲، الاستیعاب ج ۳ ص ۳۰ ط صادر، طبقات ابن سعد طبع مصر ج ۳ ص ۲۱، سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۲۶۲، الکافی ج ۱ ص ۳۷۶، ارشاد المفید ص ۹، اعلام الوری ص ۱۵۳، مناقب آل ابیطالب ج ۲ ص ۴۸، تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۸۶، مستدرک الحاکم ج ۳ ص ۱۱۱، تلخیص مستدرک ذہبی کے حاشیہ کے ساتھ، مناقب الخوارزمی ص ۱۷، تاریخ الخلفاء ص ۱۶۶، البدایۃ و النہایۃ ج ۳ ص ۲۶، ذخائر العقبی، انساب الاشراف اور احقاق الحق کے ملحقات کی ساتویں جلد۔
* قبل از بعثت ۱۲ سال پہلے والے قول کے لئے ان کتابوں کی طرف رجوع کریں: البحار ج ۳۵ ص ۷، احقاق الحق ج ۷ ص ۵۳۹ از نہایۃ الارب ج ۸ ص ۱۸۱

jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ان اقوال کی تعداد بارہ سے کم ہو سکتی ہے بشرطیکہ ہم یہ کہیں کہ بعثت سے پہلے ۱۲ سال والے نظریے اور ۱۵ سال والے نظریے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اگر دوسرے نظریے کا قائل نبوت کے پہلے تین سالوں کو شمار نہ کرتا ہو کیونکہ اس عرصے میں آنحضرتؐ نے آشکارا طور پر اسلام کی دعوت نہیں دی تھی اور شاید مکے میں آپؐ کی مدت نبوت کے بارے میں اختلاف (کہ وہ ۱۰ سال تھی یا ۱۳ سال) کا سبب بھی یہی نکتہ ہو۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کا یہ نظریہ بھی ہے کہ اسلام کی خفیہ دعوت ۵ سال تک جاری رہی۔ اس نظریے کو سامنے رکھتے ہوئے بہت سے اقوال میں موجود فرق کو کم کیا جاسکتا ہے اور اقوال کو یکجا کیا جا سکتا ہے لیکن بہرحال یہ صرف ایک احتمال ہی ہے۔

بہرحال اگرچہ ۱۲ سال والا نظریہ اہلبیتؑ سے نقل ہوا ہے لیکن اس کے مقابلے میں ایک اور قول بھی اہلبیت سے روایت ہوا ہے جس کے مطابق آپؐ کی ولادت بعثت سے ۱۰ سال قبل ہوئی۔ اور یہی قول ہمارے علماء اور دوسروں کے درمیان مشہور ہے جیسا کہ مندرجہ بالا منابع سے ظاہر ہوتا ہے۔

اسی دلیل کی بنا پر ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ یہی نظریہ جو مشہور بھی ہے قابل اعتماد اور معتبر ہے بالخصوص جب یہ اہلبیتؑ جو سب سے اعلم ہیں، سے منقول ہو۔

اور الاستیعاب ج ۳ ص ۳۰۔

مذکورہ اقوال میں سے بہت سے مندرجہ ذیل منابع سے نقل کئے گئے ہیں:

* اکمال الرجال ص ۶۸۴، روضۃ الندیۃ ص ۱۳، احکام الاحکام ج ۱ ص ۱۹۰، انباہ الرواۃ فی انباہ النحاۃ ج ۱ ص ۱۱، نہایۃ الارب ج ۸ ص ۱۸۱، المختصر فی اخبار البشر ج ۱ ص ۱۱۵، نظم درر السمطین ص ۸۱ اور ۸۲، ریاض النضرۃ ج ۲ ص ۱۵۶، الغرۃ المنیفۃ ص ۱۴۶، زرقانی کی شرح المواہب ج ۱ ص ۲۳۲، طبقات المالکیۃ ج ۲ ص ۶۱ اور المصباح الکبیر ص ۵۶۰۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

البتہ بعض افراد نے اس نظریے سے استفادہ کرتے ہوئے ایک مخصوص طرز فکر کے تحت خاص نتائج حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً یہ کہ علیؑ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے تھے تاکہ مردوں میں سے ابوبکر سب سے پہلے ایمان لانے والے بن جائیں۔

یہ بات کسی لحاظ سے بھی صحیح نہیں ہے۔ اس کے بارے میں ہم "حضرت علیؑ کے اسلام" کے عنوان کے ذیل میں بحث کریں گے۔

دو ہاشمیوں سے متولد ہونے والا پہلا ہاشمی

حضور اکرمؐ کے بعد افضل ترین ہستی جس نے دامن وحی میں پرورش پائی اور سینہ نبوت سے غذا حاصل کی جناب امیر المومنین علی علیہ السلام کی شخصیت ہے، جو پہلے ہاشمی فرد تھے، جو ماں باپ دونوں کی طرف سے ہاشمی اور قریشی تھے، ان کے والد گرامی حضرت ابوطالب، شیخ الاباطح تھے اور والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبد مناف تھیں۔

جناب کلینی اور ان کے علاوہ دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ "حضرت علی علیہ السلام وہ پہلے ہاشمی تھے، جو دو طرف سے ہاشمی تھے" اور اسی سے ملتے جلتے الفاظ دوسروں نے بھی ذکر کئے ہیں۔ (۱)

علامہ مجلسی نے اس بارے میں کہا ہے کہ حضرت علیؑ کس طرح پہلے ہاشمی الطرفین ہاشمی ہو سکتے ہیں جبکہ ان سے پہلے ان کے تین سگے بھائی طالب، عقیل اور جعفر پیدا ہو چکے تھے اور علیؑ کی ولادت کو اسلام سے مقید کرنا اعتراض کو حل نہیں کرتا جیساکہ شیخ طوسی نے تہذیب میں اور ان کے علاوہ دوسروں نے بھی کہا ہے۔ کیونکہ اگر مراد یہ ہو کہ علیؑ

۱۔ کافی ج ۱ ص ۴۵۲، مصعب زبیری کی نسب قریش ص ۱۷، شیخ طوسیؒ کی التہذیب ج ۶ ص ۱۹، البحار ج ۳۵ ص ۵ از تہذیب و کافی، اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۶ اور ج ۵ ص ۵۱۷ اور ابن صباغ کی فصول المہمۃ ص ۱۳۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعثت پیغمبرؐ کے بعد دنیا میں تشریف لائے تو یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ اس پر سب متفق ہیں کہ ان کی ولادت بعثت سے پہلے ہوئی ہے اور اگر مراد یہ ہو کہ رسول اللہ کی ولادت کے بعد بنی ہاشم میں فقط وہ پیدا ہوئے تو یہ بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ ان کے اکثر بھائی رسول اللہ کی ولادت کے بعد پیدا ہوئے تھے علاوہ ازیں یہ اصطلاح نامانوس اور غیر مشہور ہے"۔ (۱)

صحیح بات یہ ہے کہ "حضرت علی علیہ السلام کی مادر گرامی پہلی ہاشمی خاتون ہیں جس نے ہاشمی مرد سے ہاشمی بچے کو جنم دیا" جیساکہ یہی بات معتزلی، شہید اول اور ان کے علاوہ دوسروں نے بھی کہی ہے۔ (۲)

امیر المومنینؑ کی کعبہ میں ولادت

روایت ہے کہ حضرت علیؑ کی ولادت باسعادت خانہ کعبہ کے اندر ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ فضیلت خصوصی طور پر انہیں عطا کی جو ان سے پہلے کسی کو حاصل تھی نہ ان کے بعد کسی کو حاصل ہوگی۔ اس حقیقت کو بڑے بڑے علماء اور راویان حدیث کی بہت بڑی تعداد نے صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ شعراء اور ادباء نے اسے نظم و شعر میں پرویا ہے۔

۱۔ بحار ج ۳۵ ص ٦

۲۔ بحار (ج ۳۵ ص ٦) نے شہید اول کی کتاب دروس سے نقل کیا ہے، معتزلی کی شرح نہج البلاغة ج ۱ ص ۱۳ اور ج ۱۵ ص ۲۷۸، البدء و التاریخ ج ۵ ص ۷۵، نسب قریش (مصعب کی کتاب) ص ۳۰، نزهة المجالس ج ۲ ص ۱٦۵، طوپ قپوسرای کی لائبریری میں موجود ابن نعیم کی خطی کتاب معرفة الصحابة نمبر ۸۴۹۷/۱ ورق نمبر ۱۹ نیز ذخائر العقبیٰ ص ۵۵ اور ابن قتیبة کی المعارف ص ۸۸۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شیعوں کے نزدیک یہ روایت مستفیض ہے اسی طرح غیر کتب شیعہ میں بھی یہ روایت مستفیض صورت میں ذکر ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ حاکم اور دوسرے حضرات اس بارے میں یوں کہتے ہیں: "اس بات پر کہ حضرت فاطمہ بنت اسد نے حضرت علی ابن ابیطالب کرم اللہ وجہہ کو کعبہ کے اندر جنم دیا روایات متواتر ہیں"۔

علماء اور مؤرخین کی ایک تعداد نے بطور صریح بیان کیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے سوا کوئی بچہ بھی کعبہ میں پیدا نہیں ہوا۔ (۱)

۱۔ اس بارے میں مندرجہ ذیل کتب کی طرف رجوع کریں:

* مستدرک الحاکم ج ۳ ص ۴۸۳، تلخیص مستدرک کے اسی صفحہ کا حاشیہ، نور الابصار ص ۷۶، ابن صباغ کی فصول المہمۃ ص ۱۲، گنجی شافعی کی کفایۃ الطالب ص ۴۰۷، ابن مغازلی کی مناقب الامام امیرالمؤمنین ص ۷، اس میں ان کی ولادت کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ اسد الغابۃ ج ۴ ص ۳۱، سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۱۳۹، نزھۃ المجالس ج ۲ ص ۲۰۴، تذکرۃ الخواص ص ۱۰، صاحب غدیر نے اپنی کتاب ج ٦ کے ص ۳۸-۲۲ پر دسیوں مصادر سے نقل کیا ہے مثلاً دھلوی کی ازالۃ الخفاء، الالوسی فی شرح الخریدۃ الغیبۃ ص ۱۵، مروج الذھب ج ۲ ص ۲، شرح الشفاء ج ۱ ص ۱۵۱، محمد صالح ترمذی کی المناقب لمحمد، آئینہ تصوف ص ۱۳۱۱، روائح المصطفی ص ۱۰، سید علی جلال الدین کی کتاب الحسین ج۱ ص ۱٦ اسی طرح اس نے دسیوں امامیہ کتب کا بھی حوالہ دیا ہے۔

* ملاحظہ کریں: احقاق الحق پر سید نجفی کا تعلیقہ ج ۷ ص ۴۹۰-۴۸۶، ارجح المطالب ص ۳۸۸ سے نقل کرتے ہیں۔ محاضرۃ الاوائل ص ۷۹، بلخی اپنی کتاب (طبع بمبئی کی) تلخیص ص ۱۱، ابن طلحۃ کی مطالب السئول ص ۱۱،

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سید حمیری (متوفی ۱۷۳ ہجری) کہتے ہیں:

ولدتہ فی حرم الالٰہ و امنہ   و البیت حیث فناؤہ و المسجد

۔ اس کی ماں نے اسے (علیؑ کو) حرم امن الٰہی اور اللہ کے گھر میں پیدا کیا جہاں پر اطراف میں مسجد تھی۔

عبد الباقی العمری کہتے ہیں:

انت العلی الذی فوق العلی رفعا   ببطن مکۃ وسط البیت اذ وضعا

۔ تو وہ علی ہے جو ہر بلندی سے بالا ہے کیونکہ تو مکہ میں خانۂ خدا کے وسط میں پیدا ہوا ہے۔

لیکن علیؑ کے دشمن اپنے بغض و کینہ کی وجہ سے ان کی اس فضیلت پر جو اللہ تعالیٰ نے ان سے مختص کی ہے، ان سے حسد کرنے لگے اور اسی بات کے پیش نظر انھوں نے اس بارے میں علماء، موّرخین اور راویان حدیث کے نظریات کو یکسر ٹھکرا دیا اور ان کی آراء کو دیوار پر دے مارا۔

جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کمال دیدہ دلیری اور پوری ڈھٹائی کے ساتھ اس فضیلت کو حضرت علیؑ کے سوا دوسروں کیلئے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جو چیز حضرت علیؑ کیلئے ثابت ہے اس میں شکوک پیدا کرتے ہیں۔ کتاب نور کا مصنف لکھتا ہے: "حکیم بن حزام

قفال شافعی کی فضائل امیرالمؤمنینؑ (خطی نسخہ)، مفتاح النجاہ ص ۲۰ (خطی) اعلام الوریٰ ص ۹۳، اسی طرح الاستیعاب شواہد النبوۃ و کنوز الحقایق سے بھی نقل ہوا ہے۔

* اس مسئلے میں مکمل طور پر مآخذ اور منابع کی تحقیق کرنا اختصار کے پیش نظر یہاں پر ایک مشکل کام ہے یہاں پر جو کچھ کیا گیا ہے وہ اہل حق اور حق کے متلاشی کے لئے کفایت کرتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کعبہ کے اندر پیدا ہوا اس کے علاوہ کسی اور کے بارے میں ہم نہیں جانتے اور جو کچھ علیؑ کے متعلق نقل ہوا کہ وہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے وہ علماء کے نزدیک ضعیف ہے"۔ (۱)

اس کے بعد حلبی اور دیار بکری نے ان دو نظریات کو آپس میں جمع کرنے اور سازگار بنانے کی کوشش کی اور یہ احتمال دیا کہ ممکن ہے دونوں کی ولادت کعبہ میں ہوئی ہو۔ (۲)

لیکن جناب حلبی اور جناب دیار بکری، ایسا نہیں ہے۔ ان دو نظریات کے درمیان توافق کیونکر ممکن ہے جبکہ علماء کی ایک بہت بڑی تعداد جن کے نام ہم نے ابھی ذکر کئے ہیں اور دوسرے علماء جن کے نام الغدیر اور دوسری کتب میں مذکور ہیں، اس بات پر مصر ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کے سوا کوئی بھی کعبہ میں پیدا نہیں ہوا نہ ان سے پہلے اور نہ بعد میں۔ اور یہ ایک ایسی فضیلت تھی جسے عالم انسانیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف علیؑ سے مختص کیا ہے۔ آپ کس بنیاد پر ان دو نظریوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں حالانکہ حاکم صریحاً کہتا ہے کہ امیر المومنین علیؑ کی خانہ کعبہ میں ولادت کے بارے میں روایات متواتر ہیں۔

حکیم بن حزام کیوں؟!

حکیم بن حزام کیلئے اس فضیلت کو ثابت کرنے کی وجہ صرف یہ ہے کہ زبیریوں کو اس بات سے غرض تھی، کیونکہ وہ زبیر کا چچازاد بھائی ہے اور چچازاد ہونا زبیر کی اولاد کے برابر ہے، وہ حکیم بن حزام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ ہے اور زبیریوں کا سلسلہ نسب بھی اسد بن عبدالعزیٰ پر ختم ہوتا ہے۔ حکیم فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوا۔ اس کا شمار "مولفۃ

۱۔ دیکھئے سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۱۳۹ کعبہ میں انکی ولادت کا ذکر ان کتب میں بھی موجود ہے۔ اسد الغابۃ ج ۲ ص ۴۰ الاصابۃ ج ۱ ص ۳۴۹ اور الاستیعاب حاشیہ الاصابۃ ج ۱ ص ۳۲۰

۲۔ تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۷۹ اور سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۱۳۹۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قلوبھم" میں ہوتا ہے۔ (۱)

وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں اناج کی ذخیرہ اندوزی کرتا تھا، (۲) حضرت عثمان کا زبردست حامی تھا، اور طبری کی تعبیر کے مطابق اس نے حضرت علیؑ سے کنارہ کشی اختیار کی اور کسی بھی جنگ میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوا۔ (۳)

اس صورت حال میں زبیر بن بکار اور مصعب بن عبداللہ (۴) کہ جن کے زبیری اغراض کے حامل ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے، کیوں نہ یہ روایت کریں کہ حکیم کے سوا کوئی اور کعبہ میں پیدا نہیں ہوا۔ اگرچہ ان کی یہ بات تمام متواتر روایات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور ان تمام اقوال کے برخلاف ہو جو صریحاً یہ کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ میں امیرالمومنین علیؑ سے پہلے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہی بعد میں۔

خانہ کعبہ کی تعمیر

کہا جاتا ہے کہ مکہ میں ایک زبردست سیلاب آیا اور کعبہ کے اردگرد سیلاب سے حفاظت کے لئے جو بند بنایا گیا تھا اسے توڑ کر سیلاب کعبہ میں داخل ہوگیا اور اس کی دیواروں میں شگاف ڈال دیئے (دراڑیں ڈال دیں)۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے ایک خاتون، خانہ کعبہ کو "عود" (اگربتی) کے دھوئیں سے یا کسی اور چیز سے خوشبو لگا رہی تھی کہ اچانک ایک چنگاری کعبہ کے غلاف پر جا پڑی اور اسے آگ لگ گئی اس کی وجہ سے کعبہ کی دیواروں کو کافی نقصان پہنچا۔ (۵) اس واقعہ کے بعد سیلاب آیا جس کی وجہ سے دیواریں مزید

۱۔ الاصابۃ ج ۱ ص ۳۴۹، الاستیعاب ج ۱ ص ۳۲۰ (اصابۃ کا حاشیہ)۔

۲۔ وسائل الشیعہ کتاب تجارت ص ۳۱۶

۳۔ قاموس الرجال ج ۳ ص ۳۸۷

۴۔ الاصابۃ ج ۱ ص ۳۴۹ اور مستدرک حاکم ج ۳ ص ۴۸۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

خراب ہوگئیں یہاں تک کہ کسی وقت بھی ان کے گرنے کا خطرہ پیدا ہوگیا۔

بعض افراد کا خیال ہے کہ آتشزدگی کا واقعہ ابن زبیر کے دور میں وقوع پذیر ہوا۔ مشہور مؤرخ حلبی نے اس احتمال کی بنا پر کہ دو بار آتشزدگی ہوئی ہو ان دو اقوال کے باہمی تضاد کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ (۱)

ہم یہ کہتے ہیں کہ آتشزدگی کے واقعے کو ایک اتفاقی حادثہ قرار دینے کی وجہ بنی امیہ کے خلاف اس نفرت اور غصے کی شدت میں کمی پیدا کرنا ہے جوان کی خانہ کعبہ کی بے حرمتی اور بے ادبی کرنے کی وجہ سے لوگوں میں نفوذ کر گئی تھی۔ انھوں نے پہلے تو خانہ کعبہ پر منجنیق سے حملہ کیا اور پھر اسے آگ لگا دی (کعبہ کی دیواروں میں شگاف کی وجہ بھی تھی)۔ ابن زبیر نے جلتی ہوئی حالت میں خانہ کعبہ کو چھوڑا تاکہ لوگ اسے جلتا ہوا دیکھ لیں اور پھر اسی بات کو بنیاد بنا کر وہ لوگوں کو اہل شام کے خلاف ابھار سکے۔ (۲)

بہرحال ماجرا جو بھی ہو، رسول اکرمؐ کی بعثت سے پہلے قریش اس بات پر متفق تھے کہ خانہ کعبہ کی پرانی عمارت کو گرا کر اسے نئے سرے سے تعمیر کیا جائے اور اسکے دروازے کو بلند کیا جائے تاکہ جسے وہ چاہیں صرف وہی کعبہ کے اندر داخل ہو اور اسکے علاوہ کوئی اور

۵۔ عبدالرزاق کی کتاب المصنف ج۵ ص ۳۱۹، البدایۃ والنہایۃ ج۲ ص ۳۰۰ (دونوں نے زھری سے نقل کیا ہے)۔

۱۔ سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۱۳۱

۲۔ صحیح مسلم حاشیہ القسطلانی ج ۶ ص ۱۸، ابن اثیر کی الکامل ج ۴ ص ۱۲۴ اور کامل میں بخاری سے ایک اور قول بھی نقل ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ ابن زبیر کے دور میں جو آگ لگی تھی اس کی وجہ ابن زبیر کے ساتھیوں کا کعبہ کے اردگرد آگ کا جلانا تھا۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ایسے اقوال ذریعے سے بنی امیّہ اپنے جرائم کو ابن زبیر اور اس کے ساتھیوں کے سر تھوپنا چاہتے ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

داخل نہ ہو سکے۔ اس کام کیلئے انھوں نے حلال رقم مہیا کی جو زنا، ربا و لوٹ مار سے حاصل نہیں ہوئی تھی یا قطع رحمی، جنگ حرمت یا کسی دوسرے کے ذمہ کا موجب بھی نہیں تھی۔ (۱)

ہر قبیلے نے اپنے طور پر پتھروں کی جمع آوری شروع کی اور آپؐ بھی پتھر جمع کرنے میں شریک تھے۔ ولید بن مغیرہ پہلا شخص تھا جس نے کعبہ کو گرانے کی ہمت بندھوائی۔

قریش نے بیت اللہ کے گرانے اور جدید تعمیر کے کاموں کو مختلف قبائل کے درمیان تقسیم کر دیا اور ہر قبیلے کے لئے ایک مخصوص حصہ دیا گیا اب رہا یہ مسئلہ کہ کونسا حصہ کس کس قبیلے کے ذمے لگا اس بارے میں مؤرخین کے درمیان اختلاف ہے۔ (۲) اور اس بات کی چنداں ضرورت بھی نہیں ہے کہ ان میں سے ہم کسی قول کی نفی کریں یا اس کی تائید کریں خصوصاً ایسے موارد میں جہاں ہر فریق کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ایسی چیز کو حاصل کرے جو اس کی عظمت اور شرافت کا موجب بنے۔

خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کی تاریخ کے بارے میں بھی مؤرخین کے اقوال مختلف ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ "اس کی تعمیر حضرت رسول خداؐ کے بلوغ کے زمانے میں ہوئی یعنی عام الفیل کے ۱۵ سال بعد ہوئی"۔ (۳) دوسرا قول یہ ہے کہ تعمیر کا واقعہ عام الفیل کے ۲۵ سال بعد وقوع پذیر ہوا۔ (۴) تیسرا قول یہ ہے کہ سن ۳۵ عام الفیل میں تعمیر واقع ہوئی یعنی بعثت سے پانچ سال قبل۔ (۵)

۱۔ سیرۃ ابن ھشام ج۱ ص ۲۰۶ البدایۃ والنہایۃ ج۲ ص ۳۰۱ سیرۃ حلبیۃ ج۱ ص ۱۴۱

۲۔ سیرۃ ابن ہشام ج۱ ص ۲۰۷ البدایہ والنہایۃ ج۲ ص ۳۰۲ سیرۃ حلبیۃ ج۱ ص ۱۴۳

۳۔ عبدالرزاق کی کتاب ج۵ ص ۳۱۸ البدایۃ والنہایۃ ج۲ ص ۳۰۰

۴۔ البدایۃ والنہایۃ ج۲ ص ۳۰۰ (موسی بن عقبہ، مجاہد، عروہ اور محمد بن جبیر بن مطعم سے نقل کیا ہے)، تاریخ خمیس ج ۱ ص ۲۴۹ عن تاریخ یعقوب۔

۵۔ ابن ہشام کی سیرۃ نبویۃ ج ۱ ص ۲۰۴، البدایۃ و النہایۃ ج ۲ ص ۳۰۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حجرالاسود کی تنصیب

جب بیت اللہ کی تعمیر کا کام حجر اسود کے نصب کرنے تک پہنچا تو قریش کے درمیان جھگڑا پیدا ہوگیا۔ ہر قبیلے کی یہ خواہش تھی کہ وہ اس مقدس کام کی سعادت حاصل کرے۔ یہاں تک کہ نوبت تلواروں تک پہنچنے کے قریب ہوئی۔ اسی موقعہ پر بنی عبدالدار اور بنی عدی کے افراد خون سے بھرے ہوئے برتن اپنے ساتھ لائے انھوں نے اپنے ہاتھ خون میں ڈبو کر قسم کھائی کہ اپنے خون کے آخری قطرے تک ڈٹے رہیں گے۔ بنی سہم اور بنی مخزوم بھی ان کے ساتھ ہوگئے۔ (۱) یہیں سے انھیں "لعقة الدم" یعنی خون چاٹنے والے کہا جانے لگا۔ (۲)

جب نوبت یہاں تک آن پہنچی تو ابوامیہ بن المغیرہ (ام المومنین حضرت ام سلمہ کے والد، جو قریش کے اہل سخاء میں سے تھے۔ بلاذری کہتا ہے کہ وہ ابو حشم بن المغیرہ تھے) نے انکی اسطرح راہنمائی کی کہ باب السلام سے جو بھی پہلے داخل ہو وہ اس بات کا فیصلہ کرے۔ باب السلام - وہی باب بنی شیبہ - یا بقولے جو باب حناط سے داخل ہو وہ فیصلہ کرے۔ اسی وقت رسول اللہ سب سے پہلے اس دروازے سے اندر داخل ہوئے جب انھوں نے دیکھا تو کہنے لگے یہ تو امین ہے ہم اس کے فیصلے پر راضی ہیں، یہ محمدؐ ہے۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ دور جاہلیت میں قریش اپنے جھگڑوں کو حل کرانے کے لئے نبی اکرمؐ کی خدمت میں آتے تھے کیونکہ وہ فیصلہ کرتے وقت کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے اور نہ ہی وہ کسی سے جھگڑا کرتے تھے۔ (۳)

۱۔ شرح نہج البلاغة معتزلی ج ۱۳ ص ۱۲۹

۲۔ ابن ہشام کی سیرة نبویة ج ۱ ص ۲۰۹، البدایة و النہایة ج ۲ ص ۳۰۳

۳۔ سیرة حلبیة ج ۱ ص ۱۴۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جب انہوں نے حضور اکرمؐ کے سامنے سارا قصہ بیان کیا تو آپؐ نے ایک کپڑا طلب کیا یا اپنے قمیص کو پھیلایا (البتہ اس بارے میں اقوال مختلف ہیں) اور پھر اپنے ہاتھوں سے پتھر کو اٹھا کر اس کپڑے میں رکھ دیا اور ہر قبیلے سے کہا کہ وہ اس کا ایک ایک کونہ پکڑ لیں پھر سب نے مل کر اوپر اٹھایا جب اس مقام تک اوپر لے گئے جہاں حجر الاسود کو رکھنا تھا تو آنحضرتؐ نے اپنے دست مبارک سے اسے اٹھایا اور اس کے مقام پر رکھ دیا۔

اہم نکات

۱۔ بنی عبدالدار کے ساتھ بنی سہم، بنی مخزوم اور بنی عدی نے خون میں ہاتھ ڈبو کر قسم کھائی کہ ہم اپنے حق کی خاطر موت آنے تک قدم جمائے رکھیں گے ان کے مقابلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ بنی عبد مناف قصیٰ کے دور میں غالیہ (عطر کی ایک قسم) لے کر آئے اور اس میں ہاتھ ڈال کر انہوں نے حلف اٹھایا اور اس حلف کو "حلف المطیبین" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی بنی عبد مناف نے ایک اور پیمان بھی باندھا جو عرب معاہدوں میں معزز ترین اور گرامی ترین معاہدہ شمار ہوتا ہے۔ (۱) یہ وہی حلف الفضول ہے جس کی اسلام نے بھی تائید کی ہے جیساکہ پہلے گذر چکا ہے۔ جبکہ ان کے مقابلے پر حلف الاحلاف ہے جو بنی عبد الدار، سہم، جمح، مخزوم اور عدی کے درمیان طے پایا تھا ان کا مقصد دنیوی مقام حاصل کرنے کے علاوہ اور کچھ نہ تھا اگرچہ اس کی قیمت، خون بہا کر یا جان گنوا کر ہی کیوں نہ دینی پڑتی۔ اور اسی نکتے سے دونوں فریقوں کے طرز تفکر، نظریہ زندگی اور فکری بیداری میں فرق کو واضح طور پر سمجھا جا سکتا ہے۔

اس بات میں کوئی مبالغہ آرائی نہیں ہوگی اگر ہم یہ کہیں کہ کتب تاریخ اور الانساب کی طرف رجوع کرنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بنی عبد مناف بالخصوص آل ابیطالب

۱۔ البدایة و النهایة ج ۲ ص ۲۹۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسلام کی اہم شخصیات تھے وہ راہ حق کی ہدایت کرنے والے اور مجاہد فی سبیل اللہ تھے۔ جبکہ بنی عبدالدار اور ان کے حلیف دین اور راہ خدا میں ایثار اور قربانی کے حوالے سے بہت پیچھے نظر آتے ہیں بلکہ ان میں دین سے دشمنی اور بغض و عناد رکھنے والے افراد کثرت سے ملتے ہیں۔

۲۔ قریش کا یہ شرط کرنا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے اخراجات کے لئے سود، ظلم وغیرہ سے پاک رقم ہونی چاہئے اگر یہ شرط کسی بات پر دلالت کرتی ہے تو بے شک ان امور کی قباحت کے بارے میں ان کے حقیقی شعور پر دلالت بھی کرتی ہے نیز خدا اور ضمیر کے نزدیک ان کی قباحت کو بیان کرتی ہے۔ اور اسی مطلب کی تعبیر کبھی "فطرت کے تقاضے" اور "حکم عقل" کہہ کر کی جاتی ہے۔

اگرچہ ہماری نظر میں بات حق ہے اور بنیادی طور پر دین کے تمام احکام حکم عقل اور فطرت سے ہم آہنگ ہیں لیکن یہاں پر ایک بات کا اضافہ کرنا چاہئے اور وہ یہ کہ قریش کا اس طرح سے شرط کرنا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ابھی تک دین حنیف (دین ابراہیم) کی تعلیمات کے اثرات ان میں باقی تھے خصوصاً قریش اور بنی عبد مناف کے اندر۔ اسی لئے حضرت عبدالمطلب اور حضرت ابوطالب کے کلمات اور اقوال میں دین ابراہیمؑ اور ایسے امور کی طرف جو ان کے خدا پر ایمان پر دلالت کرتے ہیں، اشارے بکثرت ملتے ہیں۔ حضرت رسول اکرمؐ کے لئے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا کا رشتہ مانگتے وقت حضرت ابوطالب نے جو خطبہ پڑھا تھا اس کا ہم مطالعہ کر چکے ہیں۔

۳۔ جو کچھ گزر چکا ہے اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مکہ کے لوگ اسی بیت اللہ کی تعمیر اور اس کے لئے پتھر اٹھانے کے معاملے میں بھی قبیلہ پرستی پر مبنی طرز عمل اپناتے تھے جبکہ یہ کام ان کے مقدس ترین اعمال میں سے تھا اور ان کی عزت و عظمت کا موجب تھا بلکہ ان کی حیات اس سے وابستہ تھی۔ حجر الاسود کے نصب کرنے کے موقعہ پر لعقۃ الدم (خون چاٹنے والوں) کا پیمان اس بات پر بہترین گواہ ہے اور یہی پیمان جو عقل

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سلیم، فطرت اور ذوق انسانی کے نزدیک منفور اور مردود ہے۔

۳۔ جو چیز ہماری نظروں میں قابل توجہ ہے وہ قریش کا اظہار مسرت ہے جو انہوں نے حضرت محمدؐ کے سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہونے پر کیا۔ پھر انہوں نے آنحضرتؐ کو امین کی صفت سے یاد کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ مکہ کے لوگوں کے درمیان خاص مقام حاصل کر چکے تھے باوجود اس کے کہ آپ تمام عرب قبائل کے سردار قبیلہ قریش میں زندگی گزار رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے بہت سے لڑائی جھگڑوں میں آنحضرتؐ کے فیصلے اور رائے پر راضی ہوتے تھے ان تمام کا اعتماد و اطمینان آپؐ کی ذات پر منتہی ہوتا تھا اور وہ لوگ آپؐ کو امین کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت ابوطالب کے گذشتہ کلمات اس مطلب پر بہترین شاہد ہیں کہ آنحضرتؐ ان کے درمیان بلند مقام و منزلت پر فائز تھے اور سب کی نظروں میں معزز اور محترم تھے۔ البتہ بعض ایسی نفرت آمیز اور قبیح باتیں ذکر کی گئی ہیں جو کسی لحاظ سے بھی آنحضرتؐ کے مقام شامخ سے سازگار نہیں ہیں۔

ایک جسارت

مذکورہ باتوں کے بعد ہمیں ایک بے بنیاد اور شرمناک جھوٹ کا سامنا ہوتا ہے جس کا ہدف صرف اور صرف آنحضرتؐ کی عزت و شرافت کو داغدار بنانا اور آپؐ کی ذات اقدس کی شان میں گستاخی اور جسارت کرنا ہے۔

یہ افتراء ان لوگوں کی طرف سے باندھا گیا ہے جن کے دلوں میں ابھی ایمان داخل نہیں ہوا تھا اور وہ اسلام نہیں لائے تھے بلکہ وہ نام کے مسلمان تھے انہوں نے حضرت محمدؐ کے ذکر، نام اور دین کو مٹانے کی قسم اٹھا رکھی تھی لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نور کو مٹنے سے محفوظ کر رکھا ہے اگرچہ یہ کافروں پر ناگوار گزرے۔

یہ جھوٹ ان سینکڑوں جھوٹوں میں سے ایک ہے جنہیں سن کر انسان کا بدن کانپ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جاتا ہے اور خدا کا غضب جوش میں آ جاتا ہے۔ یہ جھوٹ یوں ہے۔

بخاری و مسلم اور تاریخ و حدیث کے دیگر مولفین نے ان لوگوں سے جو جھوٹ گھڑنے اور دین و سیاست کے کھیل میں ان کے ساتھ قدر مشترک رکھتے ہیں، ایک روایت نقل کی ہے۔ کتاب بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔ "رسول اللہؐ باقی لوگوں کے ساتھ خانہ کعبہ کی تعمیر کے لئے پتھر اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے جبکہ انھوں نے تہبند باندھ رکھا تھا۔ آنحضرتؐ سے ان کے چچا عباس نے کہا اے بھتیجے! اگر آپ چاہیں تو اپنا تہبند اتار کر اپنے کندھے پر ڈال لیں اور کپڑے کے اوپر پتھر اٹھا کر لائیں۔ راوی کہتا ہے کہ آپؐ نے اپنا تہبند کھولا اور کندھے پر ڈال لیا۔ اس کے بعد آپؐ غش کھا گئے۔ اس واقعہ کے بعد پھر کبھی انھیں عریاں نہ دیکھا گیا"۔ (۱)

بخاری کے باب حج میں ایک اور روایت نقل کی گئی ہے۔ "پس آپؐ زمین پر گر گئے اور آپؐ کی آنکھیں تاریک ہوگئیں پھر آپؐ نے چچا سے کہا میرا تہبند مجھے دے دو انھوں نے آپؐ کا تہبند باندھ دیا"۔

ہمارے نزدیک اس افسانے کے جعلی اور خود ساختہ ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ یہاں پر ہم درج ذیل نکات کی طرف اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

۱۔ اس واقعے سے مربوط روایات میں بہت زیادہ تناقض پایا جاتا ہے جو ہمیں اس ضرب المثل کی یاد دلاتا ہے کہ "جھوٹے آدمی کا حافظہ نہیں ہوتا"، یہاں پر ہم اس تضاد بیانی کا ایک نمونہ بیان کرتے ہیں۔

۱۔ البخاری طبع ۱۳۰۹ھ باب: حالت نماز میں عریاں ہونے کی کراہت ج ۱ ص ۵۰ و ۱۸۱ اور ج ۲ ص ۲۰۳ صحیح مسلم ط ۱۳۳۴ھ ج ۱ ص ۱۸۴، مسند احمد ج ۳ ص ۲۹۵ و ۳۱۰ و ۳۳۳ و ج ۵ ص ۴۵۴ اور ۴۵۵ المصنف ج ۵ ص ۱۰۳، البدایۃ و النہایۃ ج ۲ ص ۲۸۷ (صحیحین اور بیہقی سے نقل کیا ہے)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک روایت کہتی ہے کہ ان کا عریاں ہونا بچپن کے زمانے میں وقوع پذیر ہوا جب آپؐ بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ تمام بچے برہنہ تھے اور وہ بھی کھیل کے لئے پتھر اٹھا کر لا رہے تھے، اس دوران ایک غیبی ہاتھ آپؐ پر پڑا اور آپؐ سے کہا کہ اپنا تہبند باندھ لو۔ (۱)

ایک اور روایت میں نقل ہوا ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپؐ کے چچا حضرت ابو طالب زم زم کے کنویں کو درست کر رہے تھے، غیب سے کسی شخص نے آپؐ کو پاجامہ پہننے کو کہا۔ (۲)

تیسری روایت یہ بیان کرتی ہے کہ یہ واقعہ خانہ کعبہ کی دوبارہ تعمیر کے موقع پر رونما ہوا (اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے) اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت آپکی عمر ۳۵ سال تھی۔

اس تضاد اور تناقض کی ایک اور شاخ یہ ہے کہ ایک روایت کہتی ہے کہ چونکہ آپؐ کو لباس کی وجہ سے کام کرنے میں دشواری پیش آ رہی تھی لہذا آپؐ نے لباس نیچے سے اٹھا کر کاندھے پر ڈال لیا جس کی وجہ سے آپؐ کی شرمگاہ ظاہر ہوگئی کیونکہ لباس چھوٹا ہوگیا۔ یہاں پر ایک غیبی آواز آئی کہ اے محمد (ص)! اپنی شرمگاہ کو چھپاؤ، اس کے بعد پھر کبھی آپؐ عریاں نہیں ہوئے۔ (۳) دوسری روایت یوں ذکر کرتی ہے کہ عباس نے آپؐ سے کہا کہ اپنے تہبند کو گردن میں ڈال لو۔ (۴)

۱۔ سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۱۲۲، فتح الباری ج ۷ ص ۱۱۱ (ابن اسحاق سے نقل کیا ہے)
سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۱۹۴ اور البدایۃ و النہایۃ ج ۲ ص ۲۸۷

۲۔ سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۱۳۲ اور ۱۲۲

۳۔ مسند احمد ج ۵ ص ۴۵۵ اور عبدالرزاق کی کتاب ج ۵ ص ۱۰۳

۴۔ کیونکہ ممکن ہے اس کا جواب دیا جائے کہ عباس نے دیکھا کہ لمبے لباس کے ساتھ کام کرنے میں دشواری ہو رہی ہے لہذا انہوں آپ کو یہ مشورہ دیا اور آپ نے بھی قبول کر لیا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک روایت کہتی ہے کہ آپ گر گئے، دوسری کہتی ہے کہ غیبی ہاتھ ان پر پڑا، تیسری بیان کرتی ہے کہ آپ غش کھا گئے، اسی طرح اور بہت سے تضادات موجود ہیں۔

آخر میں ہم یہ بیان کرتے چلیں کہ عسقلانی اور حلبی ان روایات کے تضاد کو ختم کرنے کے درپے ہوئے ہیں۔

عسقلانی کہتے ہیں "سابقہ نہی سے (چاہ زم زم کی کھدائی کے موقع پر بچپن کے زمانے میں) یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ حکم، اضطراری صورتوں کو بھی شامل ہو (یعنی ایسے موارد سے نہی نہیں کی گئی) جبکہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے موقع پر رسولخداؐ کیلئے اضطراری صورت پیش آگئی تھی پس انہوں نے برہنہ ہونے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں کی تھی"۔ (۱)

یہ سب کچھ اس لئے ہے تاکہ اس غیر اخلاقی فعل کو رسول اکرمؐ کیلئے ثابت کیا جائے کیونکہ یہ بات صحیح بخاری میں ذکر ہوئی ہے جو انکے ہاں ایک مقدس کتاب اور قرآن کے بعد سب کتب سے زیادہ صحیح کتاب ہے بلکہ انکے نزدیک قرآن تحریف اور نسخ شدہ ہے لیکن بخاری ان چیزوں سے بالاتر ہے۔

البتہ یہاں پر عسقلانی نے وہ بات فراموش کردی ہے جو ابی طفیل سے منقول روایت میں بیان ہوئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ "پیغمبر اکرمؐ کی شرمگاہ کبھی بھی ظاہر نہیں ہوئی نہ پہلے نہ بعد میں"۔ (۲) ان سب کے علاوہ خود عسقلانی نے ذکر کیا ہے کہ "نبی اکرمؐ بعثت سے پہلے اور بعد میں تمام برائیوں اور بداخلاقیوں سے پاکیزہ تھے"۔ (۳)

حلبی نے اس بارے میں یوں کہا ہے کہ "ممکن ہے آپؐ کی شرمگاہ عریاں ہوگئی ہو لیکن اسے کسی نے نہ دیکھا ہو حتی خود حضرت عباس نے بھی"۔ (۴) لیکن حلبی، صحیح بخاری اور اس کے علاوہ دیگر کتب کی ان عبارات کے ساتھ کیا کریں گے جو صراحت کے

۱۔ فتح الباری ج ۱ ص ۴۰۱
۲۔ فتح الباری ج ۷ ص ۱۱۱
۳۔ فتح الباری ج ۱ ص ۴۰۱
۴۔ سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۱۴۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ساتھ بیان کرتی ہیں کہ "اس کے بعد پھر آپؐ کبھی عریان نہیں ہوئے"۔ اسی طرح ابی طفیل سے منقول اس روایت کا کیا کریں گے جو یہ کہتی ہے کہ "آپؐ کی شرمگاہ نہ پہلے اور نہ ہی بعد میں دکھائی دی"۔

۲۔اس واقعے کے جھوٹے ہونے پر جو امور دلالت کرتے ہیں ان میں ایک یہ روایت ہے جو خود آنحضرتؐ سے منقول ہے گویا آپؐ مستقبل قریب میں اپنی طرف نسبت دی جانے والی ناروا تہمتوں کی پیشگوئی کر رہے تھے۔ آپؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالی کی عنایات و الطاف جو اس نے مجھ پر جاری کئے ہیں سے ایک یہ ہے کہ کسی نے بھی میری شرمگاہ کو نہیں دیکھا ... یا اس سے قریب قریب عبارت"۔ (۱)

۳۔ حضرت ابو طالبؑ بیت اللہ کی مرمت سے دس سال پہلے آنحضرتؐ کی شخصیت کے متعلق یوں کہتے ہیں کہ "آپؐ کا کسی شخص سے بھی موازنہ نہیں کیا جا سکتا جس سے بھی موازنہ کیا جائے آپؐ اس سے بلند و برتر ہوں گے کوئی بھی ان سے بڑا نہیں ہے جس پر آپؐ کو قیاس کیا جائے ..."۔ پس اس عظمت و فضیلت کا حامل انسان لوگوں کے سامنے کعبہ کے لئے پتھر اٹھانے کے موقع پر اپنے آپ کو برہنہ کرلے یہ کس طرح ممکن ہے؟!

۴۔ اس بارے میں روایات نقل ہوئی ہیں کہ آنحضرتؐ اس لحاظ سے مصون تھے کہ آپؐ کی شرمگاہ کسی نے نہیں دیکھی۔ یہاں تک کہ آپؐ کی ازواج نے بھی، حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ "ما رایت عورۃ رسول اللہ قط" یعنی "میں نے ہرگز رسول اللہ کی شرمگاہ کو نہیں دیکھا" یا اسی سے قریب عبارت۔ (۲) اگرچہ عائشہ یہ بات ذکر کرنے کے بعد بیان

۱۔ سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۵۳، ۵۴ اور ۱۳۲

۲۔ عیاض کی کتاب الشفاء ج۱ ص ۹۵، الشفاء کی شرح میں قاری نے ابن ماجہ و ترمذی کی کتاب شمائل سے نقل کیا، حیات صحابہ ج۲ ص ۶۱۱ (ترمذی کی کتاب شمائل سے نقل کیا)، لسان المیزان ج۲ ص ۹، سیرۃ الحلبیۃ ج۱ ص ۱۳۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کرتی ہیں کہ زید بن حارثہ نے دروازہ کھٹکھٹایا پیغمبر اکرمؐ عریان حالت میں تھے آپؐ اپنی چادر کو اوپر لپیٹے ہوئے دروازے کی طرف جانے کے لئے اٹھے، اللہ کی قسم! میں نے اس سے پہلے نہ کبھی ان کو عریان دیکھا اور نہ پھر اس کے بعد، پھر میں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ نے زید کو گلے لگایا اور اسے پیار کیا۔ (۱) (البتہ حضرت عائشہ کی یہ بات بھی دلیل نہیں ہے کہ انہوں نے شرمگاہ کو دیکھا ہو)۔

۵۔ حدیث غار میں آیا ہے کہ ایک شخص غار کی طرف منہ کر کے اپنی شرمگاہ سے کپڑا ہٹا کر پیشاب کرنے لگا، ابوبکرؓ نے کہا یارسولؐ اس نے ہمیں دیکھ لیا ہے، آپؐ نے فرمایا اگر وہ ہمیں دیکھ لیتا تو پھر ہماری طرف برہنہ ہو کر نہ بیٹھتا۔ (۲) یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ دوسروں کے سامنے برہنہ ہونے والی بات کو مشرکین بھی بہت برا سمجھتے تھے اور وہ کسی کے سامنے برہنہ نہیں ہوتے تھے پس یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ رسولؐ نے یہ کام کیا ہو۔

۶۔ ابن عباس ذکر کرتے ہیں کہ رسول خداؐ حجروں میں غسل کرتے تھے اور قطعاً کسی نے بھی آپؐ کی شرمگاہ کو نہیں دیکھا۔ (۳)

۷۔ رسول اللہ کی خصوصیات میں یہ چیز شمار کی گئی ہے کہ کسی نے بھی ان کی شرمگاہ کو نہیں دیکھا، اگر کوئی دیکھ لیتا تو اس کی آنکھیں اندھی ہو جاتیں۔ (۴)

۱۔ حیات صحابہ کی ج ۲ ص ۵۴۴ و ۵۴۵ پر ترمذی سے نقل کیا گیا کہ (شمائل ج ۲، ص ۹۷) اس نے کہا ہے یہ بات اچھی ہے لیکن بعید ہے۔

۲۔ فتح الباری ج ۷ ص ۱۰، سیرۃ حلبیۃ ج ۲ ص ۳۷ اور بحارالانوار کی ج ۱۹ ص ۷۸ پر ابن شہر آشوب کی کتاب المناقب ج ۱ ص ۱۱۱ سے نقل کیا گیا ہے۔

۳۔ الغدیر ج ۹ ص ۲۸۸ کہ اس نے زرقانی کی شرح المواہب کی ج ۴ ص ۲۸۴ اور فتح الباری کی ج ۶ ص ۳۵۰ سے نقل کیا ہے۔

۴۔ قاضی عیاض کی کتاب الشفاء ج ۱ ص ۹۵ اور تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۱۴

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پس عباسؓ کی آنکھیں کیوں اندھی نہ ہوئیں؟ جبکہ اس نے دیکھا اور آنحضرتؐ کا تہبند باندھا۔ اسی طرح کعبہ کی مرمت کے وقت موجود دیکھنے والے دوسرے لوگوں کی آنکھیں کیوں اندھی نہ ہوئیں۔ اسی طرح آپؐ کے دوستوں کی آنکھیں اندھی کیوں نہ ہوئیں جب انہوں نے کھیل کے دوران آپؐ کو عریاں دیکھا تھا اگر انہوں نے آپؐ کی شرمگاہ کو دیکھا ہوتا تو وہ ضرور اندھے ہو جاتے اور اگر انہوں نے نہیں دیکھا تو پس یہ ماجرا جھوٹ اور افتراء پر مبنی ہے اور حضور اکرمؐ کی شان اقدس میں گستاخی اور بے ادبی ہے یہ ایک ایسی بات ہے جو آپؐ کی عظمت، اعلیٰ منزلت، بلند مرتبے اور اونچی شان کے منافی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والی آپؐ کی محافظت اور نگہبانی سے ناسازگار ہے۔ ہم پستی و گمراہی اور شیطانی وسوسوں سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔

ہائے میرے کپڑے!

گذشتہ بات کی مناسبت سے یہ عرض کرتے چلیں کہ ایسی ناروا اور بیہودہ باتیں خدا کے پیغمبر حضرت موسیٰؑ سے بھی منسوب کی گئی ہیں لیکن وہ اس سے زیادہ بری اور قبیح ہیں۔

بخاری اور دوسروں نے یہ روایت کی ہے کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰؑ پر یہ تہمت لگائی کہ ان کے خصیوں میں ہرنیا کی بیماری کی وجہ سے ہوا بھر گئی ہے، حضرت موسیٰؑ نے اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھے اور غسل کرنے لگ گئے۔ جب آپؑ نے اپنے کپڑے اٹھانا چاہے تو پتھر کپڑوں سمیت بھاگ کھڑا ہوا، حضرت موسیٰؑ نے اپنا عصا اٹھایا اور پتھر کا پیچھا کرنے لگے ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ اے پتھر میرے کپڑے! اے پتھر میرے کپڑے! یہاں تک کہ بنی اسرائیل نے ان کے بدن کو دیکھ لیا اور دیکھ کر کہنے لگے خدا کی قسم موسیٰؑ میں کوئی عیب نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰؑ نے اپنے کپڑے اٹھا کر پہن لئے اور اپنے عصا سے پتھر کو مارنے لگ گئے۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم پتھر پر تین یا چار یا پانچ زخموں کے نشان تھے۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"ولاتکونوا کالذین آذوا موسی، فبراہ اللہ مما قالوا، و کان عند اللہ وجیھاً ..." (۱) یعنی "تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجاؤ جنہوں نے حضرت موسیٰؑ کو اذیت و آزار پہنچائی، جو کچھ انہوں نے ان کے بارے میں کہا تھا اس سے ان کو اللہ تعالیٰ نے بری قرار دیا اور وہ اللہ کے نزدیک محترم تھے"۔

لیکن ہمیں سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت موسیٰؑ کیسے اپنی عریانی کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ یہاں تک کہ وہ بنی اسرائیل کے درمیان پہنچ گئے؟ کس چیز نے ان کی عقل پر پردہ ڈال دیا تھا کہ وہ اپنی عادت اور حیا سے خارج ہوگئے (نعوذ باللہ)؟ وہ حیا اور عفت کہاں گئی جسے روایت یوں بیان کرتی ہے۔ "حضرت موسیٰؑ شرم و حیا کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے ان کے اسی حیا کی وجہ سے کسی نے ان کے بدن کا کوئی حصہ بھی نہیں دیکھا تھا"۔

اسی طرح ہم اس حیرت انگیز پتھر کی حقیقت کو بھی نہیں سمجھ سکے کہ جو حضرت موسیٰؑ کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ اس کے پیچھے بھاگتے ہیں؟

یہاں پر یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ پتھر تک پہنچنے سے پہلے اپنے عصا کی طرف کیوں متوجہ ہوگئے اور اس وقت ان کے ذہن میں کیا آیا؟

۱۔ البخاری طبع ۱۳۰۹ ج ۱ ص ۴۰ اور ج ۲ ص ۱۵۸، مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۵ الدر المنثور ج ۵ ص ۲۲۳ اس میں مسند احمد، عبدالرزاق احمد، عبد بن حمید، الترمذی، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، ابن الانباری نے مصاحف میں، البزار اور الحاکم نے اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے، ابن ابی شیبۃ نے ابوہریرہ، انس اور ابن عباس سے نقل کیا ہے نیز تفسیر المیزان ج ١٦ ص ۳۵۳ تفسیر القمی ج ۲ ص ۱۹ جسکی سند حسن ہے لیکن تفسیر کی نسبت قمی کی طرف دنیا مشکوک ہے، مشکل الآثار ج ۱ ص ۱۱، تفسیر نور الثقلین ج ۴ ص ۳۰۹ اور تفسیر البرہان ج ۳ ص ۳۳۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور پتھر اس کام پر مامور نہیں تھا تو کس چیز نے اسے اس عمل پر مجبور کیا اور وہ اپنی طبیعی حالت سے خارج ہوگیا (اور معجزہ نمائی کرنے لگا) لیکن اگر پتھر اس کام پر مامور تھا تو پھر پتھر کی کپڑوں سمیت حرکت کو حضرت موسیٰؑ کیوں جان نہ سکے کہ یہ ایک خارق العادۃ امر ہے؟ جبکہ وہ پتھر کو آوازیں دیتے رہے اور اسے بلاتے رہے جیسے وہ انکی بات سمجھ رہا ہو۔

آخر میں ہمیں اس بات کی بھی سمجھ نہیں آئی کہ اس پتھر کا گناہ کیا تھا کہ اسے اتنی زبردست مار کھانا پڑی جس کی وجہ سے اس پر زخموں کے نشانات بن گئے اور ابوہریرہ نے زخموں کی تعداد کو معین کیوں نہیں کیا اور انھیں شک و تردد کے طور پر بیان کیا اور کہا کہ وہ تین تھے یا چار یا پانچ؟! اور بعض روایات میں تو چھ اور سات تک کا ذکر بھی ہوا ہے۔ اور جب ابوہریرہ کا نسیان اس حد تک تھا تو اس دقیق واقعے کی دیگر تفصیلات کو کسطرح اس نے حفظ کرلیا تھا؟ نیز اس نے کسطرح رسول اللہ کی ان ہزاروں حدیثوں کو حفظ اور تالیف کیا؟

البتہ مذکورہ اعتراضات میں سے کئی ایک قمی کی روایت پر وارد نہیں ہوتے جس میں عصا، حضرت موسیٰؑ کی آوازیں لگانے اور پتھر کو مارنے کا ذکر نہیں ہے۔ اور شاید قمی کی روایت بخاری کی روایت کی نسبت حقیقت سے زیادہ نزدیک ہو۔

روایات میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو اذیت پہنچانے والی آیت بنی اسرائیل کے اس طعن و تشنیع کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو انھوں نے حضرت موسیٰؑ پر حضرت ہارونؑ کے سلسلے میں کی تھی۔ کیونکہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ اکٹھے کسی کی زیارت کے لئے گئے تھے راستے میں حضرت ہارون کی وفات ہوگئی تو حضرت موسیٰؑ نے انھیں دفن کر دیا؛ جب وہ واپس آئے تو بنی اسرائیل نے ان پر ہارون کو قتل کرنے کا الزام لگایا لیکن اللہ تعالی نے اس الزام سے حضرت موسیٰؑ کو اس طرح بری قرار دیا کہ خود حضرت ہارون کے جسد نے خبر دی کہ مجھے طبیعی موت آئی ہے اور کسی نے مجھے قتل نہیں کیا ہے۔ (۱)

۱۔ فتح الباری ج ۶ ص ۳۱۳؛ ابن مردویہ، الطحاوی اور ابن منیع سے سند حسن کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضرت عثمان کی حیاء

یہاں پر مناسب ہے کہ ہم رسولؐ اللہ کے بارے میں مذکور اور حضرت عثمان کی حیاء کے بارے میں ذکر شدہ اقوال کا آپس میں موازنہ کریں۔ تاریخ اور بعض روایات میں ملتا ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمرنبی اکرمؐ کے پاس آئے جبکہ آپ کی ران برہنہ تھی، آنحضرتؐ نے اسے نہ چھپایا لیکن جب حضرت عثمان آئے تو آپؐ نے فوراً اپنی ران پر کپڑا ڈالا اور اسے چھپا لیا۔ جب حضرت عائشہ نے اس کی وجہ دریافت کی تو آپؐ نے فرمایا کیا اس شخص سے شرم نہ کی جائے جس سے ملائکہ بھی شرم کرتے ہوں یا اسی مضمون کے قریب الفاظ۔ (۱)

اس بات کو اس تناظر میں دیکھا جائے کہ رسولؐ اللہ خود ہمیشہ اور مسلسل حیا کی تائید کرتے تھے اور اس پر لوگوں کو تشویق کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم میں حیا نہیں

ساتھ نقل ہوا ہے۔ الدر المنثور ج ۵ ص ۲۲۳ میں مذکورہ افراد اور ابن جریر، ابن المنذر ابن ابی حاتم، حاکم اور مصحح حاکم، ابن عباس سے نقل کیا گیا ہے، مشکل الآثار ج ۱ ص ۱۲

۱۔ مجمع الزوائد ج ۹ ص ۸۲، البدایۃ و النہایۃ ج ۷ ص ۲۰۲ از طبرانی الکبیر و الاوسط میں، مسند احمد، ابی یعلی، نیز تاریخ جرجان ص ۳۱۶، المصنف ج ۱۱ ص ۲۳۲ و ۲۳۳، حیاۃ الصحابہ ج ۲ ص ۶۱۱ و ۶۱۲ کہ مجمع الزوائد اور البدایۃ و النہایۃ سے نقل کرتا ہے، نیز مشکل الآثار ج ۲ ص ۲۸۳ و ۲۸۴، مسند احمد ج ۱ ص ۷۱ اور ج ۶ ص ۶۲، ۱۵۵ و ۱۶۷، صحیح المسلم ج ۷ ص ۱۱۶ و ۱۱۷، الغدیر ج ۹ ص ۲۷۴، ۲۷۵ و ۲۸۷ جو صحیح مسلم، مسند احمد اور مصابیح ج۲ ص ۲۷۳ سے نقل کرتا ہے، الریاض النضرۃ ج ۲ ص ۸۸ اور دیگر کتب کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہے تو پھر جو مرضی آئے کرو؛ حیا ایمان کا جزء ہے اور ایمان کا ٹھکانہ بہشت ہے وغیرہ اسی طرح کی روایات بہت زیادہ ہیں جو آنحضرتؐ سے نقل ہوئی ہیں۔ یہاں پر ان سب کو بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

علاوہ ازیں ابو سعید خدری پیغمبر اکرمؐ کی یوں توصیف کرتا ہے: "آنحضرتؐ کی حیا باپردہ لڑکیوں کے حیا سے کہیں زیادہ ہے"۔ (۱)

نیز یہی افراد نقل کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے ایک شخص سے فرمایا: اپنی ران کو چھپاؤ کیونکہ یہ بھی شرمگاہ میں شمار ہوتی ہے۔ (۲)

وہ روایات جو دلالت کرتی ہیں کہ ناف اور زانو کے درمیان کا حصہ شرمگاہ ہے، کی تعداد کثیر ہے۔ کتاب الغدیر میں اس سلسلے میں بعض علماء کے اقوال کو ذکر کیا گیا ہے رجوع کریں:

۱۔ البدایۃ و النہایۃ ج ۶ ص ۳۶، مجمع الزوائد ج ۹ ص ۱۷ جو طبرانی سے دو سند کے ذریعے سے نقل کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک کی سند صحیح والی ہے، صحیح مسلم ج ۷ ص ۸۷، الغدیر ج ۹ ص ۲۸۱ (بخاری کے باب صفۃ النبی اور مسلم سے ماخوذ)، حیاۃ الصحابہ (مندرجہ بالا مدارک اور ترمذی ص ۲۶ سے منقول)۔

۲۔ مسند احمد ج ۵ ص ۲۹۰ اور ج ۱ ص ۲۷۵، صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۱، سنن بیہقی ج ۲ ص ۲۲۸، الاصابۃ ج ۳ ص ۴۳۸، فتح الباری ج ۱ ص ۳۰۳، نیل الاوطار ج ۲ ص ۵۰، مستدرک الحاکم ج ۴ ص ۱۸۰ و ۱۸۱، مجمع الزوائد ج ۲ ص ۵۲ کہ احمد اور طبرانی کی کبیر سے نقل کرتے ہیں، الغدیر ج ۹ ص ۲۸۲ مندرجہ بالا مدارک اور ارشاد الساری سے نقل کرتے ہیں، ابن حبان اپنی صحیح میں، اسی طرح موطا مالک، ترمذی، ابوداود اور مشکل الاثار ج ۲ ص ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶ اور ۲۹۳ کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ج ۹ ص ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۸، ۲۹۰، ۲۹۱ و ۲۹۳ اور حیات صحابہ ج ۲ ص ۶۱۲ و ۶۱۳۔

ابو موسیٰ اور حضرت ابوبکر اور ان دونوں کے علاوہ دوسروں کے حیاء کے بارے میں بھی کافی کچھ کہا گیا ہے جن کے بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

علامہ امینی نے فرمایا ہے کہ اگر ہم فرض بھی کر لیں کہ رانوں کے ظاہر کرنے کی ممنوعیت سے مراد کراہت ہو نہ حرمت، لیکن اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں کہ ان کو چھپانا آداب شریعت میں داخل ہے اور یہ عزت و وقار اور عظمت کے لوازم میں سے ہے اور جس کے ادب کا خود رسول اللہ نے حکم دیا ہے اس کی رعایت سب سے زیادہ خود ان کو کرنی چاہئے ..... ۔ (۱)

اہل کتاب اور انبیاء کی برہنگی

اس بحث کے خاتمہ پر یہ کہنا ضروری ہے کہ اس موضوع کی جڑیں ہمیں اہل کتاب کے ہاں ملتی ہیں اور شاید بنی امیہ نے اس پلید اور خبیث منصوبے کو اہل کتاب سے لیا ہو۔

"اشعیا" کے حالات کی بیسویں فصل کے آخر میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اشعیا سے فرمایا: تین سال تک لوگوں کے درمیان عریان اور پابرہنہ چلو تاکہ اس طرح چل کر لوگوں کو بتاؤ کہ سلطان آشور، مصر کے قیدیوں کو یوں چلنے پر مجبور کرتا تھا۔ وہ جوانوں اور بوڑھوں کو عریان اور پابرہنہ کر دیتا تھا تاکہ اہل مصر کو ذلیل و خوار کرے۔

سفر تکوین کی نویں فصل کے ۲۱ ویں بند میں مذکور ہے کہ "حضرت نوحؑ شراب پی کر مست ہوگئے اور برہنہ حالت میں اپنے باغیچے میں ٹہلنے لگے"۔

صموئیل اول کے بارے میں انیسویں فصل کے بند نمبر ۲۳ اور ۲۴ میں یوں بیان ہوا ہے:

"وہ جایا کرتا تھا اور نبوت کا دعویٰ کیا کرتا تھا یہاں تک کہ نایوت الرامہ کے مقام پر آگیا۔

۱۔ الغدیر ج ۹ ص ۲۸۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس نے بھی اپنا لباس اتار دیا اور صمویل کے سامنے نبوت کا دعویٰ کیا۔ اس نے سارا دن اور ساری رات برہنہ حالت میں گزاری۔ اسی لئے کہا گیا کہ اشاول کا شمار بھی انبیاء میں سے تھا"۔

ولادت فاطمہؑ بنت رسولؐ اللہ

بعض افراد کا کہنا ہے کہ حضرت رسولؐ اکرم کی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا علیہا السلام کی ولادت بعثت سے قبل ہوئی تھی البتہ پھر انہی افراد میں ولادت کے سال کی تعیین میں اختلاف پایا جاتا ہے انہی میں کچھ کا یہ قول ہے کہ ان کی ولادت خانۂ کعبہ کی تعمیر نو والے سال میں ہوئی یعنی بعثت سے ۵ سال پہلے۔ (۱)

بعض کہتے ہیں وہ ۷ سال قبل از بعثت میں پیدا ہوئیں (۲) اور ایک قول کے مطابق بعثت سے ۱۲ سال قبل ان کی ولادت ہوئی۔ (۳)

وہ افراد جو ان کی پیدائش کو بعد از بعثت سمجھتے ہیں ان میں بھی اختلاف موجود ہے کچھ افراد سال بعثت میں ہی ان کی ولادت کے قائل ہیں (۴) جبکہ بعض دوسرے افراد نے

۱۔ تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۷۷، ذخائر العقبی ص ۵۲، مقاتل الطالبیین ص ۴۸، سیرۃ مغلطای ص ۱۷ از ابن الجوزی

۲۔ تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۸۷ اور ذخائر العقبی ص ۵۲

۳۔ مندرجہ بالا دو مدارک

۴۔ تاریخ الخمیس ج۱ ص ۲۷۷، ذخائر العقبی ص ۵۲، المواہب اللدنیۃ ج۱ ص ۱۹۸ الاستیعاب حاشیہ الاصابۃ ج۴ ص ۳۷۴، حاکم نے مستدرک کے ج۳ ص ۱۶۱ میں اسی قول کو اختیار کیا اور ذہبی نے سکوت اختیار کیا ہے وہ ص ۱۶۳ پر کہتا ہے کہ فاطمہؑ کی عمر وفات کے وقت ۲۱ سال تھی اور جب آنحضرت (ص)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعثت کے دوسرے سال میں پیدائش کا ذکر کیا ہے۔ (۱)

صحیح نظریہ

اس بارے میں درست نظریہ شیعیان اہلبیتؑ کا ہے جسے انھوں نے اپنے آئمہؑ سے لیا ہے۔ چونکہ اہلبیتؑ اپنے امور میں دوسروں سے زیادہ آگاہ اور عالم ہیں۔ البتہ غیر شیعوں میں سے بھی کچھ افراد اسی نظریئے کے قائل ہیں اور وہ نظریہ یہ ہے کہ وہ بعثت کے پانچویں سال پیدا ہوئیں اور ۱۸ سال کی عمر میں وفات پا گئیں۔ (۲)

مندرجہ ذیل نکات اسی نظریہ پر دلالت کرتے ہیں یا اس کی تائید کرتے ہیں:

ا۔ اولادِ خدیجہؑ کے متعلق گذشتہ بحث میں بعض افراد کا یہ نظریہ کہ عبد مناف کے

کی عمر ۴۱ سال تھی تو وہ پیدا ہوئیں' سیرۃ مغلطای ص ۱۷' بحار الانوار ج ۴۳ ص ۸ اور مرعشی کی ملحقات احقاق الحق ج ۱۰ ص ۱۱ جس نے سیوطی کی الثغور الباسمۃ سے نقل کیا ہے۔

۱۔ بحار الانوار ج ۴۳ ص ۸ از اقبال الاعمال جس نے شیخ مفید کی حدائق الریاض سے نقل کیا ہے۔

۲۔ ذخائر العقبی ص ۵۲' تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۷۸ کہ وہ امام ابوبکر' احمد بن نصر بن عبد اللہ الدراع سے کتاب موالید اہلبیت سے نقل کرتا ہے' بحار الانوار ج ۴۳ ص ۱۰-۹' اس میں کافی سے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا گیا ہے' المصباح الکبیر' دلائل الامامۃ' مصباح الکفعمی' الروضۃ' مناقب ابن شہر آشوب' ان دو آخری کتابوں میں آیا ہے کہ حضرت فاطمہ (س) کی ولادت بعثت کے پانچ سال بعد اور واقعہ معراج کے تین سال بعد ہوئی۔ اسی طرح کشف الغمۃ اور اثبات الوصیۃ مسعودی وغیرہ میں مذکور ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

علاوہ حضرت خدیجہؑ کی باقی سب اولاد بعثت کے بعد پیدا ہوئی۔ (۱) جبکہ ہمیں علم ہے کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا آنحضرتؐ کی اولاد میں سب سے چھوٹی تھیں۔

اس امر پر ایک اور دلیل وہ بات ہے جو "الاستیعاب" میں حضرت خدیجہؑ کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت طیب نبوت کے بعد دنیا میں آئے پھر ام کلثوم اور ان کے بعد حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا۔

۲۔ حضرت فاطمہ زہرا (س) کی بعثت کے بعد پیدا ہونے کی دلیل وہ متعدد روایات ہیں جو کافی سارے علماء سے مختلف انداز اور گوناگوں طریقوں سے نقل ہوئی ہیں۔ روایات کی یہ کثیر تعداد دلالت کرتی ہے کہ حضرت فاطمہ (س) کا نطفہ اس پھل سے وجود میں آیا جو جبرئیلؑ رسولؐ اللہ کے لئے بہشت سے لائے تھے۔ یہ بات متعدد صحابہ سے نقل ہوئی ہے جن میں حضرت عائشہ، حضرت عمر بن خطاب، حضرت سعد بن مالک اور حضرت ابن عباس وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ (۲) ان میں سے اگر بعض روایات میں بحث و تنقید کی گنجائش ہو بھی لیکن بعض روایات میں کسی قسم کے اشکال یا اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

۱۔ البدایہ و التاریخ ج ۵ ص ۱۶، المواہب اللدنیۃ ج ۱ ص ۱۹۶ اور تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۷۲

۲۔ ان میں بعض روایات شیعہ کتب میں پائی جاتی ہیں مثال کے طور پر بحار الانوار ج ۴۳ ص ۴، ۵ اور ۶۔ وہ امالی شیخ صدوق، عیون اخبار الرضا، معانی الاخبار، علل و الشرائع، تفسیر القمی اور الاحتجاج وغیرہ سے نقل کرتے ہیں۔ اسی طرح غیرشیعہ کتب میں بھی ایسی روایات پائی جاتی ہیں مثال کے طور پر تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۲۷۷، ذخائر العقبی ص ۳۶، لسان المیزان ج ۱ ص ۱۳۴، اللآلی المصنوعۃ ج ۱ ص ۳۹۲-۳۹۳، ملحقات احقاق الحق ج ۱۰ ص ۱-۱۰، میں نجفی مرعشی سابقہ حوالوں اور میزان الاعتدال سے نقل

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسی طرح نسائیؒ نے جو روایت نقل کی ہے وہ بھی اسی مطلب کی تائید کرتی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ "جب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے آنحضرتؐ سے حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا رشتہ مانگا تو آپؐ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ وہ تو ابھی بچی (نابالغ) ہے۔

آخر میں اس امر کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ اگر کوئی یہ خیال کرے کہ بعثت کے پانچویں سال حضرت خدیجہؓ کا حاملہ ہونا اور حضرت فاطمہؑ کا ان کے بطن میں ہونا بعید ہے کیونکہ اس وقت ان کی عمر کافی زیادہ ہو چکی تھی تو یہ خیال بھی فضول ہے چونکہ گذشتہ ابحاث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر مختلف اقوال کی بنا پر ۴۵ سال سے ۶۰ سال کے لگ بھگ تھی اور شاید باقی اقوال کے مقابلے میں ان دو میں سے ایک قول قوی تر ہو اگرچہ قول مشہور اس کے خلاف ہو لیکن قول مشہور کے مطابق بھی حضرت خدیجہؓ کی عمر حمل سے مانع نہیں تھی کیونکہ جیساکہ فقہ میں ثابت ہے قریشی خواتین کو ۶۰ سال تک خون حیض آتا رہتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت تک حضرت خدیجہؓ میں حاملہ ہونے کی صلاحیت موجود تھی جیساکہ ظاہر بھی یہی ہے۔

جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اور جو بات مصباح نے کی ہے کہ "اہل سنت روایت کرتے ہیں کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ولادت بعثت سے ۵ سال قبل ہوئی ہے"۔ (۱) ان دونوں سے یہ بات سمجھی جا سکتی ہے کہ ۲۹ سال کی عمر میں حضرت فاطمہؑ کی وفات کے

کرتے ہیں، الروض الفائق، نزهة المجالس، مجمع الزوائد، کنز العمال، منتخب العمال، محاضرة الأوائل، مقتل الحسین خوارزمی، تاریخ البغداد، مفتاح النجاة، المناقب عبد اللہ شافعی، مستدرک الحاکم، تلخیص مستدرک ذهبی، اعراب ثلاثین سورہ، اخبار الدول اور المناقب ابن مغازلی۔

۱۔ بحار الانوار ج ۴۳ اور مذکورہ کتاب کے صفحہ ۱۰-۱ کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نظریے کو اہلبیتؑ اور شیعوں کی اکثریت سے نسبت دینے میں مسعودی نے غلطی کی ہے۔ (۱) شاید یہ اس کے قلم کی غلطی ہو یا اس نے عمداً ایسا کیا ہو یا پھر نسخہ برداری کرنے والوں کی کتابت کی غلطی ہو کہ انھوں نے ۱۹ کی بجائے ۲۹ لکھ دیا ہو۔

مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں اگر حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ولادت بعثت کے پانچویں سال میں واقع ہو تو وفات کے وقت ان کی عمر صرف ۱۸ سال بنتی ہے جیساکہ ظاہر ہے۔

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com

۱۔ التنبیہ و الاشراف ص ۲۵۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تیسری فصل

تذکرہ سیرت سے پہلے کچھ باتیں

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پہلی بات

نبی اکرمؐ کے آباء و اجداد (حضرت آدمؑ تک) کا ایمان

کہا گیا ہے کہ امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ کے آباء و اجداد حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عبداللہ تک سب کے سب مومن اور موحد تھے۔ (۱) بلکہ مجلسی اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپؐ کے آباء و اجداد صدیقین میں سے تھے یا وہ انبیاء اور مرسلین میں سے تھے یا پھر ان کے آباء و اجداد معصوم اوصیاء میں سے تھے اور ان میں سے جنہوں نے اسلام کا اظہار نہیں کیا شاید اس کی وجہ تقیہ یا دینی مصلحت تھی۔ (۲)

شیخ صدوق مزید اضافہ کرتے ہیں کہ "آنحضرتؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وھب سلام اللہ علیہا بھی مسلمان تھیں"۔ (۳)

۱۔ اوائل المقالات ص ۱۲، تصحیح الاعتقاد ص ۶۷، تفسیر رازی ج ۲۴ ص ۱۷۳ مطبوعۃ دار الکتب الاسلامیۃ تہران، ایک اور ایڈیشن کی ج ۴ ص ۱۰۳، بحار الانوار ج ۱۵ ص ۱۱۷، مجمع البیان ج ۴ ص ۳۲۲ اور البدایۃ و النہایۃ ج ۲ ص ۲۸۱ کی طرف رجوع کیا جائے۔

۲۔ بحار الانوار ج ۱۵ ص ۱۱۷

۳۔ ایضاً

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لیکن غیر شیعہ حضرات کی اکثریت پیغمبرؐ کے والدین کے کفر کا نظریہ رکھتی ہے! کچھ لوگ ان کے ایمان کے بھی قائل ہیں جن لوگوں نے حضرت عبدالمطلبؑ اور آنحضرتؐ کے دیگر اجداد کے با ایمان ہونے کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے ان میں درج ذیل افراد قابل ذکر ہیں۔ مسعودی، یعقوبی، ماوردی (جیساکہ اس کے کلام سے ظاہر ہے)، رازی (اپنی کتاب "اسرار التنزیل" میں)، السنوسی اور شفاء کے حاشیہ میں تلمسانی اور سیوطی۔ اس مطلب کے اثبات کیلئے آخری دور میں متعدد رسالے اور مقالات تحریر کئے گئے ہیں مثال کے طور پر:

۱) مسالک الحنفاء

۲) الدرج المنیفة فی الآباء الشریفة

۳) المقامة السندسیة فی النسبة المصطفویة

۴) التعظیم و المنة فی ان ابوی رسول اللّٰہ (ص) فی الجنة

۵) السبل الجلیة فی الآباء العلیة

۶) نشر العلمین المنیفین فی اثبات عدم وضع حدیث احیاء ابویه و اسلامهما علی یدیه ...

اس کے مقابلے میں بعض افراد نے آنحضرتؐ کے آباء و اجداد کے کفر کو ثابت کرنے کے لئے کتابچے لکھے ہیں مثال کے طور پر ابراہیم حلبی اور علی قاری جس نے شرح الفقہ الاکبر میں تفصیلاً اس مسئلے پر گفتگو کی ہے اور سیوطی پر سہل انگاری کا الزام لگاتے ہوئے کہا ہے کہ اگر اس کی بات نقاد پیشواؤں کے مطابق نہ ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

اس موضوع پر بعض دلیلیں

امامیہ کہتے ہیں کہ مذہب حقہ کے اجماع کے علاوہ، روایات کی بہت بڑی تعداد آنحضرتؐ کے آباء و اجداد کے مومن ہونے پر دلالت کرتی ہے اور چونکہ اجماع کا ماخذ اور سرچشمہ معلوم ہے لہذا ہم اس کے مآخذ پر بحث کرتے ہیں، اجماع کا مآخذ روایات ہیں۔ البتہ ان

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تمام روایات کا احاطہ کرنا اگر غیر ممکن نہ ہو تو مشکل ضرور ہے۔ علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار کی چدرہویں جلد میں ان میں سے بعض روایات کا ذکر کیا ہے اور سیوطی نے بھی مذکورہ رسالوں میں بعض کا تذکرہ کیا ہے۔

اس مطلب کے اثبات کے لئے جن دلائل کو پیش کیا گیا ہے ان میں ایک آنحضرتؐ کی یہ حدیث ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "لم یزل ینقلنی اللّٰہ من اصلاب الطاھرین الی ارحام المطھرات، حتی اخرجنی فی عالمکم، و لم یدنسنی بدنس الجاھلیة". (۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے مسلسل پاکیزہ صلبوں سے پاکیزہ رحموں میں منتقل کیا یہاں تک کہ مجھے تمہاری دنیا میں پیدا کیا اور مجھے ہرگز جاہلیت کی پلیدی سے آلودہ نہ کیا۔

بدیہی ہے کہ اگر آنحضرتؐ کے آباء و اجداد کافر ہوتے تو ان سب کی پاکیزگی کے ساتھ توصیف نہ کی جاتی کیونکہ ارشاد خداوندی ہے: "انما المشرکون نجس". (۲)

آنحضرتؐ کے اجداد کے مومن ہونے پر دوسری دلیل قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "الذی یراک حین تقوم و تقلبک فی الساجدین". (۳)

ابن عباس، ابو جعفر اور ابو عبداللہ علیہما السلام سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا: "آنحضرتؐ مسلسل ایک نبی کی صلب سے دوسرے نبی کی صلب میں منتقل ہوتے رہے"۔

اس استدلال پر مناقشہ کیا جا سکتا ہے کیونکہ ممکن ہے کوئی یہ کہے کہ آیت تو یہ کہہ رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ انھیں عبادت اور سجدے کی حالت میں دیکھتا ہے نہ یہ کہ انبیاء کی

۱۔ مجمع البیان ج ۳ ص ۳۲۲، بحار الانوار ج ۱۵ ص ۱۱۸-۱۱۷، تفسیر رازی ج ۲۴ ص ۱۷۳ ، سیرۃ الحلبیة ج ۱ ص ۳۰، الدر المنثور ج ۵ ص ۹۸، سیرۃ دحلان ج ۱ ص ۱۸ اور تصحیح الاعتقاد ص ٦٧

۲۔ سورہ توبہ، آیت ۲۹

۳۔ سورہ شعراء، آیت ۲۱۸ و ۲۱۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اصلاب میں منتقل ہوتے ہوئے اور اگر روایت ثابت بھی ہو جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ حضور اکرمؐ کے تمام آباء و اجداو کے ایسا ہونے پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ انہیں انبیاء کی صلبوں میں منتقل ہوتے دیکھتا ہے اسی طرح انہیں غیر انبیاء کی اصلاب میں بھی منتقل ہوتے ہوئے مشاہدہ کرتا ہے۔ علاوہ ازیں آنحضرتؐ کے تمام آباء و اجداد کی نبوت کو ثابت کرنا واقعاً مشکل ہے۔

رہی اس نظریے کے حامل اہل سنت کی دلیلوں کی بات تو سیوطی نے اپنے رسائل میں جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، تمام دلائل پر مکمل طور پر بحث و گفتگو کی ہے البتہ ان میں موجود ضعیف اور قوی نکات کو بیان کرنے کیلئے کافی وقت اور جداگانہ تالیف کی ضرورت ہے۔

حضرت ابراہیمؑ تک حضور کے آباء و اجداو کے ایمان پر اس آیت سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے: "و جعلها کلمة باقية في عقبه". (۱)

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ کلمت اللہ کا ابراہیم کی ذریت اور نسل میں باقی رہنا ضروری امر ہے اور ان کی نسل میں ہمیشہ ایسے افراد کا وجود ضروری ہے جو قیامت تک اپنی فطرت پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہیں اور شاید حضرت ابراہیمؑ کی دعا کی قبولیت کا بھی معنی ہو۔ انہوں نے اپنے پروردگار سے یہ دعا کی کہ: "و اجنبني و بني ان نعبد الاصنام". (۲) یعنی مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کی پرستش سے بچا۔

اور فرمایا: "رب اجعلني مقيم الصلاة و من ذريتي". (۳) یعنی اے میرے پروردگار! مجھے اور میری ذریت کو نماز قائم کرنے والے قرار دے۔

واضح رہے کہ اگر اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ کی تمام اولاد کے متعلق ان کی دعا کو قبول

۱۔ سورہ زخرف، آیت ۲۸

۲۔ سورہ ابراہیم، آیت ۳۵

۳۔ سورہ ابراہیم، آیت ۴۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کرتا تو ابو لہب سب سے بڑے مشرکوں اور رسول اللہ کے سخت ترین دشمنوں میں سے نہ ہوتا۔ اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آیت میں "من ذریتی" میں ذکر شدہ "من" تبعیض کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی اس سے مراد بعض ہیں نہ کہ سب۔

حضرت ابراہیمؑ کا اپنے باپ کے لئے مغفرت طلب کرنا

رسالتمآبؐ کے تمام آباء و اجداد کے ایمان کے قائلین پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر کے کفر کو صراحت کے ساتھ اس آیت میں بیان کیا ہے: "و ما کان استغفار ابراھیم لابیہ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ، فلما تبین لہ انہ عدو للہ تبرا منہ، ان ابراھیم لاواہ حلیم"۔ (۱) یعنی اور ابراہیم کا اپنے باپ (آزر) کے لئے مغفرت کی دعا مانگنا صرف اس وعدہ کی وجہ سے تھا جو انھوں نے اپنے باپ سے کر لیا تھا پھر جب انھیں معلوم ہوگیا کہ وہ خدا کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہوگئے بیشک ابراہیمؑ یقیناً بڑے دردمند اور بردبار تھے۔

اس اعتراض کا جواب یوں دیا جاتا ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ ابن حجر کے دعوے کے مطابق تمام مورخین کا اجماع ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کے باپ نہیں تھے بلکہ وہ ان کے چچا تھے یا نانا تھے اختلاف نقل کی بنا پر (۲) اور اس پر "اَب" یعنی باپ کے لفظ کا اطلاق کرنا مجازی طور پر ہے جیساکہ قرآن ارشاد فرماتا ہے: "ام کنتم شھداء اذ حضر یعقوب الموت؛ اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی، قالوا نعبد الھک و الہ آبائک ابراھیم و اسماعیل و اسحاق"۔ (۳) یعنی اے (یہود) کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب کے

۱۔ سورہ توبہ، آیت ۱۱۴

۲۔ دحلان کی سیرت نبویہ ج ۱ ص ۴۷ کی طرف رجوع کریں۔

۳۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۳۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سر موت آ کھڑی ہوئی اس وقت انھوں نے اپنے بیٹوں سے کہا میرے بعد کس کی عبادت کرو گے۔ کہنے لگے ہم آپ کے معبود اور آپ کے آباء و اجداد ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے۔ اس آیت میں حضرت اسماعیل کو حضرت یعقوب کا باپ کہا گیا ہے جبکہ وہ ان کے چچا تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے اس باپ کے لئے زندگی کے ابتدائی دور اور جوانی میں طلب مغفرت کی تھی علاوہ ازیں ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیمؑ بڑھاپے کی عمر کو پہنچتے ہیں اور خدا انھیں اولاد کی نعمت سے نوازتا ہے تو اس پیری کے عالم میں وہ اپنے والدین کے لئے مغفرت اور بخشش کی دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

"ربنا اغفر لی و لوالدی و للمؤمنین، یوم یقوم الحساب"۔ (۱) یعنی اے میرے پروردگار مجھے، میرے والدین اور مومنین کو حساب کے دن بخش دے۔

حضرت ابراہیمؑ نے یہ درخواست اس وقت کی جب انھیں آخری عمر میں اللہ تعالی نے حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام عطا کئے تھے جیساکہ آیات شریفہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں۔ (۲)

تیسری بات یہ ہے کہ ممکن ہے کہ جس باپ کے لئے حضرت ابراہیمؑ مغفرت طلب کرتے ہیں اور پھر اس سے برائت کا اظہار کرتے ہیں وہ بعد میں ایمان لے آیا ہو اس وجہ سے حضرت ابراہیمؑ نے دوبارہ اس کے لئے بخشش کی دعا کی ہو۔

علامہ محقق سید مہدی روحانی کا یہ نظریہ ہے کہ موؤخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ آزر حضرت ابراہیمؑ کے باپ نہیں تھے بلکہ ان کے باپ کا نام "تارخ" تھا اس اتفاق کا مآخذ تورات ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اسے یوں ذکر کرتے ہیں کہ

۱۔ سورہ ابراہیم، آیت ۴۱

۲۔ تفسیر المیزان ج ۱۲ ص ۴۸ و ۴۹ کی طرف رجوع کریں

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ممکن ہے حضرت ابراہیمؑ کے والد مشرک ہوں اور باپ بیٹے کے درمیان ایمان پر بحث ہوئی ہو اور حضرت ابراہیمؑ نے اس سے استغفار کا وعدہ کیا ہو اور پھر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے وعدے کو پورا کیا ہو۔ پھر ان کے باپ ایمان لے آئے ہوں اس لئے حضرت ابراہیمؑ نے دوبارہ ان کے لئے بخشش کی دعا کی ہو۔ البتہ آخری عمر میں جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے اور یہ احتمال زیادہ قوی ہے اور ضروری نہیں کہ ہم قرآن میں ذکر ہونے والے لفظ "اب" یعنی والد سے مراد مجازی باپ (چچا) لیں۔

میرا اور تمہارا باپ جہنم میں ہیں

مسلم اور دوسروں نے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ سے پوچھا کہ میرا باپ کہاں ہے؟ آپؐ نے فرمایا: دوزخ میں۔ جب وہ شخص پیچھے مڑ کر جانے لگا تو آپؐ نے اسے بلایا اور فرمایا میرا باپ اور تمہارا باپ دونوں دوزخ میں ہیں۔ (۱) یہ روایت چند دلائل کی بنا پر درست نہیں ہے۔

اولاً: گذشتہ باتوں کی بنا پر جو حضورؐ کے تمام آباو اجداد کے ایمان کو ثابت کرتی ہے۔

ثانیاً: مذکورہ روایت کو حماد بن سلمہ، ثابت سے اور وہ انس سے نقل کرتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں معمر اسی حدیث کو ثابت اور وہ انس سے روایت نقل کرتا ہے لیکن کسی اور شکل میں جو آنحضرتؐ کے باپ کے کفر پر دلالت نہیں کرتی۔ وہ نقل کرتا ہے کہ آپؐ نے

۱۔ صحیح مسلم کے علاوہ صفۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۱۷۲ (از مسلم) کی طرف رجوع کریں اسی طرح الاصابۃ ج ۱ ص ۳۳۷ جس نے ابن خزیمۃ سے نقل کیا ہے، سنن ابی داؤد ج ۱۲ ص ۴۹۳، البدایۃ و النہایۃ ج ۲ ص ۲۸۰ اور مسالک الحنفاء ص ۵۴-۵۵ نے بھی مسلم سے نقل کیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس شخص سے فرمایا: "جب بھی تم کسی کافر کی قبر سے گزرو تو اسے جہنم کی نوید سناؤ"۔ (۱)

اس حدیث کے راویوں کے ہم نظریہ علماء رجال نے وضاحت کی ہے کہ معمر، حماد سے زیادہ ثقہ ہے۔ لوگوں نے حماد کی حافظے پر باتیں کی ہیں یہ کہا ہے اس بات سے کہ اس کا حافظہ کم تھا۔ اس کی حدیث کی کتابوں میں ربیعہ نے بہت سی غلط باتیں داخل کی ہیں کہ حماد کا حافظہ اچھا نہ تھا وہ ان احادیث کو بیان کرتا تھا اور اسے کتاب کا حصہ سمجھتا تھا۔ (۲)

ثالثاً: یہ روایت صحیح سند کے ساتھ البتہ شیخین (مسلم اور بخاری) کی شرط کے مطابق سعد بن ابی وقاص سے نقل ہوئی ہے اس میں آیا ہے کہ "جب کافر کی قبر سے عبور کرو تو اسے دوزخ کی خبر سناؤ"۔ (۳) اسی طرح یہ حدیث اسی مضمون کے ساتھ صحیح سند کے ساتھ زہری سے بھی نقل ہوئی ہے۔ (۴)

قابل توجہ نکتہ

گذشتہ حدیث میں رسول اللہ کے الفاظ کو ملاحظہ فرمائیں کہ آپ فرماتے ہیں کہ "جب کسی کافر کی قبر سے تمہارا گزر ہو تو اسے آگ کی بشارت دو"۔ یہاں لطیف طریقے پر

۱۔ سیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۵۱-۵۰، مسالک الحنفاء ص ۵۵-۵۴

۲۔ سیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۵۱، مقدمہ فتح الباری ص ۳۹۷، تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۱۵-۱۲ اور مسالک الحنفاء ص ۵۵

۳۔ سیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۵۱ ابزار، طبرانی اور بیہقی سے نقل کیا ہے، البدایۃ و النہایۃ ج ۲ ص ۲۸۰ نے اسے بیہقی سے نقل کیا ہے۔ مسالک الحنفاء ص ۵۵ پر سابقہ افراد سے اور ص ۵۶ پر ابن ماجہ سے نقل ہوا ہے۔

۴۔ حافظ عبد الرزاق کی مصنف ج ۱۰ ص ۴۵۴

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

توریہ سے کام لیا گیا ہے جس سے سائل کی دلجوئی بھی کی گئی ہے اور حقیقت میں یہ بات سچی بھی ہے اور کسی لحاظ سے بھی حضور اکرمؐ کے والد کے کفر پر دلالت نہیں کرتی۔ کیونکہ کافر کو جہنم کی بشارت دینا ایک طبیعی امر ہے لیکن یہ بات کہ آپؐ کے والد کافر تھے یا نہ، مذکورہ الفاظ سے یہ مطلب اخذ نہیں ہوتا۔

عجیب بات یہ ہے کہ آنحضرتؐ سے آپؐ کی والدہ ماجدہ کے بارے میں بھی اسی روایت سے مشابہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ آپؐ نے دو اشخاص سے فرمایا: "میری اور تمہاری مائیں دوزخ میں ہیں"۔

اس بارے میں ہم خود کچھ نہیں کہتے جو کچھ ذہبی نے کہا ہے اس کی تائید کرتے ہیں، ذہبی اس حدیث یعنی "میری اور تمہاری مائیں آتش جہنم میں ہیں" کے باطل ہونے کی قسم کھاتا ہے۔ (۱)

رابعاً: یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آپؐ کے والدین، حضرت ابوطالبؑ، حضرت عبدالمطلبؑ اور دوسرے اجداد دوزخ میں ہوں جیساکہ بعض لوگوں کا اصرار ہے لیکن ورقہ بن نوفل جو آپکی بعثت کے وقت موجود تھا اور آپؐ پر ایمان نہیں لایا تھا وہ ریشمی لباس زیب تن کئے جنت کی سیر کررہا ہو (۲) اسی طرح عمر بن خطاب کا چچازاد بھائی زید بن عمرو بن نفیل ٹھاٹھ باٹھ کے ساتھ جنت میں گشت کررہا ہو (۳) اور یہی حال امیہ بن ابی الصلت کا ہو جو صرف اپنے شعر کی بدولت قریب تھا کہ مسلمان ہوجائے (۴) اور اسی طرح دیگر افراد۔ (۵)

۱۔ سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۱۰۶ اور مسالک الحنفاء ص ۵۲

۲۔ آئندہ ہم آغاز وحی کے بارے میں بعض روایات کے حوالے سے ورقہ کے حالات کا جائزہ لیں گے۔

۳۔ دحلان کی سیرت نبویہ ج ۱ ص ۳۹ اور ۱۶۸، البدایۃ و النہایۃ ج ۲ ص ۲۳۱-۲۳۷

۴۔ امیہ نے اپنے شعر میں ایک جملہ کہا ہے گویا اس سے اس کا مسلمان ہونا ظاہر

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ انسان ان متعدد اور متواتر احادیث اور تواریخ کو نظر انداز کر دے جو سب ان کے ایمان پر دلالت کرتی ہیں لیکن چند اور لوگوں کے ایمان کو کسی شعر یا فضول قسم کے الفاظ کے ذریعے تسلیم کرے جو کسی بھی صورت میں انسان کے سابقہ ارادے میں اثر نہیں کرتے۔

ہاں! وہ کیسے نجات نہ پائیں اور آگ میں کیونکر جلیں (۱) جبکہ عہد جاہلیت کے مشرکین بہشت میں جائیں؟ حلبی بیان کرتا ہے کہ فترت کے زمانے (دو پیغمبروں کے درمیان وقفے) میں زندگی گزارنے والے لوگوں کو کوئی عذاب نہیں ہوگا مگر ایک ضعیف قول کے مطابق جو اس نظریے پر مبنی ہے کہ ایمان اور توحید عقلی وجوب رکھتے ہیں لیکن اہل سنت و الجماعت کی اکثریت کا یہ نظریہ نہیں ہے ان کے عقیدے کے مطابق توحید پر ایمان واجب نہیں ہے مگر رسولوں کے بھیجنے کے بعد۔

اشاعرہ کا اصول میں اور شافعیوں کا فقہ میں اس بات پر اجماع ہے کہ اگر کوئی شخص مر جائے اور دعوت اس تک نہ پہنچی ہو تو وہ دوزخ سے نجات پائے گا اور بہشت میں داخل ہوگا اس بنا پر دوران فترت کے عربوں پر عذاب نہیں ہوگا چاہے وہ بت پرستی کرتے رہے ہوں یا اپنے دین میں تغیر و تبدل ایجاد کرتے رہے ہوں۔ اور جو احادیث ان کے عذاب کے مورد میں آئی ہیں ان کی تاویل کی جائے۔ (۲)

[illegible] ہوتے ہیں لیکن یہ بات واضح ہے کہ ان باتوں سے کسی کے اسلام کو ثابت نہیں کیا [illegible] نہ بہشت میں داخل ہونا ثابت کیا جائے۔ (مترجم)

[illegible] حسینیة ج ۱ ص ۱۰۶-۱۰۴ [illegible]

[illegible] ۲۹۵، ۲۹۴ سے نقل کیا ہے ۔ سیرة حلبیة [illegible]

Contact : jabir.abbas@yahoo.com

http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس گفتگو اور ان متواتر احادیث سے یہ بات مردود قطعی ہے کہ آنحضرتؐ کو اپنی والدہ ماجدہؑ کے لئے مغفرت طلب کرنے سے منع کر دیا گیا تھا اگرچہ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اگر اہل فترت کے پاس عقلی یا نقلی حجت موجود تھی اس کے باوجود بھی انھوں نے بت پرستی کی ہے تو وہ ضرور عذاب میں مبتلا ہوں گے مگر یہ کہ وہ جاہل قاصر ہوں۔ کیونکہ توحید عقل کے ذریعے ثابت ہوتی ہے نہ ارسال رُسل کے ذریعے، ورنہ کوئی بھی چیز قابل اثبات نہیں ہے نہ توحید، نہ نبوت اور نہ دین کی کوئی اساس اور بنیاد۔

عجیب نکتہ

یہاں تعجب کی بات تو یہ ہے کہ بعض افراد اس روایت کہ "میرا اور تمہارا باپ دوزخ میں ہے" کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہاں باپ سے مراد آپ کے چچا ابو طالب ہیں کیونکہ عرب چچا کو بھی باپ کہتے ہیں اور پیغمبر اکرمؐ کو ابو طالب کا بیٹا کہا جاتا تھا۔ (۱)

میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ آپ کے دوسرے چچا ابو لہب لعنۃ اللہ علیہ جس کا کفر مسلم اور قطعی ہے کو تو چھوڑ دیا جاتا ہے لیکن جو آپؐ کا خیرخواہ، مخلص اور آپؐ کے اور دین کے راستے میں قربانی دیتا ہے نیز آپؐ کی اور دین اسلام کی حفاظت کرتا ہے اس کے بارے میں اس قسم کی باتیں کی جاتی ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اگلی بحثوں میں ذکر ہوگا کہ حضرت ابو طالبؑ کا ایمان مسلم اور ثابت شدہ ہے۔ اس بارے میں ہم جناب عظیم آبادی کی بات پر اکتفا کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ "یہ کلام بھی ضعیف اور باطل ہے"۔ (۲)

ج ۱ ص ۱۰۷-۱۰۶، ابن حجر ہیتمی، مناوی اور سیوطی کا بھی یہی نظریہ ہے۔

۱۔ عون المعبود ج ۱۲ ص ۴۹۵-۴۹۳ میں اسے سندی سے نقل کیا ہے، سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۵۱ اور مسالک الحنفاء ص ۵۸

۲۔ عون المعبود ج ۱۲ ص ۴۹۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دوسری بات

بعثت سے پہلے پیغمبرؐ کا دین

بعثت سے پہلے نبی اکرمؐ کا خدائے واحد پر ایمان مسلمات میں سے ہے لیکن اختلاف اس میں ہے کہ کیا اس زمانے میں آپؐ کسی نبی کی شریعت کی پیروی کرتے تھے یا نہیں؟ شریعت کی پیروی کرنے کی صورت میں کس نبی کی شریعت پر عمل کرتے تھے آیا حضرت نوحؑ یا حضرت ابراہیمؑ یا حضرت عیسیٰؑ کی شریعت پر یا ہر اس چیز پر جو آپؐ کے نزدیک خدا کی طرف سے ہو؟ یا اصلاً کسی شریعت کے پابند نہیں تھے؟ ہر گروہ نے اس بارے میں کچھ نہ کچھ کہا ہے۔

عبدالجبار، غزالی اور سید مرتضیٰ نے اس مسئلے میں توقف اختیار کیا ہے۔ علامہ مجلسی کا نظریہ یہ ہے کہ بعثت سے پہلے جب اللہ تعالیٰ نے حضور اکرمؐ کی ابتدائی زندگی میں آپ کی عقل کو کامل کیا تو آپؐ اس وقت سے نبی تھے اور روح القدس کے ذریعے آپؐ کی تائید کی گئی، آپؐ فرشتے سے باتیں کرتے تھے اور غیبی آواز کو سنتے تھے، الہام بخش خواب دیکھتے تھے، اس کے ۴۰ سال بعد آپؐ کو رسول بنایا گیا پھر آپؐ نے فرشتے کو دیکھا اور اس سے کلام کیا، آپؐ پر قرآن نازل ہوا اور تبلیغ کا آپؐ کو حکم دیا گیا۔ علامہ مجلسی کہتے ہیں کہ انھوں نے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہ بات معتبر ذرائع اور اخبار مستفیضہ سے اخذ کی ہے۔ (۱)

آنحضرتؐ کے بچپن سے ہی نبی ہونے کے اثبات کے لئے قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے قول سے استدلال کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: "انی عبد اللہ آتانی الکتاب و جعلنی نبیا و جعلنی مبارکا اینما کنت و اوصانی بالصلاۃ و الزکاۃ ما دمت حیا"۔ (۲) یعنی بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے مجھے نبی بنایا اور مجھے برکت والا قرار دیا ہے میں جہاں بھی رہوں اور جب تک زندہ رہوں اس نے مجھے نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔

حضرت یحییٰؑ کے بارے میں خدا فرماتا ہے: "و آتیناہ الحکم صبیا"۔ (۳) یعنی ہم نے بچپن میں اسے حکم عطا کیا۔

اگر ہم ان آیات کے ساتھ ان کثیر احادیث کا بھی اضافہ کریں جن میں بعض صحیح بھی ہیں مثال کے طور پر یزید الکناسی سے منقول روایت جو کافی میں ذکر ہوئی ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو کوئی فضیلت، کرامت اور معجزہ عطا نہیں کیا مگر یہ کہ وہ ہمارے پیغمبرؐ کو بھی بخشا"۔ تو اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی حضرت محمدؐ کو بچپن سے ہی حکم اور نبوت عطا کر دی تھی۔ (۴) اس کے بعد ۴۰ سال کی عمر میں آپؐ کو تمام لوگوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔ علامہ مجلسیؒ نے اس دلیل کو کئی طریقوں اور دلائل کے ساتھ اپنی گراں قدر کتاب بحار الانوار ج ۱۸ ص ۲۷۷ سے ۲۸۱ تک میں واضح کیا ہے۔

البتہ اگرچہ اس جگہ یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ جو چیز ہم یہاں ثابت کرنا چاہتے

۱۔ بحارالانوار ج ۱۸ ص ۲۷۷

۲۔ سورہ مریم، آیت ۳۰

۳۔ سورہ مریم، آیت ۱۲

۴۔ بحارالانوار ج ۱۸ ص ۲۷۸ و ۲۷۹ کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہیں اس کے لئے تمام انبیاء کے فضائل اور معجزات کا عطا ہونا ضروری نہیں تھا کیونکہ آنحضرتؐ کے زمانے میں بعض معجزات کی اصلاً ضرورت ہی نہیں تھی ہاں وہ رسول اکرمؐ کے اختیار میں ضرور تھے اگر ان کی ضرورت پیش آ جاتی تو آپؐ ان سب سے استفادہ کر سکتے تھے لیکن فضائل کے لحاظ سے آپؐ کی ذات والا صفات تمام کمالات اور فضائل کا ایک کامل اور اعلیٰ مجموعہ تھی۔ مثال کے طور پر اگر حضرت ایوبؑ اپنے صبر کے لحاظ سے باقی تمام نبیوں سے ممتاز ہیں تو بے شک ہمارے پیارے نبیؐ کا صبر ان سے کامل تر ہے اسی طرح دیگر فضائل، امتیازات اور مکارم اخلاق کے حوالے سے آپؐ تمام انبیاء سے زیادہ کامل و اکمل ہیں۔

رہے کرامات تو ان سے ظاہری طور پر وہی معجزات مراد ہیں کیونکہ ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو نوازا اور عزت و بزرگی عطا فرمائی۔

ان تمام مطالب سے قطع نظر ان روایات کا ثابت ہونا ان کی دلالت کو قطعی سمجھنے کے بعد نہایت ضروری ہے تاکہ ان کے مضمون کے مطابق فیصلہ کیا جا سکے۔

البتہ ایسی روایات بکثرت ملتی ہیں جو قبل از بعثت آپؐ کی نبوت کو صراحتاً یا اشارتاً بیان کرتی ہیں، علامہ مجلسی نے ان کی طرف اشارہ کیا ہے جیساکہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

اسی طرح الغدیر (ج۹ ص ۲۸۷) بھی مختلف غیر شیعہ مآخذ کے حوالے سے اس حدیث کی طرف اشارہ کرتی ہے: "انہ کان نبیاً و آدم بین الروح و الجسد". یعنی محمدؐ اس وقت نبی تھے جب آدم روح اور جسم کے درمیان تھے۔

لیکن اس مسئلے کے بارے میں ان روایات کی اسناد اور دلالت میں غور و فکر کرنے اور ان کی دلالت کے قطعی ثبوت کے بعد کوئی فیصلہ کیا جاسکتا ہے یا کوئی رائے دی جا سکتی ہے۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ ہم گزشتہ نکات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بات یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ آنحضرتؐ قبل از بعثت مومن اور موحد تھے آپؐ خدا کی پرستش کرتے تھے آپؐ کے نزدیک جو کچھ شریعت الٰہی کے عنوان سے ثابت تھا اور جس بات کو آپؐ کی عقل سلیم قبول کرتی تھی اس پر آپؐ کا عقیدہ تھا اور آپؐ اس پر عمل کرتے تھے تائید الٰہی ہمیشہ آپؐ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے شامل حال تھی اور آپؐ کی حفاظت اسی کی طرف سے ہوتی تھی آپؐ خلقت، سیرت اور عقل کے لحاظ سے اس کی تمام مخلوقات سے افضل اور اکمل تھے۔

علاوہ ازیں ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کی خصوصیات کے بیان میں کہا گیا ہے کہ آپؐ ان امور کے پابند تھے جن کا علم شریعت کی طرف سے ہو سکتا تھا مثلاً آپؐ مردار نہیں کھاتے تھے، تسمیہ اور تحمید پڑھتے تھے وغیرہ اس طرح کی دوسری خصوصیات کے حامل تھے جنہیں آپؐ کی سیرت پر تحقیق کرنے والا شخص آسانی سے معلوم کر سکتا ہے۔

بعض افسانے

گزشتہ گفتگو سے ہمیں معلوم ہوا کہ رسول اکرمؐ کے بارے میں ہدایت و رشد اور اللہ تعالیٰ کے قانون اور شریعت سے ناسازگار باتوں کی جو نسبت دی گئی ہے، ان سب کی کوئی صحیح بنیاد اور اساس نہیں ہے۔ یہاں پر ہم بطور مثال ان میں سے بعض موارد کا ذکر کرتے ہیں۔

بخاری اور دیگر افراد نقل کرتے ہیں کہ "زید بن عمرو بن نفیل کے لئے دستر خوان لگایا گیا جس میں غیر اللہ کے نام پر ذبح شدہ گوسفند کا گوشت تھا (بخاری کے نزدیک یہ دستر خوان نبی اکرمؐ کے لئے بچھایا گیا) زید نے اسے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا میں ان چیزوں کو نہیں کھاتا جو بتوں کے نام پر ذبح ہوئی ہوں اور جن پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو۔ احمد روایت کرتا ہے کہ رسول اللہ سفیان بن حرث کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے زید کا وہاں سے گزر ہوا انہوں نے اسے کھانے کی دعوت دی اس نے انکار کیا اور کہنے لگا ... الخ۔

احمد کہتا ہے کہ اس دن سے لے کر بعثت تک پھر آپؐ کو بتوں کے نام پر قربانی شدہ گوشت کھاتے ہوئے نہ دیکھا گیا۔

کہتے ہیں کہ زید بن عمرو بن نفیل قریش کی قربانیوں پر اعتراض کرتا تھا اور کہتا تھا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

راجع ما تقدم۔ (۱)

پس اس بنا پر زید بن عمرو بن نفیل رسول خداؐ سے زیادہ عاقل دانا اور سمجھدار تھا (نعوذ باللہ) کیونکہ وہ بتوں کے لئے یا اللہ کا نام لئے بغیر ذبح شدہ گوشت کھانے کی قباحت اور برائی سے آگاہ تھا لیکن پیغمبر اکرمؐ اس بات کو نہیں سمجھ سکے تھے اور (نعوذ باللہ) وہ گوشت کھاتے رہے جبکہ آپ تمام مخلوقات سے بالا تر اور دانا تر تھے۔ علاوہ ازیں آپؐ نے حضرت عبدالمطلب کے دامن میں پرورش پائی تھی جو بتوں سے دور اور انہیں ٹھکرا چکے تھے اس کے بعد آپؐ اپنے چچا ابو طالب کے زیر سایہ پروان چڑھے نیز آپؐ نے عربوں کے اعلیٰ خاندان میں آنکھ کھولی اور تربیت پائی جو دین حنیف کی تعلیمات سے سب سے زیادہ آگاہ تھا۔

کتنی عجیب بات ہے کہ زید تو اپنی سمجھ بوجھ سے اس مطلب کا ادراک کر لے البتہ عسقلانی کی تحقیق کے مطابق (۲) لیکن ختم الرسلؐ اسے نہ سمجھ سکیں پس زید حضرت محمدؐ کی نسبت نبوت کا زیادہ حقدار تھا نعوذ باللہ من الزلل فی القول و العمل ...۔

بعض لوگوں نے احتمال دیا ہے کہ شاید زید نے یہ بات یہود یا نصاریٰ سے سمجھی ہو۔

یہ احتمال اس وقت معقول ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ بتوں پر چڑھاوے کا گوشت اور وہ گوشت جس پر نام خدا نہ لیا گیا وہ نصرانیوں کے نزدیک بھی حرام ہو اور یہودی اپنے علاوہ کسی دوسرے کو اپنے دین کے اندر قبول ہی نہیں کرتے تھے اور اگر یہ بات یہودیوں کی طرف سے عام تھی تو زید کے علاوہ باقی لوگ اسے کیوں نہ جان سکے؟

۱۔ صحیح بخاری طبع مشکول مصریہ ج ۵ ص ۵۰ اور ج ۷ ص ۱۱۸ باب ما ذبح علی النصب و الاصنام، سیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۱۲۳، مسند احمد ج۱ ص ۱۸۹ اور فتح الباری ج ۷ ص ۱۰۸ و ۱۰۹ اور الروض الانف ج ۱ ص ۲۵۶ کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ فتح الباری ج ۷ ص ۱۰۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بہرحال سہیلی نے کہا ہے کہ "اللہ تعالی نے کس طرح زید کو بتوں کی قربانی اور خدا کا نام لئے بغیر ذبح شدہ جانوروں سے اجتناب کرنے کی توفیق دی حالانکہ دور جاہلیت میں رسول اللہ اس فضیلت کے زیادہ حقدار تھے؟ کیونکہ آپؐ کے لئے عصمت الہی ثابت شدہ ہے"۔

پھر خود ہی اپنے سوال کا جواب دیتا ہے کہ "مذکورہ روایت اس بات پر کوئی دلالت نہیں کرتی کہ آنحضرتؐ نے اس دسترخواں سے کچھ تناول کیا ہو نیز ابراہیمؑ کی شریعت میں فقط مردار حرام تھا غیرخدا کیلئے کی جانے والی قربانی حرام نہ تھی پس زید نے سابقہ شریعت کی بنا پر نہیں بلکہ اپنی رائے اور نظریے کے مطابق بتوں کی قربانی کھانے سے دریغ کیا" (۱)

لیکن یہ جواب نہایت ہی پھیکا ہے کیونکہ یہ بات غیر معقول اور نا قابل قبول ہے کہ جو امر شرع کے مطابق تھا زید نے اس کا ادراک کر لیا لیکن پیغمبر اکرمؐ اس کے ادراک سے ناتواں تھے۔

پھر کیونکر خانہ کعبہ کی تعمیر کے وقت جب آپ برہنہ ہوئے (البتہ ان کے نظریے کے مطابق) تو اللہ تعالی نے آپؐ کی مدد کی اور اس عمل سے آپ کو منع کیا پھر اللہ نے بتوں اور شعر کو آپ کے نزدیک مبغوض و منفور بنا دیا لیکن غیر خدا کے لئے ذبح شدہ جانوروں کے گوشت کھانے سے نہیں بچایا جبکہ بعض عام لوگ بھی جانتے تھے کہ یہ اللہ تعالی کے نزدیک پسندیدہ عمل نہیں ہے؟

بتوں کو چومنا یا تبرکاً چھونا

ان لوگوں کے خود ساختہ افسانوں میں سے ایک یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ بتوں کو متبرک سمجھ کر چھوتے تھے جبکہ خود ہی لوگ لکھتے ہیں زید بن عمرو بن نفیل جس کا تذکرہ

۱۔ الروض الانف ج ۱ ص ۲۵۶ اور سیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۱۲۳، اس نے الروض الانف سے نقل کیا ہے اور فتح الباری ج ۷ ص ۱۰۹ کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پہلے ہو چکا ہے، عمر بن الحویرث، ابوقیس ابن صرمۃ، قس بن ساعدہ، اسعد بن کریب، عبیداللہ بن جحش اور رباب بن البراء وغیرہ ہرگز بتوں کے آگے نہیں جھکے تھے اور وہ بتوں کی عبادت کو حرام سمجھتے تھے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ لوگ کیسے جان گئے جبکہ پیغمبر اکرمؐ نہ سمجھ سکے؟

نیز پیغمبر اکرمؐ سے پوچھا گیا کہ کیا آپ نے کبھی بتوں کی پوجا کی تھی؟ آپؐ نے فرمایا: ہرگز نہیں۔

ابن حجر کہتا ہے: "علماء اس روایت کا انکار کرتے ہیں کہ آپؐ بتوں کو چومتے تھے"۔ احمد بن حنبل (جیسا کہ شفاء میں مذکور ہے) نے اس حدیث کو جعلی قرار دیا ہے۔ (۱)

بہرحال اس بارے میں بیہودہ باتیں بہت ہیں اور آپؐ پر باندھے گئے جھوٹوں کی تعداد کثیر و فراوان ہے خواہ یہ تہمتیں اور جھوٹ دوران فترت یعنی دور جاہلیت سے متعلق ہوں یا بعثت کے بعد سے مربوط ہوں۔ ان میں سے بعض کا ذکر آئندہ بحثوں میں آئے گا لیکن ہمیں اس کا اعتراف کرنا چاہیے کہ ان سب کی تحقیق کرنا نہ صرف مشکل ہے بلکہ بہت ہی دشوار ہے اس لئے موقع کی گنجائش کے پیش نظر اختصار سے کام لیتے ہوئے جو چیز زیادہ اہم، سود مند اور بہتر ہو اسی کو ہی بیان کرنا چاہیے۔

۱۔ دحلان کی سیرۃ نبویہ ج ۱ ص ۵۰ و ۵۱ اور سیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۱۲۵ اور ۲۷۰ کی طرف رجوع کیا جائے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تیسری بات

ایک تحریک کی شرائط

کسی بھی قوم و ملت میں ایک تہذیب اور تحریک اور انقلاب کو وجود میں لانے کے لئے چند امور لازمی اور حتمی ہیں۔ یہاں پر ان کے بعض عام عناصر کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہے پھر ایک مختصر موازنے کے بعد ہم اسلام کی عظمت، بلندی اور اصالت کا اندازہ لگا سکیں گے۔

ہماری گفتگو کے ہدف سے قارئین کی آگاہی اور سہولت کے لئے جزیرۃ العرب کے شمالی عربوں جو اہل حجاز کہلاتے ہیں اور جنوبی عربوں جو اہل یمن کہلاتے ہیں کے حالات کے درمیان ایک مختصر موازنہ پیش کیا جاتا ہے جس کے لئے درج ذیل نکات کی طرف ہم اشارہ کرتے ہیں۔

الف: اہل یمن ایک خود کفیل اور زرخیز علاقے میں رہتے تھے ایسا علاقہ جس کے باشندے اگر زراعت پر ہی توجہ دیتے اور اسے اختیار کرتے تو وہ اپنی ضروریات زندگی پوری کر سکتے تھے علاوہ ازیں پہاڑی علاقے، بلند و بالا چوٹیوں اور دشوار گزار راستوں کی وجہ سے بہت سے موارد میں ان کی قدرتی مدد ہو جاتی تھی اور ان میں دشمن کے مقابلے کی طاقت

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آجاتی تھی۔

چونکہ یمنی لوگ اپنی زمینوں پر کاشت کاری کرتے تھے اور اپنی فصلوں اور پیداوار کو اپنی زندگی اور بقا کا سرچشمہ سمجھتے تھے تو اس سرزمین سے ان کا لگاؤ ایک طبیعی امر تھا۔

اور بدیہی ہے کہ انسانوں کی اپنے وطن سے محبت کا ایک عنصر بھی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے وطن پر اپنی سب سے قیمتی اشیاء حتیٰ کہ اپنا خون بھی قربان کر دیتے ہیں اگرچہ وہ وطن کا ایک چپہ ہی کیوں نہ ہو، اس بنا پر غالباً حب الوطنی زمین کی محبت سے پیدا ہوتی ہے اور زمین سے محبت عموماً اس شعور کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ سرزمین انسان کی ضروریات زندگی کو پورا کرتی ہے۔ اور اس کی مرضی اور خواہش کے مطابق اس کی بقا کی ضامن ہے۔

ب: یمن میں ایک مضبوط مرکزی حکومت بھی قائم تھی جو نظم و نسق اور قانون کا اجراء کرتی تھی اور امن و امان اور آرام و سکون بہم پہنچانے کا بندوبست کرتی تھی۔

جب انسان امن و امان کی زندگی گزار رہا ہو اور قانون کے سائے تلے دن گزار رہا ہو اسے کسی دشمن کے اچانک حملے کا ڈر اور خدشہ بھی نہ ہو تو اسے اپنے موجودہ حالات زندگی کو اس سے بہتر اور کامل تر حالات میں تبدیل کرنے کے بارے میں غور و فکر کرنے اور سوچنے کا بہتر موقعہ میسر آتا ہے۔

ج: ایسی صورت میں انسان کو اپنے اہداف اور آرزوؤں کی تکمیل کرنے کا موقعہ ملتا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے انسان تلاش و کوشش، محنت اور مشقت اور وسائل و ذرائع کو بروئے کار لاتا ہے۔

د: اس کے بعد تحریک کا اہم ترین اور موثر ترین مرحلہ آتا ہے کہ جو اکمل، جامع اور بہترین نظام کا موجود ہونا ہے ایسا نظام جو داخلی طور پر انسان کی تعمیر کرے اور خارجی طور پر اس کی محافظت کرے اور اس ذریعے سے ترقی و پیشرفت کے راستے میں پیش آنے والی تمام ممکنہ مشکلات اور دشواریوں کو برطرف کرے۔ اس نظام کے زیر سایہ انسانی اقدار

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور صلاحیتیں رشد و نمو پاتی ہیں نیز انسان کو اپنے حالات تبدیل کرنے اور اپنے روشن مستقبل کے لئے صحیح پیمانے پر منصوبہ بندی کا موقعہ فراہم ہوتا ہے۔

جب یہ تمام اسباب کسی ملت کیلئے فراہم ہو جائیں تو بلا شک و شبہہ وہ تیزی کے ساتھ ایک تمدن کی بنیاد رکھ سکتی ہے اور اپنا مستقبل روشن اور تابناک بنا سکتی ہے۔

آخری عامل کے علاوہ باقی تمام عوامل اور عناصر سرزمین یمن پر فراہم تھے۔ اسی آخری عنصر کے فقدان کی وجہ سے باقی وسائل اور اسباب سے بھی استفادہ نہ کیا جا سکا۔ تاریخ ہمیں قدیم یمن کے بارے میں کوئی قابل ذکر بات بیان نہیں کرتی جو یمن کو امتیازی حیثیت کی حامل بنا دیتی ہو نہ ان کے فکری رشد اور تہذیب و تمدن کے بارے میں اور نہ ہی کسی دوسری چیز کے بارے میں اس دور کے یمن میں روشن فکری اور نظریاتی ترقی نام کی کوئی چیز جو ان کے پاس موجود وسائل کے مطابق ہو، بھی نہیں پائی جاتی تھی۔

جس طرح یہودیوں کا تحریف شدہ دین جو صدیوں سے ان پر حاکم رہا، اپنے پیروکاروں کے لئے کوئی ایسی قابل ذکر چیز پیش نہیں کرسکا جو ان کی حالت بدل دیتی یا ان کو جہالت کی تاریکیوں سے نجات دے سکتی ان کی مشکلات اور مسائل کو حل کرسکتی۔

یہودیت کی طرح روم میں تحریف شدہ عیسائیت اور ایران میں زرتشتیت (مجوسیت) اپنے تمام تر وسائل کے باوجود تہذیب و تمدن کے معرکے میں کوئی قابل ذکر کردار ادا نہ کر سکیں۔

لیکن حجاز کی سرزمین میں اگرچہ تمدن اور انقلاب کے مذکورہ عوامل اصلاً موجود نہیں تھے صرف آخری عامل موجود تھا اسی کی وجہ سے ایک وحشی اور ذلت و پستی میں زندگی گزارنے والی قوم ایک ایسی امت میں بدل گئی جس کا کوئی ثانی اور ہم پلہ نہیں ہے اور نہ ہوگا۔ یہ امر واقعاً ایک معجزہ ہے۔

حجاز کے اکثر لوگوں کا پیشہ زراعت نہیں تھا کیونکہ یہ سرزمین پانی کی قلت کی وجہ سے زراعت اور کاشتکاری کے قابل نہ تھی اس علاقے میں نہ کوئی دریا تھا نہ ضرورت کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مطابق بارش ہوتی تھی جو کچھ تھا اور ہے وہ صرف چشمے تھے جو سردیوں میں جاری ہوتے تھے لیکن گرمیوں میں خشک ہو جاتے تھے۔ اسی وجہ سے لوگ چشموں کی تلاش میں وہاں سے کوچ کر کے دوسری جگہوں کا رخ کرتے تھے البتہ حجاز کا کچھ علاقہ زرعی تھا لیکن وہ بہت تھوڑا تھا۔

بنابرایں حجاز کی سرزمین میں کشش کا کوئی ایسا عنصر موجود نہیں تھا جو عربوں کو اس سے لگاؤ، محبت اور اس پر قربانی دینے پر مجبور کرتا اور ان کی حب الوطنی کا باعث بنتا بلکہ ان کی زندگی اور رزق و روزی شمشیر، اونٹ اور دوسرے چارپایوں سے وابستہ تھی اس لئے ان کے نزدیک انہی چیزوں کی اہمیت تھی لہذا ہم عرب شعراء کو دیکھتے ہیں کہ عرب شاعر تلوار، اونٹ اور گھوڑے کے بارے میں گیت گاتا ہے، وہ اس باد نسیم کی شان میں جو دشت عرب کی گرمیوں سے پیدا شدہ سنگین دکھوں اور غموں کو لمحہ بھر کے لئے بھلا دیتی ہے غزل کہتا ہے اور چاند ستاروں کے ساتھ بہت زیادہ سرگوشیاں کرتا ہے۔

البتہ اگر وہ کبھی ہمیں اپنی دھرتی اور سرزمین پر آنسو بہاتا نظر آتا ہے تو وہ صرف اس لئے ہے کہ اس نے کچھ عرصہ وہاں گزارا اور ان سے مانوس ہوگیا ہوتا ہے یا بالفاظ دیگر وہاں سے اس کی یادیں وابستہ ہوتی ہیں۔

اور چونکہ عرب جنگ و غارت کو اپنا ذریعہ معاش سمجھتے تھے اس لئے وہ ان مواقع کو بہت یاد کرتا ہے اور غزل سرائی کرتا ہے اور اپنی ہر قسم کی مسلسل لوٹ مار پر افتخار کرتا ہوا نظر آتا ہے، خواہ پیدل کی ہو یا سوار ہو کر۔

دوسری طرف عربوں کو ہمیشہ جنگ، حملے اور لوٹ مار کا خطرہ رہتا تھا اسے کسی مرکزی حکومت کی مدد و حمایت کی امید بھی نہیں ہوتی تھی لہذا وہ ہمیشہ خوف اور وحشت سے دوچار رہتا تھا۔

جب امن و امان حاصل نہ ہو تو زندگی کے موجودہ حالات کے بارے میں کس طرح سوچا جا سکتا ہے اور ان حالات سے نجات حاصل کرنے کے لئے کیونکر چارہ کار کیا جا سکتا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہے؟ زندگی کے مختلف پہلوؤں اور جہات کو کس طرح چار چاند لگائے جا سکتے ہیں؟ مستقبل کی روشن راہیں حقیقت پسندی اور اطمینان کے ساتھ کیسے متعین کی جا سکتی ہیں تاکہ ان پر چل کر اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے مقاصد اور آرزوؤں کی تکمیل کی جا سکے اور زندگی کی بہتری کے منصوبے کو عملی جامہ پہنایا جا سکے؟

تیسرا پہلو یہ ہے کہ کہاں اور کیسے آرزوئیں پنپ سکیں گی، بڑے بڑے ارمان کیسے پورے ہوں گے اور مقاصد کہاں پایہ تکمیل تک پہنچیں گے جب ہر روز اس کے ارمانوں کا قتل عام ہو جب ہر دن اس کی آرزو حسرت میں بدل جائے اور ہر گزرنے والا دن ایک تازے زخم کا اضافہ کر دے؟

مختصر یہ کہ حجاز میں کوئی مرکزی حکومت نہ تھی جو آسانی کے ساتھ اپنی طاقت، قدرت اور رعب و دبدبے کے بل بوتے پر قانون کا نفاذ کر سکتی اور اپنے احکام کا اجراء کر سکتی بلکہ ایسا کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ جس ملت سے اسے سروکار ہوتا وہ ایک وحشی اور قتل و غارت کی پروردہ ملت تھی جو کبھی یہاں ہوتی اور کبھی وہاں۔

ہم نے تاریخ کی کتابوں میں پڑھا ہے کہ ایک دفعہ ایرانیوں اور عربوں کے درمیان جنگ کا معرکہ ہوا، لڑائی کا بازار گرم ہوا ایک شدید اور سخت معرکہ اور قتل و غارت کے بعد دونوں فریق رات کو استراحت کے لئے مختلف اطراف میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے، جب دن ہوا تو ایرانیوں نے اپنے دشمن کی طرف دیکھا انہیں نہ سردار لشکر نظر آیا اور نہ لشکر۔ وہ کیسے، کس وقت اور کہاں چلے گئے؟ انہیں کوئی سراغ نہ مل سکا اور اگر وہ جان بھی لیتے تو ان کے لئے مفید نہیں تھا چونکہ یہ عربوں کی عادت اور فطرت تھی۔

ان خصوصیات کے باعث وہ ایک انقلاب اور تمدن کے تمام اسباب و عوامل سے عاری تھے یہاں تک کہ وہ انقلاب اور تبدیلی کی خواہش بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کہاں یہ ہے کہ اس کا ارادہ رکھیں اور اس کے لئے کام کریں۔ علاوہ ازیں ان کی اجتماعی و انفرادی زندگی پر جن بری عادات اور صفات رذیلہ کا غلبہ تھا اور کمال کی جانب وہ ان کے مصائب و مشکلات

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں اضافے کا موجب نہ بنتیں اور انھیں چند قدم پیچھے نہ دھکیلتیں تو کم از کم کسی اصلاح اور تبدیلی کی بھی اجازت ہرگز نہ دیتی۔

لیکن ان تمام نقائص اور خرابیوں کے باوجود انھوں نے خدائی مشن اور حق کو پا لیا اور وہ دین اور وہ رسولؐ بہت ہی کم مدت میں اس امت کو ذلت و گمراہی کی پستیوں سے نکال کر عزت و شرافت کی بلندیوں تک پہنچانے میں کامیاب ہوگئے۔ انھوں نے ان کی تمام غلط رسومات اور ناپسندیدہ عادات کو بدل کر رکھ دیا انھیں جاہلیت کے بوجھ سے رہا کر دیا اور ان کے مصائب و آلام کے اسباب کو ختم کر دیا اور حقیقتاً یہ ایک بہت بڑا معجزہ ہے۔

اسلام نے بہت ہی کم عرصے اور چند ہی سالوں میں جو انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں آداب و رسومات میں ایک حقیقی اور بنیادی انقلاب پیدا کر دیا انھیں عدم کی وادی سے نکال کر بقا کا جام پلا دیا اور انھیں موت کے منہ سے نکال کر عرصہ حیات میں داخل کر دیا۔

اگر اس دور میں یہودیت، عیسائیت اور دوسرے ادیان و مذاہب میں تعمیر و اصلاح کی تھوڑی سی بھی صلاحیت ہوتی تو وہ حالات کو مساعد اور میدان کو ہموار پا کر اس دور کے دگرگوں حالات میں تبدیلی لا کر اپنا کردار ادا کر سکتے تھے اور یوں اپنے آپ کو جوا سکتے تھے جبکہ یہودیت اور عیسائیت تو قبل از اسلام عرب قبائل میں رائج تھیں لیکن وہ لوگوں کے افکار و کردار اور حالات زندگی میں کسی قسم کی تبدیلی لانے سے عاجز تھیں بلکہ وہ اسی طرح اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کرتے تھے دوسروں کو لوٹتے تھے اور اپنے تمام برے اعمال اور غلط اوصاف پر باقی تھے بلکہ مؤرخین نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ فلاں عرب قبیلہ جو دین مسیحیت میں آ چکا تھا، اس دین کے بارے میں شراب پینے کے علاوہ کچھ نہیں جانتا تھا۔ اسی طرح یہودی بھی عربوں کے درمیان رہتے تھے عرب ان کا بہت احترام کرتے تھے اور انھیں علم و معرفت کا منبع سمجھتے تھے (اس کی طرف ہم بعد میں اشارہ کریں گے) لیکن عربوں میں ان کے نظریات، افکار اور رفتار و گفتار کا ذرا بھی اثر دکھائی نہیں دیتا تھا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

چوتھی بات

اسلام کی ترویج و اشاعت کے عوامل

گذشتہ خلاصے کے بعد اب اس علاقے میں (جس کا تعارف کرایا گیا ہے) اسلام کی ترویج و اشاعت میں جو عوامل موثر تھے ان کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ان میں سے بعض عوامل کا تعلق رسول اللہ کی شخصیت سے ہے، بعض ان کی رسالت سے مربوط ہیں اور بعض امور ایسے بھی ہیں جو ان دو کے علاوہ دیگر عناصر سے متعلق ہیں۔ ان تمام کا درج ذیل امور میں خلاصہ کیا جاسکتا ہے۔

ا۔ مقام دعوت - مکہ

الف: ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے اپنی دعوت کا آغاز عربوں بلکہ غیر عربوں کے بھی نزدیک، مقدس ترین شہر سے کیا وہ سرزمین جس کی طرف دنیا کے مختلف حصوں سے انسانی قلوب کھینچے چلے آتے ہیں، وہ مقام جو لوگوں کی عقیدتوں، امیدوں اور آرزوؤں کا مرکز ہے۔

ب: البوطی کہتا ہے کہ "جزیرۃ العرب جغرافیائی طور پر اس دعوت کی دشواریوں اور سختیوں کو تحمل کرنے کے لئے مناسب تھا کیونکہ وہ اپنے اردگرد کی مختلف قوموں اور امتوں

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کا مرکز تھا یہی امر اطراف کی قوموں اور ملکوں میں دعوت اسلامیہ کے آسانی کے ساتھ پھیلنے کا موجب بنا"۔ (۱)

طبیعی طور پر اگر یہ دین کسری (روم) کے ملک میں ظاہر ہوتا تو قیصر کے پیروکار اس کی پیروی نہ کرتے اور اسی طرح اگر اس کے برعکس ہوتا۔ اس کی وجہ دونوں سپر طاقتوں کے درمیان موجود دشمنی و رقابت اور ان دو قوموں پر حاکم روحانی اور باطنی موانع تھے۔

ج: پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے اپنی دعوت کا نقطہ آغاز اس مقام کو قرار دیا جو ان دو سپر طاقتوں (ایران اور روم) اور دوسری طاقتور حکومتوں کے اثر و نفوذ سے بہت دور تھا۔

اس صورت میں کوئی ایسی طاقتور قوت نہ تھی جو آپؐ کی دعوت پر کاری ضرب لگاتی اور ابتدا ہی میں اسے خاموش کر دیتی۔ کیونکہ آپؐ نے جس ماحول اور محیط میں اسلام کی دعوت شروع کی اس میں اور عموی طور پر حجاز میں قبائلی نظام کا دور دورہ تھا لوگوں میں قبائلی تعصب کار فرما تھا اس میں موجود قوتوں کے درمیان طاقت کا مساوی مقابلہ تھا، مختلف اور متعدد قبائل وہاں آباد تھے ان میں سے قریش کے صرف دس یا کچھ زیادہ طائفے تھے جن میں بعض ایک دوسرے کے رقیب تھے اور بعض کو دوسروں سے خطرہ رہتا تھا۔

علاوہ ازیں عرب کے لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر وہ حرم کی حرمت کو پامال اور ختم کر دیں اور ایک گروہ دوسرے سے لڑیں تو دوسرے اعراب کے نزدیک وہ اپنی شان و شوکت اور اہمیت کو گنوا بیٹھیں گے اور اس کے نتیجے میں ان کے اہم ترین مفادات اگرچہ مکمل طور ختم نہ بھی ہوں تو کم از کم ان پر کاری ضرب ضرور لگے گی۔

۱۔ فقہ السیرۃ ص ۳۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۔ رسولؐ اللہ کی ذاتی خصوصیات

الف: اس دعوت کے بانی حضرت محمدؐ قبیلہ قریش سے تھے جو عظمت و شرف، عزت و بزرگی اور اثر و نفوذ کے لحاظ سے عرب کے تمام قبائل میں سب سے بڑا قبیلہ شمار ہوتا تھا سب قبائل اسے نہایت عزت و احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ خصوصاً آپؐ کا تعلق ہاشم کے خاندان سے تھا جو پاکیزگی اور طہارت میں ممتاز تھا، مکے کی سیاست و زعامت کا مالک تھا کوئی بھی شرافت اور اعلیٰ مرتبے میں ان کا شریک اور ان کی برابری نہیں کر سکتا تھا۔

پس حضرت محمدؐ کو عزت و آبرو اور مقام و منزلت کی ضرورت نہ تھی جس کے حصول کی خاطر آپؐ نبوت کا دعویٰ کرتے جیساکہ آپؐ بنی اسماعیل میں سے تھے اور سب لوگوں کے اندر خاندان اسماعیل کی طرف سے دعوت کو قبول کرنے کے لئے فضا ہموار تھی یہی خاندان محل نزول وحی تھا اور معدن طہارت شمار کیا جاتا تھا انشاء اللہ اس بات کا تذکرہ آئندہ "قبائل کو رسولؐ اللہ کی دعوت" کے حوالے سے آئے گا۔ مثال کے طور پر جب آپؐ نے اپنی دعوت قبیلہ "بنی عامر بن صعصعہ" کے سامنے پیش کی تو انھوں نے دعوت کو قبول کرنے کے لئے یہ شرط رکھی کہ آنحضرتؐ اپنے بعد اس قبیلے کو اپنا جانشین مقرر کریں بصورت دیگر وہ دعوت قبول نہیں کریں گے۔ آپؐ نے بھی ان کی شرط کو ٹھکرا دیا وہ اپنے علاقے میں لوٹ جاتے ہیں اور اس واقعے کو ایک معزز بوڑھے مرد سے بیان کرتے ہیں وہ اپنا سر تھام کر کہتا ہے اے بنی عامر! کیا اس کا ازالہ کیا جا سکتا ہے؟ جو کچھ ہم نے گنوا دیا ہے کیا اسے دوبارہ حاصل کیا جا سکتا ہے؟ مجھے قسم ہے اس کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے خاندان اسماعیل میں سے کسی نے بھی خواہ مخواہ نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اس شخص کا دعویٰ قطعاً حق ہے تم نے کیوں صحیح فیصلہ نہیں کیا اور اس کی دعوت کو قبول نہیں کیا۔ (۱)

۱۔ یہ بات اپنے موقعہ و محل پر مآخذ کے ساتھ ذکر ہوگی۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ب: آنحضرتؐ کی ان خصوصیات و صفات اور ان خصوصیات کا جن کی طرف حضرت جعفر بن ابی طالب نے اشارہ کیا تھا کہ "اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے ایک رسول بھیجا جو ہم میں سے ہے ہم اس کے نسب، صداقت اور عفت و پاکیزگی سے اچھی طرح واقف ہیں" آپؐ کی دعوت کے ظہور اور رسالت کی کامیابی میں بہت بڑا کردار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے خلق عظیم کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ اور فرمایا ہے: "و انک لعلی خلق عظیم". (۲) یعنی آپؐ اخلاق کے عظیم مرتبے پر فائز ہیں۔

مذکورہ مطالب کے علاوہ ہم درج ذیل باتوں کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔

۱۔ ہم دیکھتے ہیں کہ بعض افراد خود رسول اللہ کی اپنی رسالت پر گواہی سے مسلمان ہوتے ہیں۔ منقول ہے کہ ایک اونٹ سوار باہر سے داخل ہوا اس نے اونٹ کو مسجد میں بٹھایا اور اسے ایک جگہ باندھ دیا، اس نے لوگوں کی طرف منہ کر کے پوچھا تم میں سے محمدؐ کون ہے؟ راوی کہتا ہے کہ پیغمبر اکرمؐ لوگوں کے درمیان ٹیک لگا کر بیٹھے تھے۔ ہم نے جواب دیا یہی ٹیک لگائے سفید رنگ شخص ہیں۔ اس شخص نے آنحضرتؐ سے پوچھا: کیا تم عبدالمطلب کے بیٹے ہو؟ آپؐ نے اثبات میں جواب دیا۔ پھر اس نے کہا میں آپؐ سے چند سوال سختی کے ساتھ کروں گا؟ لہذا آپؐ ناراض نہ ہونا۔ آپؐ نے فرمایا: جو چاہتے ہو پوچھو! اس شخص نے کہا میں آپؐ کے خدا اور پہلے انسانوں کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو تمام لوگوں کے لئے مبعوث فرمایا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: پروردگار کو گواہ قرار دے کر کہتا ہوں کہ ایسا ہی ہے۔ پھر اس نے کہا: اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا اس نے آپؐ کو روزانہ پانچ نمازوں کا حکم دیا ہے؟ پیغمبر اکرمؐ نے جواب دیا کہ خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ایسا ہی ہے اس نے پھر کہا: ... یہاں تک کہ راوی کہتا ہے کہ آخرکار

۱۔ سورہ قلم، آیت ۴ آیت میں ایک اور احتمال بھی دیا گیا ہے لیکن وہ متبادر مفہوم کے برخلاف ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اس شخص نے کہا جو آپؐ لائے ہیں میں اس پر ایمان لاتا ہوں۔ میں اپنی قوم کا نمائندہ ہوں اور میں ضمام بن ثعلبۃ ہوں۔ (۱)

ضمام کا اصحاب کے درمیان رسول اللہ کو پہچان نہ سکنا آپؐ کے خلق عظیم کی بہترین دلیل ہے نیز یہ اس امر کی بھی نشاندہی کرتی ہے کہ اسلام حاکم اور رعایا کے مابین جاہلانہ فرق کو قبول نہیں کرتا، اسلام اس کا قائل نہیں کہ حکومت حاکم کے لئے ایک قسم کا امتیاز ہے بلکہ وہ اسے ایک مسئولیت اور ذمہ داری سمجھتا ہے۔

اسی طرح خود آنحضرتؐ کی شہادت پر ضمام کا اسلام لے آنا آپؐ پر حد درجہ اطمینان کی بھی حکایت کرتا ہے کیونکہ دعوت کی قبولیت اور پیغام کے پھیلنے میں اس اطمینان اور اعتماد کا بہت بڑا دخل ہے۔

علاوہ ازیں قریش کے لوگ پیغمبر اکرمؐ کے کمال عقل، حسن تدبیر اور رائے کی پختگی سے اچھی طرح آگاہ تھے (جیساکہ خانۂ کعبہ کی تعمیر کے موقعہ پر حجرالاسود کو اسکے مقام پر نصب کرنے کے مسئلے میں آپؐ کے بہترین فیصلے کا تذکرہ ہوچکا ہے)۔ اسکے علاوہ صداقت اور امانت میں آپؐ کو شہرت تھی یہاں تک کہ آپؐ کو صادق اور امین کا لقب دیا گیا۔

اسی طرح آپؐ کی ولادت اور اس کے بعد جو روشن دلائل اور عجیب واقعات رونما ہوئے نیز یہ کہ آپؐ دو قربانیوں کے فرزند تھے ان باتوں کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں آپؐ کیلئے خصوصی عزت و احترام اور مقام و مرتبہ تھا۔

ہاں یہی وجوہات تھیں جو قریش اور دیگر لوگوں کو ایک حقیقت کے مقابلے میں لاکھڑا کرتی تھیں۔ پس جو شخص بھی آپؐ کی تکذیب کرنے پر اتر آتا وہ اندرونی کشمکش میں مبتلا

۱۔ بخاری پر فتح الباری کا حاشیہ ج ۱ ص ۱۴۱-۱۳۹ اور خود فتح الباری کی طرف مزید مآخذ سے آگاہی کے لئے رجوع کریں۔ البدایہ و النہایہ ج ۵ ص ۶۰ جو ابن اسحاق سے نقل کرتا ہے نیز دیکھئے تاریخ طبری ج ۲ ص ۳۸۴

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہوجاتا کیونکہ اس کا ضمیر اسے ملامت کرتا اور کہتا تھا کہ تم سچ مچ جھوٹ بکتے ہو اور وہ (ص) صادق و امین اور مکمل طور پر قابل اطمینان ہے، تم خیانت کے مقام پر ہو جبکہ وہ (ص) اہل تدبر اور صاحب تدبیر و صاحب عقل عظیم ہے اور تم نادان اور جاہل مقصر ہو یہی حال ہے آپؐ کی دیگر عالی صفات اور بلند و بالا اخلاق کا۔

۲۔ اسی مطلب کی تائید اور تقویت اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ہر شخص آپؐ کے امی ہونے کے بارے میں جانتا تھا اور اس سے آگاہ تھا کہ آپؐ نے علم و معرفت کا سبق کسی سے نہیں پڑھا ہے لیکن اب وہ ایسی چیز لایا ہے کہ کرہ ارض پر بسنے والے انسانوں میں سے کوئی اس کے ایک جزء کے بھی مکمل علم کا دعوی نہیں کر سکتا چہ رسد اس ماحول کے لوگوں کا جو ظلمت و جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بنابر ایں آپؐ کی صداقت اور دعوت کی سچائی میں سوائے خود پسند، خود غرض اور ضدی شخص کے کسی کے لئے بھی شک و شبہہ کی بالکل گنجائش نہیں تھی۔

۳۔ علاوہ ازیں پیغمبر اکرمؐ نے کبھی بھی بتوں کو سجدہ نہیں کیا تھا لہذا کوئی بھی آپؐ پر انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا کہ آپؐ کل تک تو خود بتوں کو سجدہ کرتے تھے اور بت پرست تھے آج کیوں ان سے بیزار ہوگئے۔ اور ان کا انکار کر رہے ہو اور اگر ان کی پرستش عقل و فطرت کے خلاف ہے تو کل تک آپ کی عقل کہاں تھی اور آپؐ کی فطرت نے آپ کی رہنمائی کیوں نہیں کی۔

۴۔ اس کے بعد آپؐ کی استقامت، تمام مشکلات اور مصائب پر صبر و تحمل، ہر قسم کی سودے بازی سے انکار (یہاں تک کہ اگر آپؐ کے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیتے تاکہ آپؐ اپنے راستے کو چھوڑ دیں تب بھی آپؐ فریضہ الہی سے دست بردار نہیں ہوتے) وغیرہ آپؐ کی کامیابی کے عوامل تھے۔ بلکہ کفار اس شرط پر اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوگئے کہ پیغمبر اکرمؐ انہیں کچھ مدت تک بتوں کی عبادت کی مہلت دے دیں تاکہ وہ ان کی عبادت سے بہرہ مند ہو جائیں۔ آپؐ نے ان پر واضح کر دیا کہ یہ مسئلہ پیغمبر کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اختیارات کی حدود سے خارج ہے اور آسمانوں کے پروردگار کے ہاتھ میں ہے اور وہی ان سے عبادت چاہتا ہے۔

۳۔ اجتماعی حالت

گذشتہ باتوں کے تذکرے کے بعد اب ہم اس دور کی اجتماعی و معاشرتی حالت کو بیان کرتے ہیں اس زمانے میں لوگ نہایت مشقت اور شدید مشکلات میں زندگی گزار رہے تھے۔ عربوں کے اجتماعی حالات کے حوالے سے آغاز کتاب میں امیر المومنین حضرت علیؑ کے مذکورہ کلمات اسی مطلب پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کے حالات غیر عربوں کے حالات سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھے۔ یہاں پر ہم حضرت جعفرؓ کی گفتگو جو انہوں نے حبشہ کے بادشاہ کے سامنے کی پیش کرتے ہیں۔ جب عمرو عاص حبشہ کے بادشاہ کو دھوکا دینا چاہتا تھا تو حضرت جعفرؓ نے فرمایا: "ہم ایک جاہل اور بت پرست قوم تھے، ہم مردار کھاتے تھے، فحشاء کو انجام دیتے تھے، اپنے رشتہ داروں سے قطع رحمی کرتے تھے، ہمسایوں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے، طاقتور کمزوروں کو کھا جاتے تھے ..."۔

اس قسم کے برے حالات اس قوم کا مقدر بنے ہوئے تھے یہ مہلک سایہ ان کے سروں پر منڈلا رہا تھا جن کے نتیجے میں عہد جاہلیت کے انسان کے اندر ذہنی طور پر حق کو قبول کرنے اور اس کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے آمادگی پیدا ہوگئی تھی یہ امر اس بات کا بھی موجب بنا کہ وہ دعوت حق کے بارے میں کاوش کرے اور سمجھ لے کہ اپنی بلاؤں اور مصیبتوں میں کمی کر کے اپنے آپ کو اس درد ناک اور بری صورت حال سے رہائی دلا سکتا ہے۔ حضرت جعفر بن ابیطالبؑ نے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے بادشاہ حبشہ سے فرمایا: "ہم ایسے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے درمیان سے ایک پیغمبرؐ کو ہمارے لئے مبعوث کیا۔ جس کے نسب، صداقت، امانت داری اور شرافت و پاکیزگی کو ہم پہلے سے جانتے تھے۔ اس نے ہمیں یکتا پرستی اور خدا پرستی کی دعوت دی۔ اس نے ہمیں ان پتھروں اور بتوں کی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پرستش چھوڑنے کے لئے کہا جن کو ہم اور ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آ رہے تھے۔ اس نے ہمیں سچ بولنے، امانت داری و صلہ رحمی کرنے، ہمسایوں سے اچھا سلوک کرنے، بے حیائی اور برے کاموں سے بچنے اور خونریزی نہ کرنے کی تلقین کی۔ اس نے ہمیں برے اعمال، بیہودہ گفتگو، یتیم کا مال کھانے اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا ...“۔

اہل مدینہ نے اسعد بن زرارہ کی زبانی اس امید کا اظہار کیا کہ رسول اللہ اپنی دعوت کے ذریعے ان کی لا علاج مشکلات کو حل کریں، مورخین لکھتے ہیں کہ اوس و خزرج دن رات اسلحہ اٹھائے رکھتے تھے اور کسی وقت بھی اسلحہ زمین پر نہیں رکھتے تھے بنابرایں بطور طبیعی وہ اس حالت سے چھٹکارے کی خواہش کرتے تھے تاکہ صحت اور امن و امان کی نعمت سے بہرہ مند ہوں جن سے وہ نا آشنا تھے۔

مدینے میں اسلام کی آمد کی بحث کے دوران ہم اس سلسلے میں بحث کریں گے۔ یہاں پر اس نکتے کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ مستضعفین، فقراء اور غلاموں کے اندر ہی اسلام کی طرف رجحان واضح اور زیادہ تھا لیکن ابوجہل اور ابوسفیان جیسے مستکبروں، ظالموں، مالداروں، سرمایہ داروں اور مفاد پرستوں کا ٹولہ ہی تھا جن کی یہ کوشش تھی کہ اس اسلام کے پودے کو جڑ سے اکھیڑ دیں اور اس دعوت کو پھیلنے سے روکیں۔ مکے کی اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ہمارے عرائض کی تائید میں بہت سارے شواہد کا مطالعہ کر سکتا ہے۔

۴۔ حضورؐ کے معجزے کی نوعیت

اسلام کی ترویج و اشاعت میں آنحضرتؐ کا معجزہ بھی بہت حد تک دخیل تھا۔ کیونکہ قرآن نے عربوں کو حیرت میں ڈال دیا نہ صرف اپنے جامع عمومی قوانین غیب کی خبروں اور سبق آموز داستانوں جو ان کی کتب میں مذکور تھیں واقعات کی تائید کرتی تھیں دیگر علوم و معارف کی بنا پر بلکہ اس لحاظ سے بھی کہ قرآن نے معجزے کے طور پر عربوں کو مغلوب اور مبہوت کر دیا کیونکہ وہ اور دوسری غیر عرب قومیں فصاحت و بلاغت کو عربوں کی میراث سمجھتی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تھیں اور وہ اسے اپنے سے مختص سمجھتے تھے۔ ہاں پیغمبر اکرمؐ کے لئے ایسے معجزے کے انتخاب نے ان پر حجت قائم کر دی اور ان سے ہر دوسری چیز کا اختیار سلب کر لیا کیونکہ اس ماحول میں ایسے پیغمبرؐ کے ایسی حجت کے ساتھ آنے سے، وہ حق کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہوگئے کیونکہ بصورت دیگر وہ اپنے آپ کو اور دوسرا شخص بھی ان کو حق کا دشمن اور باطل کا ساتھی پاتا۔

ہاں قرآن نے انھیں مات اور مبہوت کر دیا ان سے اختیار کی قوت سلب کر لی وہ یا تو اس کا انکار کر دیتے درحالیکہ وہ حقیقت کو جانتے تھے۔ "و جحدوا بہا و استیقنتہا انفسہم". (۱) یعنی انھوں نے ہماری آیات کا انکار کیا جبکہ انھیں ان کا یقین تھا، یا پھر ایمان لے آتے اور حق کے آگے جھک جاتے۔

جب ہم یہ جانتے ہیں کہ عربوں کی خصوصیات انکی فطرت اور زندگی کے تقاضوں میں سے ایک ہے کہ انکی زندگی صحیح معنوں میں آزاد تھی اور ان کے افکار بناوٹی اور جھوٹے افکار سے آلودہ نہیں تھے (جیساکہ دوسری قومیں مثلاً روم اور ایران ان میں مبتلا تھیں اور خلاف فطرت فلسفہ ادیان کو خوبصورت انداز میں پیش کرنے کی کوشش کر رہی تھیں) تو ہمیں یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ یہ قرآن، عربی انسان کی فطرت سے ہم آہنگ اور انکی طبیعت، مزاج، صفائے نفس اور عادات سے ہر لحاظ سے سازگار تھا جس طرح خود اسلام عربوں کی فطرت اور روح سے مطابقت رکھتا ہے۔ عربوں کی عقل، ضمیر، وجدان اور باطن اس دعوت پر لبیک کہتے ہیں کیونکہ وہ فطرت کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے اور اسلام دین فطرت ہے۔ "فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لاتبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم." (۲) یعنی یہی خدا کی فطرت (خلقت) ہے جس پر اس نے لوگوں کو خلق کیا ہے اوراس کی خلقت (بناوٹ)

۱۔ سورہ نمل، آیت ۱۴

۲۔ سورہ روم، آیت ۳۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ یہی مضبوط اور بالکل سیدھا دین ہے۔

لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بہت جلد اپنا مال اپنی اولاد اور خون اس دعوت کی راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اس دین کی خاطر اپنے باپ اور بھائی کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کرتا اور قرآن کے اعجاز کا راز آئندہ فصلوں میں بیان ہوگا۔

۵۔ آنحضرتؐ کی نبوت کے بارے میں یہود و نصاری کی بشارتیں

عرب علاقے میں ایک پیغمبر کے ظہور کے نزدیک ہونے کے بارے میں اہل کتاب نے جو بشارتیں دے رکھی تھیں انھوں نے بھی دعوت اسلام کے جلد اور با آسانی پھیلنے میں اپنا اثر دکھایا۔

توارت میں آیا ہے کہ "یہ وہی برکت ہے جس کی بدہ خدا موسیٰ نے مرنے سے پہلے بنی اسرائیل کو مبارک باد دی۔ اس نے کہا رب سینا سے آیا اور اس نے ساعیر سے ان پر شعاعیں ڈالیں اور فاران کے پہاڑ سے ان پر نور افشانی کی"۔ (۱)

سینا سے آمد، سینا میں حضرت موسیٰؑ سے خدا کے کلام کیلئے کنایہ ہے۔ ساعیر سے مراد فلسطین کے پہاڑ ہیں اور عیسیٰؑ کی طرف اشارہ ہے اور فاران سرزمین مکہ کا قدیم نام ہے۔ (۲) کہ جس میں ہمارے نبی اعظم محمدؐ پر قرآن نازل ہوا، جن کے علاوہ کسی نے ظہور نہیں کیا۔

حضرت محمدؐ، حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ہیں جس نے اپنے بیٹوں کو اس پردیس میں چھوڑ دیا تھا۔ توارت اس بارے میں یوں گویا ہے: "پردیس کی سرزمین کی ابدی حکومت یعنی تمام سرزمین کنعان کی حکومت تمہیں اور تیری آئندہ نسل کو عطا کرتا ہوں"۔ (۳)

۱۔ سفر تثنیہ، اصحاح ۳۳ فقرہ ۱

۲۔ معجم البلدان حموی ج ۳ ص ۲۲۵

۳۔ سفر تکوین اصحاح ۱۷ فقرہ ۸

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضرت ابراہیمؑ کی سر زمین غربت (پردیس) سے مراد صرف مکہ ہے جہاں انھوں نے اپنے خاندان کو ساکن کیا اور سر زمین کنعان اگرچہ وہی شام ہے لیکن یہاں پر بطور مجاز تمام سر زمین عرب مراد ہے کیونکہ حضرت ابراہیمؑ نے شام کا سفر نہیں کیا اور اپنی اولاد کو وہاں رہائش پذیر نہیں کیا۔

انجیل یوں بیان کرتی ہے: "یہ یوحنا کی شہادت ہے جب یہودیوں نے یروشلم سے اپنے علماء اور لاویون (یہودیوں کے علماء کا نام ہے) کو ان کے پاس یہ پوچھنے کے لئے بھیجا کہ تو کون ہے؟ تو اس نے اعتراف کیا اور اظہار کیا میں مسیح نہیں ہوں، پس اس سے انھوں نے پوچھا تم کون ہو؟ کیا تم ایلیا ہو؟ اس نے جواب دیا میں ایلیا نہیں ہوں پھر پوچھا پس تم وہی پیغمبر ہو اس نے کہا نہیں"۔ (۱)

ایلیا سے مراد (جیسا کہ کہا گیا ہے) حضرت الیاسؑ نہیں ہیں کیونکہ ان کا زمانہ نبوت حضرت سے چند صدیاں پہلے گزر چکا تھا پس اس سے مراد ایسا شخص ہونا چاہیے جو حضرت عیسیٰؑ کے بعد آئے اور یہی حال ہے اس نبی کا جس کے بارے میں انھوں نے سوال کیا۔ پس چونکہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد ہمارے نبی حضرت محمدؐ اور ان کے اوصیاء کے علاوہ کوئی نہیں آیا اس لئے شاید پیغمبرؐ سے مراد حضرت محمد اور ایلیا سے مراد آپؐ کے وصی حضرت علیؑ ہوں۔

پیغمبر اسلامؐ کے ظہور کے متعلق عہدین (تورات اور انجیل) کی پیشگوئیاں بہت زیادہ ہیں اس بارے میں لکھی گئی کتب کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ (۲) البتہ یہ بات مدنظر رہے کہ موجودہ تورات اور انجیل تحریف اور کمی بیشی سے دوچار ہوئی ہیں جیسا کہ جناب بلاغی مرحوم کی کتاب "الهدى الى دين المصطفىٰ" اور "الرحلة المدرسية" کے مطالعے سے یہ

۱۔ انجیل یوحنا حصہ ۱ بند ۲۱-۱۹

۲۔ انیس الاعلام، الرحلة المدرسية، الهدى الى دين المصطفىٰ، رسول الاسلام فی الکتب السماویة اور دیگر مآخذ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بات عیاں ہوتی ہے۔ اسی طرح رحمت اللہ ہندی کی کتاب "اظہار الحق" اور دوسری کتابوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے۔

یہاں پر کافی ہے کہ اہل کتاب کے بارے میں جو کچھ قرآن کہتا ہے اس کا ذکر کیا جائے۔ قرآن فرماتا ہے: "یعرفونه کما یعرفون ابناءھم، و ان فریقاً منھم لیکتمون الحق، و ھم یعلمون"۔ (۱) یعنی وہ اسے ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں ان میں سے ایک گروہ حق کو چھپاتا ہے جبکہ وہ اسے جانتے ہیں۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے: "الذین یتبعون النبی الامی، الذی یجدونه مکتوباً عندھم فی التوراۃ و الانجیل، یامرھم بالمعروف، و ینھاھم عن المنکر، و یحل لھم الطیبات ..."۔ (۲) یعنی جو لوگ اس نبی امی کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے پاس تورات و انجیل میں مرقوم پاتے ہیں وہ ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے برائی سے روکتا ہے اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال قرار دیتا ہے۔

اگر اہل کتاب قرآن کے اس دعوی کو غلط ثابت کر سکتے تو وہ ضرور یہ اقدام کرتے اور انہیں نور خدا کو خاموش کرنے کے لئے فتنہ برپا کرنے اور جنگیں کرنے کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ اسی طرح مشرکین مکہ جن کا ان سے قریبی رابطہ تھا وہ قرآن کے اس دعوے کو غلط ثابت کر دیتے۔

بلکہ وہ عربوں کو دھمکی دیتے تھے اور کہتے تھے کہ "ضرور ایک نبی آئے گا جو تمہارے بتوں کو توڑ دے گا لیکن جب آنحضرتؐ نے ظہور کیا تو انہوں نے کفر اختیار کیا"۔ (۳)

مغلطای کہتا ہے کہ جب آپؐ کی پیدائش سے پہلے مشہور ہوگیا کہ محمدؐ نام کا پیغمبر

۱۔ سورہ بقرہ، آیت ۱۴۶

۲۔ سورہ الاعراف، آیت ۱۵۷

۳۔ بحار الانوار ج ۱۵ ص ۲۳۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ظہور کرے گا تو بہت سے لوگوں نے اپنے بیٹوں کا نام اس امید سے محمد رکھ لیا کہ شاید وہ وہی پیغمبر موعود ہو۔ ان میں سے ایک محمد بن سفیان بن مجاشع ہے الخ ... پھر اس نے ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے جن کا یہ نام رکھا گیا۔ (۱)

جب ہجرت سے پہلے رسول اسلامؐ نے مدینہ کے بعض لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہ وہی چیز ہے جس کی ہمیں یہودی خبر دیتے تھے کہ آخری زمانے میں ظاہر ہوگی۔ اسی طرح جب ان کے اور یہودیوں کے درمیان نزاع پیدا ہوگیا تو یہودیوں نے کہا ہم ایک ایسے پیغمبر کے مبعوث ہونے کا انتظار کر رہے ہیں جو عاد اور ثمود کی قوم کی طرح تمہیں نابود کر دے گا ہم اس کی پیروی کرتے ہوئے تمہارے خلاف اس کی مدد و حمایت کریں گے ... ۔ (۲)

اہل کتاب کے رہائشی علاقے

عیسائی جزیرۃ العرب کے مرکز میں نہیں تھے بلکہ اس کے اطراف یعنی حیرہ اور شام کے شہروں میں رہتے تھے بعض عرب قبائل مسیحی تھے البتہ ان کے بقول شراب خوری کے علاوہ وہ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔

یہودی سخت دباؤ اور مصائب کی وجہ سے فلسطین سے فرار کر کے یثرب چلے گئے وہاں وہ پہلے حکمران تھے اس کے بعد اوس اور خزرج یثرب پہنچے جو یمن کے قحطانی تھے وہ یہودیوں پر غالب آ گئے انھوں نے یہودیوں کو کہ جو تین قبیلوں بنی النضیر، بنی قینقاع اور بنی قریظہ پر مشتمل تھے، مدینہ اور اس کے اطراف میں مخصوص مقامات پر محصور کر دیا اسی طرح وہ فدک اور تیماء میں بھی رہائش پذیر تھے۔

۱۔ سیرۃ مغلطای ص ۷

۲۔ ابن حبان کی الثقات ج ۱ ص ۹۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ھیکل کہتا ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے مکے میں رہائش رکھنا ممنوع تھا مگر مزدور اور اجیر کی حیثیت سے بشرطیکہ اپنے دین اور کتاب کے بارے میں وہ کوئی بات نہ کہیں۔ دوسرے مقامات پر یہودی غلاموں کو اس ممنوعیت سے مستثنیٰ قرار دیا گیا تھا۔ (۱)

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض عیسائی عرب مثلاً ورقہ بن نوفل اور اس جیسے دوسرے افراد مکہ میں رہائش پذیر تھے۔ بہرحال اس بات کی تحقیق ہمارے لئے کوئی زیادہ اہم نہیں ہے۔

اہل کتاب اور عربوں پر ان کا علمی دبدبہ

یہاں پر جس نکتے کا ذکر کرنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ عرب اہل کتاب کے سامنے یوں اظہار تواضع کرتے تھے جس طرح شاگرد استاد کے سامنے، وہ انہیں اپنی معرفت اور ثقافت کا سرچشمہ خیال کرتے تھے۔

اس بارے میں تاریخ میں ہم یہاں تک دیکھتے ہیں کہ جب عرب اسلام کی طرف مائل ہوتے تو وہ احبار اور راہبوں سے مشورہ کیا کرتے تھے بلکہ ہم بعض موقعوں پر مشاہدہ کرتے ہیں کہ جب پیغمبر اکرمؐ نے ایک قبیلے کو دعوتِ اسلام دی تو وہ قبیلہ پورے کا پورا فدک کے یہودیوں کے پاس گیا اور ان سے رسول اللہ کے بارے میں پوچھا۔ (۲)

قبیلہ کندہ کے سامنے اسلام پیش کیا جاتا ہے اور وہ اسلام قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں ان میں سے بعض رسول اللہ کی حقانیت پر یہودیوں کی اس پیشگوئی سے استدلال کرتے ہیں کہ بہت جلد حرم سے ایک نبی ظہور کرے گا اور اس کا زمانہ آ پہنچا ہے۔ (۳)

۱۔ محمد حسین ہیکل، حیات محمد ص ۶۵ و ۶۶

۲۔ البدایہ و النہایۃ ج ۳ ص ۱۳۵ اور دلائل النبوۃ (ابو نعیم) ص ۱۰۲ کی طرف رجوع کریں۔

۳۔ ابونعیم، دلائل النبوۃ ص ۱۰۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ابتداء میں اہل مدینہ کے اسلام کی بنیاد ایسے ہی دلائل اور براہین پر استوار تھی (جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے) آگے چل کر انھیں مزید بیان کریں گے۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

حیرہ کا ایک وفد اور کعب بن عدی اسلام لے آئے جب حضور اکرمؐ کی رحلت ہوئی تو وہ مرتد ہوگئے لیکن کعب بن عدی اپنے اسلام پر باقی رہا اس نے خود اس بارے میں یوں کہا ہے: "میں مدینہ جانے کے لئے نکلا راستے میں میں نے ایک راہب سے ملاقات کی جس کے بغیر ہم کوئی فیصلہ نہیں کرتے تھے"۔ (۱) اس کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسے راہب پر پورا اعتماد تھا اور اس کے اسلام کی وجہ وہی (راہب) تھا۔ اس کے قول پر غور کریں وہ کہتا ہے کہ "ہم اس کے قول کے بغیر کوئی بھی فیصلہ نہیں کرتے تھے"۔

اسی طرح آئندہ ذکر ہوگا کہ ابو سفیان نے کعب بن اشرف سے سوال کیا کہ خدا کے نزدیک کونسا دین زیادہ پسندیدہ ہے تمہارا دین یا محمدؐ کا دین؟

جنگ خندق میں بعض گروہوں کو شریک کرنے کے لئے جب یہودی مکے آئے تو انھوں نے، بنی نضیر کے بعض یہودیوں نے سلام ابن ابی الحقیق، حیی بن اخطب اور کنانہ بن الربیع سے کہا کہ اے یہودیوں کی جماعت! تم پہلی کتاب والے ہو اور ہمارے اور محمدؐ کے درمیان اختلاف سے باخبر ہو کیا اس کا دین بہتر ہے یا ہمارا دین؟ یہودیوں نے کہا: تمہارا دین اس کے دین سے بہتر ہے اور تم حق کے اہل ہو۔ جب انھوں نے قریش سے یہ بات کہی تو وہ خوش ہوگئے اور جس مقصد کے لئے ان کے پاس آئے تھے اس سے وہ پر امید ہوگئے۔ (۲)

ہم جانتے ہیں کہ سرداران قریش حق کو خوب پہچانتے تھے لیکن اپنی دشمنی اور تکبر کی

۱۔ الاصابة ج ۳ ص ۲۹۸ از بغوی و ابن شاہین و ابن سکن و ابن یونس تاریخ مصر میں و ابونعیم۔

۲۔ سیرة ابن ہشام ج ۳ ص ۲۲۵ و ۲۲۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وجہ سے اسے ظاہر نہیں کرتے تھے کیونکہ خود خدا ارشاد فرماتا ہے۔ "و جحدوا بہا و استیقنتہا انفسہم"۔ (۱) یعنی انھوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا جبکہ دل سے وہ اس پر یقین رکھتے تھے۔

لیکن جو بات قابل توجہ ہے وہ یہ ہے کہ وہ یہودیوں کے اثر و رسوخ اور ان کی علمی برتری سے اعتقادہ کرتے تھے اور یہودیوں کو اپنی دینی تعلیمات کا منبع و مآخذ سمجھتے تھے۔ موقع کی مناسبت سے عرض کرتے چلیں کہ تاریخ نے اپنے آپ کو دہرایا ہے آج بالکل عصر جاہلیت کی طرح مسلمانوں کی نظریں یورپ والوں کی طرف لگی ہوئی ہیں۔

آخر میں حلبی اور ابن ہشام کے اقوال کو نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ "یہ بات مخفی نہ رہے کہ کفار قریش نے نضر بن حرث اور عقبہ بن ابی معیط کو یہودی علماء کے پاس مدینہ بھیجا اور ان سے کہا ان سے محمدؐ کے بارے میں پوچھ آؤ انھیں اس کی صفات بتاؤ اور اس کا تعارف کراؤ کیونکہ وہ پہلی کتاب (توراۃ) کو ماننے والے ہیں۔ (۲) اس کے بعد جو واقعہ ان کے اور یہودیوں کے درمیان پیش آیا نیز مکے میں آنحضرتؐ اور کفار کے درمیان جو کچھ ہوا، اس کا وہ ذکر کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اہل کتاب کی پیشگوئیوں کے ذریعے عربوں کے ذہن میں یہ بات راسخ ہوچکی تھی کہ اس سرزمین پر بہت جلد ایک پیغمبر مبعوث ہوگا اور اس بات نے ان کیلئے آنحضرتؐ کی دعوت کے قبول کرنے کو آسان بنا دیا اور جس حقیقت کو آپؐ لے کر آئے تھے اس پر یقین کر لینے کی راہیں ان کے لئے ہموار کر دیں کیونکہ (ان طاغوتوں کے علاوہ) باقی عرب لوگ اپنی صاف طبیعت اور روح کی پاکیزگی کے باعث حق کو قبول اور اس پر یقین کر رہے تھے۔ ان کا قبیلہ اور آداب و رسوم فقط انھیں ایک دوسرے کے مقابلے میں اطاعت اور

۱۔ سورہ نمل، آیت ۱۴

۲۔ سیرۃ الحلبیۃ ج ۱ ص ۳۱۰ و سیرۃ ابن ہشام ج ۱ ص ۳۲۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

فرمان برداری سے روکتے تھے وہ بھی ان کی سخت مزاجی، غیرت اور بلند ہمتی کے سبب تھا ورنہ انھیں حق کے قبول کرنے اور پیام آسمان پر ایمان لانے سے نہیں روکتے تھے۔ (۱)

۲۔ سیاسی اور نظریاتی خلا

الف۔ نظریاتی خلا

اہل عرب خطرناک قسم کے نظریاتی خلا کا شکار تھے اس بارے میں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام نے اپنے گذشتہ کلام میں یوں فرمایا تھا: "اللہ تعالیٰ نے رسول اکرمؐ کو اس حال میں مبعوث فرمایا جب لوگ گمراہ اور سرگرداں تھے، فتنوں میں غرق تھے، پیچیدہ مسائل میں پریشان اور مضطرب تھے اور جاہلیت میں ڈوبے ہوئے تھے"۔

ان کی بت پرستی بھی قبائلی رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ ہر قبیلے بلکہ ہر خاندان کا اپنا بت تھا ان کی بت پرستی جذبات پر مبنی تھی اور عقل و منطق کے طور طریقوں سے دور تھی ان کا کسی بت سے رابطہ ان کے آباء و اجداد کی تاریخ سے اس بت کی وابستگی کی وجہ سے تھا۔ یہ مقتضائے طبیعت عرب تھا کہ اپنے نسب اور جو چیز ان سے منسوب تھی اس پر فخر کرتے تھے۔ قرآن اس بارے میں ان سے یوں حکایت کرتا ہے۔ "بل قالوا انا وجدنا آبائنا علی امۃ، و انا علی آثارھم مھتدون"۔ (۲) یعنی ہم نے اپنے آباء و اجداد کو ایک طریقے پر پایا اور ہم انھی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

جو امور اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ ان کی بت پرستی عقلی اور وجدانی اصولوں پر استوار نہیں تھی، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جو لوگ اپنی عقل اور فطرت کی طرف رجوع کرتے تھے وہ اسے فطرت اور عقل سلیم کے منافی پاتے اور تیزی سے اس ماحول اور صورتحال

۱۔ جاحظ، البیان و التبیان ج ۳ ص ۱۲۷

۲۔ سورہ زخرف، آیت ۲۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سے نکلنا چاہتے تھے اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب بت پرستی سے دور تھے اسی طرح انھوں نے کہا ہے کہ ورقہ بن نوفل، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل اور عبیداللہ بن جحش بتوں کی پرستش سے اجتناب کرتے تھے ان کے بتوں پر کمزور اعتقاد کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ اکٹھے ہوئے اور انھوں نے آپس میں مشورہ کیا، پہلے دو نے عیسائیت کو قبول کر لیا جبکہ باقی دو شک و تردد اور حیرت میں باقی رہے۔ (۱)

ب۔ سیاسی خلا

عرب کی خشک اور جلا دینے والی سرزمین، خانہ بدوشی، مشکلات پر صبر و تحمل اور قوت برداشت جیسے عوامل نے عربوں پر تسلط کو تقریباً محال بنا دیا تھا جیسا کہ گذر چکا ہے۔ بلکہ وہ اپنی طبیعی خصلت اور حالات زندگی کی وجہ سے ہر دخالت کرنے والے کا ڈٹ کر مقابلہ کر سکتے تھے اور اسے کاری ضرب لگا سکتے تھے اسی لئے حملہ آور ہمیشہ خوف سے دوچار رہتا تھا اس علاقے سے استعماری قوتوں کو دور رکھنے میں اس امر کا بہت زیادہ کردار ہے علاوہ ازیں استعماری ارادے رکھنے والے جانتے تھے کہ اس عمل سے جو نقصان انھیں اٹھانا پڑے گا اس کے مقابلے میں انھیں زیادہ فوائد حاصل نہیں ہوں گے۔ خصوصاً عربوں کی حرمت پسندی جو ان کے خون اور دل و جان کی گہرائیوں میں رچی بسی ہوئی تھی اور وہ کسی قیمت پر بھی اس سے دستبردار نہیں ہو سکتے تھے، جس سے وہ لوگ اچھی طرح واقف تھے۔

مجموعی طور پر یہ عوامل اس علاقے میں واضح طور پر ایک سیاسی خلا کا سبب بنے بلکہ جزیرۃ العرب کے شمالی علاقے سے کسی بھی بیرونی حکمران نے واسطہ نہ رکھا اور نہ اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کی اگرچہ اس کا جنوبی حصہ تھوڑے عرصے کے لئے حبشیوں کے زیر

۱۔ البدایہ و النہایۃ جلد ۲ صفحہ ۲۳۷ و ۲۳۸ اور حیات محمد (ہیکل) صفحہ ۸۹ پر رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تسلط رہا تھا۔ (۱)

اسی سیاسی خلاء نے اس سرزمین کو عیسائیت اور مجوسیت جیسے بڑے بڑے ادیان کے قابل ذکر اثر و نفوذ سے محفوظ رکھا اگرچہ حکام وقت کے اجبار کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہوتا تھا۔ اسی مسئلے نے انھیں یہودیت اور زرتشتی اثرات سے بھی دور رکھا جس کے پیروکار ان کے درمیان رہتے تھے۔ اسی طرح ان کی اسی خصوصیت نے انھیں غلط فہمیوں، شبہوں اور استعماری افکار خواہ وہ داخلی ہو یا خارجی، سے دور رکھا۔ البتہ بعض اوقات بعض یہودی "مشرق اور مغربی روم" سے فرار ہو کر ان کی طرف متوجہ ہوئے لیکن ان میں اپنی سرگرمیوں کا عنصر موجود نہ تھا۔ اگر کچھ تھا بھی تو اس کا فائدہ نہیں تھا۔ کیونکہ وہاں پر کوئی حکومت یا طاقت موجود نہ تھی جو ان کی تقویت سیاسی و تبلیغی لحاظ سے کرتی۔ اس لئے (جیساکہ پہلے گزر چکا ہے) کہا جاتا ہے کہ بعض عیسائی قبائل نے عیسائیت سے فقط شراب پینا سیکھا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عیسائیت عقل و فطرت سے دور ہے وہ انسانی روح اور ضمیر سے رشتہ نہیں جوڑ سکتی جو ان کے کردار و رفتار پر مسلط ہوسکے۔

لیکن اسلام دین فطرت ہے اس نے بہت کم مدت میں ابوذر، سلمان اور عمار جیسے انسانوں کی تربیت کی ہے۔ سب سے پہلے یہ دین انسان کی عقل سے تعلق پیدا کرتا ہے پھر اس کے ضمیر اور روح سے متصل ہو جاتا ہے پھر اسے ایک خدائی انسان میں تبدیل کر دیتا ہے۔

اسلام نے ان انسانوں کو جو کل تک وحشیانہ زندگی گزارتے تھے، کسی نظام کے پابند نہیں تھے اور کسی قانون اور ضابطے کی ان پر حکومت نہیں تھی ایسی امت میں بدل دیا جو سب سے زیادہ نظم و ضبط کی پابند اور قانون الٰہی کے ساتھ سب سے زیادہ وفادار اور مخلص تھی۔ اسی طرح نبی اکرمؐ اور آئمہ علیہم السلام نے جن محدود وسائل اور جتنے کم عرصے میں

۱۔ مختصر تاریخ العرب (سید امیر علی) ص ۸ پر رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جن افراد کی تربیت کی کوئی بھی حکومت ایسے افراد تیار نہ کر سکی۔ حتیٰ وہ حکومتیں بھی جو اپنے آپ کو اسلام سے منسوب کرتی تھیں، تمام وسائل کے باوجود ایسا نہ کر سکیں۔ یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جو معاشرے کی اصلاح و تربیت اور اس کے تزکیہ میں حقیقی رہبر کے اہم کردار کو واضح طور پر ثابت کرتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عربوں کی صاف طبیعتوں، خلاف فطرت افکار، انحرافات اور شبہات سے عدم آلودگی، علاوہ ازیں نظریاتی اور اعتقادی خلاء شرک کی غیر معقولیت اور بت پرستی، حق پر ایمان لانے کی صلاحیت کی موجودگی (جب ان پر حق واضح ہو جائے) اور ابتر معاشرتی حالات جن کا انہیں سامنا تھا۔ ان عوامل میں سے ہر ایک کا دعوت اسلام کے پھیلنے میں بڑا کردار تھا۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے بہت سے افراد صرف رسول اللہ کا کلام سن کر اسلام لے آئے یا فقط تلاوت قرآن سن کر دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے اور اگر ہم ان کے سرداروں کو دیکھتے ہیں کہ وہ عموماً اس کا انکار کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ دلیل و برہان قانع کنندہ نہیں تھا بلکہ اسلام سے ان کے دنیاوی مفادات کو نقصان پہنچتا تھا اور ان کے غیر انسانی ہوا و ہوس میں رکاوٹ ڈالتا تھا وہ اس فرمان الٰہی کے مصداق تھے۔ "و جحدوا بہا و استیقنتہا انفسہم"۔

اس بنا پر ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ لوگ ابتدائی طور پر دقیق افکار اور تعلیمات پر دلیل و استدلال کا مطالبہ کرتے تھے کیونکہ طبیعت کی صفائی سالم فطرت اور شبہات و انحرافات سے دلوں کا اچاٹ ہونا دعوت حق کا ادراک کرنے اور صحیح و سالم افکار کے قبول کرنے کے لئے کافی تھا۔ قرآنی آیات نے بھی انہیں فطرت کی طرف رجوع کرنے اور غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے۔

لیکن بعد میں انسان کی فکر و عقل کے دائرے میں اجنبی افکار و نظریات اور مفاد پرستوں کے شبہات کے داخل ہونے سے اس کی فطرت پر پردے پڑ گئے اس کی فکر متزلزل و پراگندہ ہوگئی اور اس کی عقل کم ہوگئی اس کے بعد سے انسانوں کی اکثریت دلائل و براہین

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی زیادہ محتاج ہوگئی اور ہر ایک اپنی فطرت کی آلودگی اور غیروں کے افکار و شبہات سے متاثر ہونے کی وجہ سے اپنے آئمہ سے دلیل اور برہان کا مطالبہ کرتے تھے۔

۷۔ دشوار زندگی اور جانثاری

عربوں کی صحرائی اور کٹھن زندگی نے اس دعوت کے راستے میں، جس پر وہ اپنے ضمیر کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ایمان راسخ لے آئے تھے اور وہ اس پر دل و جان سے عمل کرتے تھے، جان کی قربانی کو ان کے لئے نہایت آسان بنا دیا تھا کیونکہ وہ آسائش و آرام اور اعلیٰ و ارفع زندگی نہیں گزارتے تھے جو زندگی سے شدید محبت اور عشق کا موجب بنتا۔ یہ ایک واضح سی بات ہے کہ جہاں بھی سطح زندگی آرام دہ اور اعلیٰ و ارفع ہو انسان کا اس سے تعلق اور لگاؤ بیشتر ہوگا اور اس کے برعکس زندگی جتنی دشوار اور مشکل ہوگی اس سے گزر جانا اتنا ہی آسان ہوگا۔

ایسی دعوت جس کے قبول کرنے والوں کو مستقبل میں مختلف مصائب اور قسم قسم کی معنوی، اقتصادی اور معاشرتی مشکلات کا سامنا کرنا ہو لازمی طور پر اسے ایسے افراد کی شدید ضرورت ہوتی ہے جو مصائب و مشکلات کا مقابلہ کرنے، دباؤ کو برداشت کرنے، بھوک و پیاس کو تحمل کرنے، آزار و اذیت، تشدد اور موت پر صبر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں عموی طور پر عرب ایسے ہی تھے کیونکہ اپنی دشوار اور سخت زندگی کے حوالے سے جتنی مصیبتیں ان کو دیکھنی چاہیے تھیں وہ دیکھ چکے تھے مسائل و مشکلات ان کی زندگی کی امتیازی خصوصیت تھی بلکہ یہ ان کی روزمرہ خوراک تھی اس کے علاوہ دیگر امور کو استثنائی صورت حاصل تھی۔

اس بنا پر جو کچھ اس دعوت کے حوالے سے متوقع تھا وہ اس کے برداشت کرنے کی طاقت رکھتے تھے کیونکہ عیش و عشرت کی زندگی گزارنے والے ان مشکلات کا مقابلہ نہیں کرسکتے اور ان مصائب کو تحمل نہیں کر سکتے تھے۔ عرب ایک صحرائی درخت کی مانند تھے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جس کی لکڑی بہت مضبوط اور جڑیں زیادہ گہری ہوتی ہیں۔

اس لئے ہم بعض مسلمانوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ کفار سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر وہ کوئی رعایت کرنا چاہتے ہیں تو ابن عمیر کے ساتھ رعایت کریں کیونکہ وہ اسلام سے پہلے ناز و نعم میں پلا بڑھا تھا لیکن جب اس نے اسلام قبول کیا تو اس پر مشکلات اور مصائب آن پڑے لہذا ان کو برداشت کرنے پر باقی مسلمان اس سے ہمدردی اور شفقت کا اظہار کرتے تھے۔ اس کی وجہ وہی نکتہ تھا جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا۔

۸۔ عربوں میں دین حنیف کے باقیماندہ اثرات

گذشتہ امور کے علاوہ اسلام کے پھیلاؤ میں جو عناصر مددگار ثابت ہوئے ان میں سے ایک جزیرۃ العرب میں دین حنیف کے اثرات کا موجود ہونا تھا (یعنی دین ابراہیمی، مثال کے طور پر حج اور اسکے آداب) خصوصاً مکے میں کیونکہ عرب حضرت اسماعیلؑ کی اولاد تھے اور دین حق انھوں نے ان سے میراث میں پایا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ وہ حق و باطل کو مخلوط کرتے گئے جیساکہ دوسری امتوں میں بھی ہوتا ہے جب جہالت کے پردے اسکے سامنے آجائیں نیز انحرافات اور نفسانی خواہشات ان پر غالب آگئیں، یہاں تک کہ وہ شرک و بت پرستی (جیساکہ پہلے ذکر کیا گیا ہے) باطل امور، برے اخلاق اور ناپسندیدہ اعمال میں مبتلا ہوگئے آخرکار وہ اس اندھی جاہلیت میں گھر گئے جس کا امیرالمومنینؑ نے ذکر کیا ہے۔

البتہ ان کے علاوہ ایک تعداد ایسی تھی (اگرچہ وہ بہت کم تھی) جو اسی توحیدی عقائد پر باقی تھی، بت پرستی کی مذمت کرتی تھی اور ہمیشہ مناسب انداز سے خدا کی پرستش کرتی تھی ان کا دین، دین ابراہیم کی تعلیمات کے قریب تھا عبدالمطلب اور بنی ہاشم کے پاکیزہ افراد اسی قبیل کے تھے۔

دین حنیف کی باقی ماندہ تعلیمات میں تعظیم کعبہ، طواف، عرفات میں وقوف، اونٹ کی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قربانی اور تلبیہ (۱) وغیرہ شامل تھیں اگرچہ انہیں مسخ شدہ اور باطل سے آمیختہ صورت میں انجام دیا جاتا تھا، جو امر دین کا جزء نہیں تھا اسے دین کے عنوان سے بجا لایا جاتا تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بتدریج ان میں کمی آگئی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ ان کا صرف نام ہی باقی رہ گیا۔

خلاصہ یہ کہ ظہور اسلام کے وقت عربوں کے ذہنوں اور ضمیروں میں کچھ دھندلی سی یادیں تھیں جو انہیں دین حنیف سے مربوط رکھتی تھی وہی دین جس پر ان کے آباء و اجداد تھے (عرب چونکہ جنگ و غارتگری کے موقعوں پر اپنے نسب پر فخر کرتے تھے) جب نبی اکرمؐ اسی دین حنیف کو کامل کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تو طبیعی امر ہے کہ ان یادوں اور تصورات کا آپؐ اور آپؐ کے مثبت اور حقیقت پسندانہ پیغام کے بارے میں لوگوں پر ایک مثبت اثر پڑا۔

۹۔ عربوں کی خصوصیات اور عادات

عربوں کی بعض عادات، خصوصیات اور اخلاقیات رسول اکرمؐ کی دعوت اسلام (جو حق اور خیر و برکت کی دعوت تھی) کی ترویج و اشاعت میں بہت زیادہ موثر ثابت ہوئیں اگرچہ اپنی خصوصیات اور عادات جن سے اسلام نے فائدہ اٹھایا، کو زیادہ معقول اور مقبول بنانے کے لئے اور انہیں صحیح بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے اسلام نے اقدامات کئے، لیکن ان میں سے جو اوصاف اسلام کی نظر میں نا قابل قبول تھے ان سے اگرچہ گاہے اسلام کو فائدہ پہنچتا تھا پھر بھی ان کو ختم کرنے کے لئے اسلام نے حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے ہر موقعہ سے فائدہ اٹھایا۔ مثال کے طور پر اسلام نے دفاع اسلام کے حوالے سے عربوں کی

۱۔ یعقوبی نے اپنی تاریخ میں ج۱ ص ۲۵۴-۲۵۷ میں مکّے ہر قبیلے کی تلبیہ اور بعض دوسری رسومات کا ذکر کیا ہے خواہشمند حضرات اس کتاب کی طرف رجوع کرسکتے ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شجاعت اور سخت کوشی سے خوب فائدہ اٹھایا۔

اسی طرح قبائلی تعصب سے استفادہ کر کے بہت اچھے نتائج حاصل کئے۔ بعد از ہجرت مدینے میں دو قبیلے اوس و خزرج دو پہلوانوں کی طرح رسول اللہ کی ہمراہی میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ اوس رسول اللہ کی خوشنودی اور رضایت کے لئے کوئی کام انجام دیتے تو خزرج خدا کی قسم کھا کر کہتے کہ وہ اس ذریعے سے رسول اللہ کے نزدیک نہ ہو جائیں اور اس فضیلت کی وجہ سے ہم سے برتری حاصل نہ کر لیں لہذا وہ اپنے کام کو مکمل نہ کر پاتے کہ یہ بھی انہی کی طرح کام کو انجام دیتے اور اگر خزرج کوئی عمل بجا لاتے تو اوس یوں کہتے تھے۔ (۱)

ہجرت سے قبل مکے میں مسلمانوں کے درمیان قریش اور دوسروں سے مشکلات کو سہنے میں سبقت لے جانے میں قبائلی تعصب کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ آنحضرتؐ اور دوسرے مسلمانوں کی زندگیوں کو دشمنوں کی طرف سے درپیش خطرات کو روکنے میں اس کا بڑا موثر کردار تھا اگر ان کا قبیلہ نہ ہوتا جس کا انھیں ڈر نہ ہوتا تو وہ ضرور ان کا کام تمام کر دیتے اگرچہ بعض اوقات انھیں طاقت فرسا اذیتوں اور شدید مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا یہاں تک اللہ تعالی نے انھیں مدینے کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی۔

اس لئے ہم ملاحظہ کرتے ہیں کہ حضرت ابوطالبؑ نے بہت مواقع پر قبائلی تعصب (حمیت) سے فائدہ اٹھایا یہاں تک کہ بنی ہاشم کو خواہ وہ مسلمان تھے یا کافر، کو شعب ابیطالب میں معاشی بائیکاٹ کی مصیبتوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔

حضرت ابوطالب کے شعروں میں بنی ہاشم اور قریش کے بعض قبیلوں کے درمیان قرابت کے عنصر پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ یہ امر حضرت رسول اکرمؐ کو دشمنوں کی

۱۔ تاریخ طبری طبع الاستقامۃ ج ۲ ص ۱۸۴ اور الکامل (ابن اثیر) طبع صادر ج ۲ ص ۱۳۶ پر رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سازشوں سے محفوظ رکھنے میں نہایت موثر تھا۔ جیساکہ ہم عرض کر چکے ہیں۔

بلکہ خود مشرکین نے آپؐ سے بغض و عناد میں یا آپؐ کے قتل کی سازش کے وقت (جو آپؐ کی ہجرت کا موجب بنی) اپنے قبائلی تعلقات کو ہی مدنظر رکھا۔ ان کے بارے میں ہم آئندہ بات کریں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔

مدینے میں بھی عربوں کی مہمان نوازی، عہد و پیمان کے ساتھ وفاداری، امان کی پابندی، آزاد منشی، غیرت، عزت نفس، خود اعتمادی، قوت ارادی اور شجاعت و بسالت کے بہت سارے اثرات مرتب ہوئے۔ حتیٰ کہ جنگ و جدل کی وجہ سے ان میں پیدا شدہ سخت مزاجی نے انہیں دین و اعتقاد کے راستے میں عواطف و جذبات سے بے نیاز کر دیا یہاں تک کہ وہ اپنے بیٹوں، بھائیوں اور باپوں کو بھی قتل کر دیتے تھے۔

۱۰۔ ابوطالبؑ اور علیؑ کی شجاعت اور خدیجہؑ کی دولت کا کردار

ہمیں شیخ الابطح ابوطالبؑ جیسے بڑے انسان کی مکے میں دشمنوں کے مقابلے میں آنحضرتؐ کی مکمل حمایت پر ضرور روشنی ڈالنی چاہیے۔

اسی طرح اس اہم اقتصادی عامل کو بھی نہیں بھولنا چاہئے جو نبی اکرمؐ کی زوجہ حضرت خدیجہ (س) نے اسلام کے لئے فراہم کیا۔ وہی دولت و ثروت جس کی وجہ سے (بعض کے نظریے کے مطابق) جزیرۃ العرب کے اقتصاد کی چابی ان کے ہاتھ میں تھی۔

نبی اکرمؐ نے وہ تمام دولت مسلمانوں پر گزرنے والے سخت ترین حالات اور قریش کی طرف سے اقتصادی بائیکاٹ اور آزار و اذیت کے دوران خرچ کر ڈالی۔

آنحضرتؐ کی طرف سے مسلمانوں پر اموال کو خرچ کرنے کی ایک دلیل اسماء بنت عمیس کا یہ قول کہ جب حضرت عمر نے اسماء کو یہ طعنہ دیا کہ وہ ہجرت کے مقابلے میں اس (اسماء) پر سبقت رکھتا ہے اور یہ کہ وہ ایک حبشی اور دیہاتی عورت ہے۔ (اس بارے میں صحیح مسلم اور دوسروں نے جو کچھ لکھا ہے اسکی بنا پر) اسماء نے اسے کہا: "تم نبیؐ کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ساتھ تھے انھوں نے تمہارے بھوکوں کو کھانا کھلایا اور تمہارے جاہلوں کو موعظہ کیا"۔ (۱)

اور آخر میں انہی مباحث کے دوران نبی اکرمؐ کے وصی اور بھائی امیرالمومنین علیؑ کے کردار کا تذکرہ بھی ضروری ہے اگرچہ اختصاراً ہی سہی۔

ہاں! ان میں سے ایک عنصر کا اسلام کی ترویج و اشاعت، اس کی حفاظت اور کامیابی میں بہت بڑا عمل دخل ہے۔ جو کسی بھی با بصیرت اور آگاہ محقق سے پوشیدہ نہیں ہے۔

البتہ اسلام کی ترویج و اشاعت اور وسعت و مقبولیت میں اور بھی عوامل کار فرما تھے جن میں سے بعض کی طرف اسلامی تاریخ کے دریچوں سے روشنی ڈالنے کی ضرورت ہے۔

اس مقام پر ہم اسی پر اکتفا کرتے ہیں تاکہ سید المرسلین نبی اکرمؐ کی بعثت کے بعد کی زندگی پر کچھ روشنی ڈال سکیں البتہ جس حد تک ہمارے بس میں ہے۔

قابل توجہ نکتہ

ہماری تمام گزشتہ گفتگو کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جزیرۃ العرب میں اسلام کی اشاعت و ترویج، ایک طبیعی امر کا نتیجہ تھی۔ اس لحاظ سے کہ اگر یہ تمام اسباب و عوامل کسی اور تحریک کو بھی میسر آ جاتے تو وہ بھی یہی نتائج حاصل کرتی جو اسلام نے حاصل کئے تھے۔

بلکہ معاملہ برعکس ہے اس علاقے میں اسلام کی کامیابی اور ظہور خود ایک معجزہ ہے اور اسلام کی حقانیت کی دلیل ہے ورنہ اس علاقے میں یہودی بھی موجود تھے اور یہ تمام عناصر اور عوامل انھیں بھی میسر تھے لیکن وہ عربوں کے افکار اور کردار و گفتار پر کوئی اثرات مرتب نہ کر سکے۔ (۱)

۱۔ قاموس الرجال ج ۱۰ ص ۳۸۰ اور بعض دوسرے مآخذ جنکا جلد ذکر کرینگے۔

۲۔ اگرچہ دین یہود ایک خاص نسل میں منحصر ہے اور دوسری قوموں میں سرایت نہیں کرتا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسی طرح عیسائیوں نے بھی اپنے دین کی ترویج اور ہر شخص کو عیسائی بنانے کے لئے اپنی توان و قدرت کے مطابق ہاتھ پاؤں مارے، مجوسیوں اور دیگر ادیان نے بھی کوششیں کیں لیکن سب ناکام رہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام، اس کے مشن اور اس کے قائد و رہبر کا اسلام کی انقلاب آفرین تحریک، اس کی کامیابی اور بقاء میں ذاتی طور پر اہم بلکہ کلیدی کردار تھا۔ ورنہ ہر قسم کی کامیابی (اگر حاصل ہو) نہایت محدود ہوتی ہے خاص مدت تک باقی رہتی ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی قدرت و طاقت میں وقت گزرنے کے ساتھ اور مختلف حالات و شرائط میں روز افزوں ترقی اور تکامل پیدا ہوتا گیا۔ وقت کے بدلنے اور بعض عوامل کے فقدان سے اس پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا ظاہری طور پر اور اسلام کے رشد و نمو اور ترقی میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان باتوں کے باعث اس میں واضح ترقی کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ جو بات اس حقیقی پیشرفت کو ہمارے لئے بیان کرتی ہے وہ وہی ہے جس کا ہم ذکر کر چکے تھے۔ کہ اسلام انسان کی تمام باطنی قوتوں پر چھا جانے اور ان کو حق اور دین کی راہ میں ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ مختلف حالات اور شرائط کے ساتھ ہماہنگ ہو سکتا ہے۔ دوسری محدود اور جامد دعوتوں کے برخلاف اسلام کے پاس ہر مرض کی دوا، ہر مشکل کا حل اور ہر قسم کے حالات سے نپٹنے کا سلیقہ ہے۔

لہذا جب اسلام جزیرۃ العرب میں کامیابی سے ہمکنار ہوا تو اس دور میں اس علاقے میں ایسے بہت سے عوامل جو دعوت کے اہم امور میں انتہائی مددگار ثابت ہو سکتے تھے، موجود نہیں تھے۔ اگر اسلام کے علاوہ کوئی اور مشن ہوتا تو وہ ہرگز کامیاب نہ ہوتا لیکن ان عوامل کے فقدان کا اسلام پر کوئی اثر نہ تھا جس طرح دشمنوں کے ہاں ان تمام وسائل و اسباب کی موجودگی سے بھی اس کے اوپر کوئی اثر نہ پڑا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

البتہ اسلام نے اپنی کامیابی کے لئے بعض وسائل اور حالات سے استفادہ کیا تھا اور حالات کو اپنے حق میں بدل کر ترقی کی جانب بڑھایا تھا اور یہ اسلام کی عظمت اور سربلندی کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام پر عمل کرنے اور اس کی ہدایت کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے، انہ ولی قدیر۔

jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دوسرا باب

بعثت سے اعلان نبوت تک

پہلی فصل: بعثت

دوسری فصل: خفیہ دعوتِ اسلام

تیسری فصل: اسراء و معراج

jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پہلی فصل

بعثت

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعثت کے وقت رسول اللہ کی عمر مبارک

نبی اکرمؐ عام الفیل کے چالیس سال بعد مبعوث ہوئے یعنی جب آپؐ کی عمر مبارک ۴۰ برس کی تھی۔ یہ بات سیرت نویسوں اور مورخین کی اکثریت کی رائے کے مطابق ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس وقت آپؐ کی عمر ۴۳ سال تھی، دوسرے قول کی بنا پر ۴۳ سال اور تیسرے قول کے مطابق ۴۵ سال تھی۔(۱)

اگر اس اختلاف کی وجہ یہ ہو کہ بعض نے خفیہ دعوت کے عرصے کو بھی مدنظر رکھا ہو اور بعض نے نہیں جس میں تقریباً تین سے پانچ سال تک کا اختلاف ہے (۲) تو ممکن ہے ان اقوال میں کوئی فرق موجود نہ رہے (یعنی اختلاف لفظی ہو) یا شاید اختلاف کی وجہ یہ

۱۔ سیرۃ مغلطای ص ۱۳، سیرۃ حلبیۃ ج۱ ص ۲۲۴، تاریخ طبری ج ۲ ص ۴۲-۴۳ البدایۃ و النہایۃ ج ۳ ص ۴ اور تاریخ طبری ج۲ ص ۴۲ میں ایک روایت ہے کہ آنحضرت (ص) بعثت کے وقت بیس سال کے تھے اور یہ ایسی روایت ہے جس کے بطلان پر کسی کو شک و شبہ نہیں ہوسکتا۔

۲۔ بحارالانوار ج۱۸ ص ۱۷۷ اور ۱۹۳ وہ اکمال الدین کے ص ۱۹۷ سے نقل کرتے ہیں، التمھید فی علوم القرآن ج۱ ص ۸۲-۸۱، تاریخ یعقوبی ج۲ ص ۱۹، سیرۃ ابن ہشام ج۱ ص ۲۸۵، المناقب ابن شہر آشوب ج۱ ص ۴۳۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہو کہ ان میں سے بعض کا یہ نظریہ ہو کہ اس دور میں نبی اکرمؐ تمام لوگوں کے لئے مبعوث نہیں ہوئے تھے یا انھیں صرف اپنے رشتہ داروں اور قرابت داروں کو تبلیغ کا حکم دیا گیا تھا۔
شاید مکہ میں رسولؐ اللہ کی دعوت کی مدت کے بارے میں ظاہری اختلاف کا بھی یہی سبب ہو کیونکہ بعض حضرات نے یہ مدت ۱۰ سال اور بعض نے ۱۳ سال بتائی ہے۔

بعثت کا مہینہ رجب یا رمضان اور نزول قرآن کی کیفیت

گھر کی بات گھر والے ہی بہتر جانتے ہیں لہذا اہلبیت (ع) ہی دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ پیغمبرؐ کی خصوصیات سے آگاہ ہیں۔ اہلبیتؑ سے روایت کی گئی ہے کہ نبی اکرمؐ کی بعثت ۲۷ رجب المرجب کو ہوئی اور یہی قول مشہور ہے بلکہ علامہ مجلسی نے اس پر شیعوں کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ روایت غیر شیعہ سے بھی نقل ہوئی ہے۔ (۱)

بعض افراد نے کہا ہے کہ آپؐ ماہ رمضان میں مبعوث ہوئے لیکن دن کے بارے میں ان کا آپس میں اختلاف ہے۔ (۲) کچھ افراد کی رائے کے مطابق آپؐ کی بعثت ربیع الاول میں ہوئی البتہ ان کے درمیان بھی دن کے مسئلے پر اختلاف رائے موجود ہے۔ (۳)

۱۔ سیرۃ الحلبیۃ ج۱ ص ۲۳۸ میں ابوہریرۃ سے، سیرۃ مغلطائی ص ۱۳ پر کتاب العتقی میں الحسین سے، منتخب کنز العمال مسند احمد کا حاشیہ ج۳ ص ۳۶۲ مناقب ابن شہر آشوب ج۱ ص ۱۷۳ اور بحارالانوار ج۱۸ ص ۲۰۴ اور ۱۹۰ کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ تاریخ طبری ج۲ ص ۴۴ سیرۃ ابن ہشام ج۱ ص ۲۵۶، تاریخ یعقوبی ج۲ ص ۲۲/۲۳ طبع صادر، البدایۃ و النہایۃ ج۳ ص ۶۔

۳۔ المواہب اللدنیۃ ج۱ ص ۳۹ سیرۃ مغلطای ص ۱۳ تاریخ یعقوبی ج۲ ص ۲۲ التنبیہ و الاشراف ص ۱۹۸ مروج الذہب ج۲ ص ۲۸۷ سیرۃ الحلبیۃ ج۱ ص ۲۳۸

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جو افراد اس بات کے قائل ہیں کہ نبی اکرمؐ کی بعثت رجب کے مہینے میں نہیں بلکہ رمضان المبارک میں ہوئی ہے وہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ قرآن کے ساتھ مبعوث ہوئے اور قرآن ماہ رمضان میں نازل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ "انا انزلناہ فی لیلۃ القدر"۔ (سورہ قدر، آیت ۱) یعنی ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا۔

نیز فرمایا: "شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن"۔ (سورہ بقرہ، آیت ۱۸۵) یعنی ماہ رمضان وہ ماہ ہے جس میں قرآن نازل ہوا۔

یہاں پر نزول قرآن کے بارے میں ایک اشکال ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ دونوں آیات میں دو احتمال موجود ہیں ان میں ایک کی بنا پر یہ دونوں آیات دلالت کرتی ہیں کہ قرآن مجید ایک ہی مرتبہ نازل ہوا ہے لیکن یہ آیت "و قرآناً فرقناہ لتقراہ علی الناس علی مکث و نزلناہ تنزیلاً" (سورہ اسرائیل، آیت ۱۰۶) یعنی ہم نے اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا تاکہ تم (حسب ضرورت) مہلت دیتے ہوئے اسے لوگوں کے سامنے پڑھ دیا کرو (اس لئے) ہم نے اسے رفتہ رفتہ نازل کیا، دلالت کرتی ہے کہ نزول قرآن تدریجی تھا کیونکہ اس آیت میں "نزّل" کا حرف استعمال ہوا ہے جو نزول تدریجی کی نشاندہی کرتا ہے جبکہ پہلے والی آیت میں "انزَلَ" کی تعبیر استعمال کی گئی ہے جو نزول دفعی (ایک ہی دفعہ) پر دلالت کرتی ہے۔ مزید برآں یہ جملہ "و قرآناً فرقناہ لتقراہ علی الناس علی مکث"۔ یعنی ہم نے اس قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا تاکہ آپ مہلت دیتے ہوئے اسے لوگوں کے سامنے پڑھا کریں۔

مذکورہ آیت کے علاوہ ایک اور قول الٰہی بھی ہے "و قال الذین کفروا لولا نزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ"۔ (سورہ فرقان، آیت ۳۲) یعنی جو لوگ کافر ہوگئے انھوں نے کہا کیوں قرآن ایک ہی دفعہ اس پر نازل نہیں ہوا۔ یہ آیت بھی نزول دفعی کی تائید کرتی ہے۔

اس مقام پر یہ نکتہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ قرآن کی بعض آیات بعض وقتی واقعات سے مربوط ہیں اور زمانے کے ساتھ مقید ہیں۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: "قد سمع اللہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قول التی تجادلک فی زوجھا"۔ (سورہ مجادلہ، آیت ۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی گفتگو سنی جس نے تمہارے ساتھ اپنے شوہر کے بارے میں مجادلہ کیا۔ اور اسی طرح کفار کا قرآن پر اعتراض جو گذشتہ آیت میں بیان ہوا ہے۔

اس کے علاوہ تاریخ بھی اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ قرآن دوران نبوت کے ۲۳ سالوں میں بتدریج نازل ہوا ہے پس کون سی بات درست ہے؟

اس اشکال کا یوں جواب دیا گیا ہے کہ جو آیات قرآن کے یکبارگی نزول پر دلالت کرتی ہیں ان سے مراد قرآن کا "بیت المعمور" پر یکبارگی نزول ہے پھر وہاں سے تدریجاً رسول اکرمؐ پر نازل ہوا۔ اس بات کی بہت سی روایات تائید کرتی ہیں۔ (۱)

اس صورت میں قرآن ۲۷ رجب سے بتدریج نازل ہونا شروع ہوا بنابریں مذکورہ اقوال کے درمیان منافات ختم ہو جاتی ہے۔

اس اشکال کا ایک اور جواب یہ دیا گیا کہ پہلے تمام قرآن نبی اکرمؐ کے قلب مقدس پر ایک ہی دفعہ نازل ہوا لیکن آپؐ کو تبلیغ کا حکم نہیں دیا گیا تھا پھر اس کے بعد مختلف مواقع پر بتدریج نازل ہوا اس نظریے پر بہت سے شواہد موجود ہیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ (۲)

اس بارے میں ایک تیسرا نظریہ بھی ہے۔ جیساکہ بعض روایات میں یہ بات بیان ہوئی ہے اور بعض حضرات نے اس کی تصریح کی ہے کہ نزول قرآن کی ابتداء بعثت کے تین سال بعد ہوئی یعنی خفیہ دعوت کے اختتام پر (۳) اس بنا پر آپؐ کے رجب میں مبعوث

۱۔ تفسیر المیزان ج۲ ص ۱۵ کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ تفسیر المیزان ج۲ ص ۱۸، تفسیر الصافی ج۱، مقدمہ نہم اور زنجانی کی تاریخ القرآن ص ۱۰ کی طرف رجوع کریں۔

۳۔ التمہید فی علوم القرآن ج۱ ص ۸۳-۸۲ کہ جس نے کافی ج۲ ص ۳۶ سے نقل

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہونے اور قرآن کے رمضان المبارک میں نازل ہونے کے بارے میں کوئی تضاد نہیں رہتا۔ (۱)

ہماری رائے

الف۔ قرآن کی آیات میں غور و فکر اور تحقیق کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ "انزل" اور تنزیل کے الفاظ میں کوئی فرق نہیں ہے مثال کے طور پر قرآن میں "و لن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتاباً نقرؤہ"۔ (سورہ بنی اسرائیل، آیت ۹۳) یعنی ہم ہرگز تمہاری معراج کو قبول نہیں کرتے مگر یہ کہ تم ہم پر کتاب نازل کرو جسے ہم خود بھی پڑھ لیں۔ یہاں پر لفظ "تنزل" نزول دفعی کے معنی میں استعمال ہوا ہے اسی طرح ارشاد الٰہی ہے۔

"انزل من السماء ماء طهوراً"۔ یعنی اس نے آسمان سے پاک پانی نازل کیا۔

یہاں پر لفظ "انزل" نزول تدریجی کے معنی میں استعمال ہوا ہے لیکن بعض اوقات "نزل من السماء ماءً طهوراً" کی تعبیر بھی استعمال ہوئی ہے۔

ان کے علاوہ اور بہت سی مثالیں موجود ہیں جن کی جستجو کرنے کا ابھی موقع نہیں ہے، وہ سب اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ مذکورہ دو لفظوں میں کوئی فرق نہیں ہے چنانچہ بعض محققین نے اس جواب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر انزال اور تنزیل کے درمیان تفاوت ہو تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "و قالوا لولا نزل علیه القرآن جملة واحدة" غلط ٹھہرے گا، کیونکہ نزول تدریجی (نزل) اور دفعی (جملة واحدة) جمع نہیں ہوسکتے۔

کیا ہے، تفسیر العیاشی ج۱ ص ۸۰، صدوق کی الاعتقادات ص ۱۰۱، بحارالانوار ج۱۸ ص ۲۵۳، مستدرک الحاکم ج۲ ص ۶۱۰، الاتقان ج۱ ص ۳۹ تفسیر شبر ص ۳۵۰، البدایة و النهایة ج۳ ص ۴ اور تاریخ یعقوبی ج۲ ص ۳۳ کی طرف رجوع کریں۔

۱۔ التمهید ج۱ ص ۸۱ اور ۸۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ب۔ بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ نبی اکرمؐ قرآن کے ہمراہ مبعوث ہوئے غیر مسلّم ہے اور اہلبیتؑ سے منقول تمام روایات جو آپؐ کی بعثت کی تاریخ ماہ رجب بتاتی ہیں، اس قول کو کمزور کرتی ہیں۔

ج۔ جو روایات بیت المعمور پر قرآن کے نزول پر دلالت کرتی ہیں وہ اہلبیتؑ کے ذریعے سے ثابت نہیں ہیں اور ان پر اعتماد و اطمینان نہیں کیا جا سکتا جیساکہ شیخ مفید نے بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ (۱)

رہی یہ بات کہ قرآن ایک دفعہ پیغمبر اکرمؐ کے دل پر نازل ہوا ہے، اس کا ثابت کرنا نہایت مشکل ہے اور دلیل کے بغیر اس کا عقیدہ بھی نہیں رکھا جا سکتا۔

د۔ یہ دعویٰ کہ قرآن بعثت کے تین سال بعد نازل ہوا کیونکہ قرآن کی مدت نزول بیس سال بتائی جاتی ہے، بھی نا قابل اعتماد ہے کیونکہ ہو سکتا ہے اس حوالے سے منقول روایات میں تسامح سے کام لیا گیا ہو اور مسئلے کو دقت نظر سے نہ دیکھا گیا ہو اور یہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ کبھی معمولی چیزوں کو دوران کلام ذکر نہیں کرتے اور کبھی اس کا اضافہ کرتے ہیں اور یہ امر جھوٹ اور خلاف واقع بھی نہیں ہے کیونکہ ان کا مقصد کسی چیز کی مقدار کا نزدیک ترین اندازہ بتانا ہے نہ کہ حقیقی مقدار کو بیان کرنا بشرطیکہ جب مخاطب اس نکتے کی طرف متوجہ ہو۔

نتیجہ

نبی اکرمؐ کے ماہ رجب میں منصب نبوت پر فائز ہونے کے قول کی راہ میں کوئی مانع نہیں ہے جیساکہ اہلبیتؑ نے اس کی خبر دی ہے۔ یوں آپؐ وحی قرآنی حاصل کرنے کے لئے آمادہ اور تیار ہوگئے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ "انا سنلقی علیک قولا ثقیلا". (سورہ مزمل، آیت ۵)

۱۔ تصحیح الاعتقاد ص ۵۸

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یعنی ہم عنقریب تم پر ایک بھاری حکم نازل کریں گے۔ پھر نزول قرآن کی ابتداء رمضان المبارک سے تدریجی طور پر ہوئی۔

ممکن ہے اس نظریہ کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہو کہ "نزول قرآن سے پہلے ایک فرشتہ پیغمبر اکرمؐ کے سامنے ظاہر ہوتا تھا۔ (۱)

محقق جلیل سید مہدی روحانی (حفظہ اللہ) کا نظریہ ہے کہ ان آیات کو آپس میں اس طرح جمع کیا جاسکتا ہے کہ نزول قرآن کی ابتداء مبارک رات یعنی لیلۃ القدر میں ہوئی ہو اور لیلۃ القدر ماہ رمضان میں ہے، قرآن میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ "انا انزلناہ فی لیلۃ القدر" (یعنی ہم نے قرآن کو لیلۃ القدر میں نازل کیا) اور فرمایا: "انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ" (یعنی ہم نے قرآن کو مبارک رات میں نازل کیا) نیز فرمایا: "شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن". (یعنی وہ ماہ رمضان جس میں قرآن نازل ہوا) اور روایات اہلبیتؑ کے مطابق سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئیں۔ "بسم اللہ الرحمن الرحیم، اقرا بسم ربک الذی خلق". (یعنی پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے خلق کیا)۔

ان آیات سے یہ استدلال کرنا کہ قرآن ایک ہی دفعہ بیت المعمور پر نازل ہوا یا رسول اللہ کے قلب پر اترا اس کے بعد بتدریج ۲۰ یا ۲۳ سال کی مدت میں نازل ہوتا رہا کیونکہ قرینہ حالیہ جاتا ہے اور مسلمان اس کے بتدریجی نزول کے شاہد ہیں، درست نہیں ہے کیونکہ ہوسکتا ہے "انزال" اور "تنزیل" کا ایک ہی معنی ہو اور اس سے مراد "آغاز نزول" ہو۔ جس طرح ایک دن بارش برسنا شروع ہو اور پھر چند دنوں تک جاری رہے پس اگر کسی شخص نے اس دن سفر اختیار کیا ہو تو وہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے بارش والے دن سفر کیا یعنی

۱۔ التمہید فی علوم القرآن ج۱ ص ۸۳ یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ قرآن کا ماہ رمضان میں شب قدر کو یکبارگی نزول ہوا ہو لیکن تبلیغ کا حکم نہ دیا گیا ہو پھر موقع و محل کی مناسبت سے تدریجاً نازل ہوتا رہا ہو۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جس دن بارش کی ابتداء ہوئی۔ قرآن کے بارے میں بھی یہی بات ہے کیونکہ نزول قرآن کی ابتداء شب قدر کو ہوئی جو ماہ رمضان کی ایک رات ہے لہذا یہ کہنا درست ہے کہ قرآن ماہ رمضان میں نازل ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن اس وقت سے بتدریج نازل ہونا شروع ہوا اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن" میں قرینہ حالیہ موجود ہے جسے ہر کوئی سمجھ سکتا ہے کہ اس سے مراد بالخصوص سورہ علق کی ابتدائی آیات ہیں اور اس کے بعد قرآن تدریجاً نازل ہوتا رہا۔ اس کی مثال اس ارشاد الٰہی کی طرح ہے "کماء انزلناه من السماء" یعنی پانی کی طرح جسے ہم نے آسمان سے بھیجا، جبکہ بارش بتدریج برستی ہے بنابرایں ایک خاص دن سے اسے نسبت دینا مذکورہ واقعے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ ہر رونما ہونے والے بڑے واقعے (جو طویل مدت پر مشتمل ہو) کا پہلا دن یاد رکھا جاتا ہے مثال کے طور پر اگر پوچھا جائے کہ عباسیوں کی حکومت کب وجود میں آئی تو جواب میں اس کے سال ۱۳۲ کا ذکر کیا جائے گا۔

رہی بخاری کی حدیث جو نبوت اور قرآن کے ہمراہ نازل ہونے پر دلالت کرتی ہے تو اس کے بارے میں آئندہ ذکر ہوگا کہ یہ حدیث باطل ہے اور صحیح نہیں ہے۔

یہاں پر ہم اضافہ کریں کہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "انزل فیه القرآن" ایک گذشتہ واقعے کی حکایت کرتا ہے پس جملہ اپنے آپ کو شامل نہیں ہو سکتا مگر مجاز کی صورت میں۔ اسی طرح جو آیات اس کے بعد نازل ہوئی ہیں ان پر بھی دلالت نہیں کرتا کیونکہ اس صورت میں فعل مضارع یا وصف استعمال ہوتا جو زیادہ مناسب تھا۔ (۱)

شاید ابن شہر آشوب نے اسی معنی کی طرف توجہ کرتے ہوئے "متشابہات القرآن" میں یہ بات لکھی ہو کہ "صحیح یہ ہے کہ یہاں پر تمام قرآن مراد نہیں ہے بلکہ مراد جنس قرآن ہے پس قرآن کی جو چیز اس ماہ میں نازل ہوئی ہو وہ ظاہراً اس کے مطابق ہوگی۔ (۲)

۱۔ التمهيد فی علوم القرآن ج۱ ص ۸۳، ۲۔ التمهيد فی علوم القرآن ج۱ ص ۸۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

آغاز وحی

وحی کا آغاز غار حراء میں ہوا۔ حراء مکے سے تین میل کے فاصلے پر ایک پہاڑ ہے اور اسے کوہ فاران بھی کہا جاتا ہے جیساکہ تورات میں بھی آیا ہے۔ البتہ فاران مکے کے تمام پہاڑوں کو کہا جاتا ہے فقط کوہ حراء کو نہیں، جس طرح یاقوت الحموی نے اس کی تصریح کی ہے۔ رسول اکرمؐ غار حرا میں اپنے نزدیک ثابت شدہ شرعی طریقہ کے مطابق عبادت کرتے تھے آپؐ سے پہلے حضرت عبدالمطلبؑ نے بھی اس مقام پر عبادت کی تھی۔

سب سے پہلے آپؐ پر قرآن کی یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔ "بسم اللہ الرحمن الرحیم اقرا بسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق ... " (۱)

اہلبیتؑ سے بھی یہی بات مروی ہے ان کے علاوہ دوسروں سے بھی یہ بات بکثرت نقل ہوئی ہے اور مذکورہ آیات کا سیاق و سباق بھی اس مطلب پر دلالت کرتا ہے۔

گاہے کہا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ پر سب سے پہلے "سورہ حمد" نازل ہوئی خصوصاً ان روایات کے پیش نظر جو یہ کہتی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ، حضرت علیؑ اور حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے دوسرے دن نماز ادا کی۔

لیکن واضح ہے کہ یہ روایات کسی چیز کو ثابت نہیں کرتیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ سورہ فاتحہ سورہ علق کے فوراً بعد نازل ہوئی ہو پھر پیغمبرؐ نے نماز ادا کی ہو اور اس میں سورہ حمد قرائت کی ہو۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ اس زمانے میں نماز سورہ حمد پر مشتمل نہ ہوتی ہو بلکہ بعد میں اس کا حکم آیا ہو اگرچہ یہ بات کسی نے ذکر نہیں کی ہے۔ ان تمام باتوں کے علاوہ کہا جاتا ہے کہ سورہ فاتحہ سورہ مدثر کے بعد نازل ہوئی ہے۔

یہاں ایک اور نظریہ بھی پایا جاتا ہے وہ یہ کہ سب سے پہلے نازل ہونے والی سورہ،

۱۔ سورہ علق، آیت ۱-۲ اور تفسیر البرہان کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورہ مدثر ہے۔ (۱) ہم آئندہ گفتگو کریں گے کہ یہ سورہ خفیہ دعوت کے دور کے بعد نازل ہوئی ہے۔ علاوہ ازیں بھی لوگ بہت سی ایسی روایات بھی نقل کرتے ہیں جو انھی کے نظریے سے مطابقت رکھتی ہیں۔ اس بات کی تحقیق کے لئے تفسیر المیزان (ج ۲ ص ۳۲) کی طرف رجوع کریں۔ بہرحال اس موضوع پر تحقیق کرنا ہمارے لئے کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتا لہذا ہم اس سے زیادہ اہم باتوں کی طرف اپنی توجہ مبذول کرتے ہیں۔

یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم آنحضرتؐ کے معجزے یعنی قرآن اور اسکے راز اعجاز کی طرف گفتگو کا رخ موڑ لیں کیونکہ یہ مطلب سیرت النبیؐ کے قاری کیلئے جو اس سے عقیدہ، شریعت، ادب اور اخلاق سیکھنے کا خواہاں ہو شاید خاطر خواہ اہمیت کا حامل ہو۔

قرآن کا اعجاز

اللہ نے دشمنان اسلام کو چیلنج دیا کہ وہ قرآن جیسی کتاب لے آئیں جب وہ ایسا کرنے سے عاجز ہوئے تو قرآن کی طرح دس سورتیں لے آنے کے لئے کہا لیکن جب وہ اس سے بھی عاجز ہوئے تو قرآن نے اپنے دعویٰ کو بڑھا کر پیش کرتے ہوئے کہا کہ قرآن کی مانند صرف ایک سورۃ ہی لے آئیں۔

دشمنان اسلام میں اگر سکت ہوتی تو کم از کم سورہ کوثر جو ایک سطر سے زیادہ نہیں ہے، کی طرح ہی کوئی چیز لے آتے اور اس طرح اس دین جدید کی بنیاد کو ہی باطل کر دیتے۔ کیونکہ قرآن نے خود چیلنج قبول کیا تھا لیکن انھوں نے بہت سی مصیبتیں مول لیں اور حضورؐ کے خلاف اعلان جنگ کیا جس کے سبب ان کے بہت سے افراد ہلاک اور جہنم واصل ہوئے۔ ان پر بہت زیادہ مشکلات اور مصائب آن پڑے اور آخرکار اس کا نتیجہ اسلام اور رہبر اعظم نبی اکرمؐ کی فتح اور ان کی شکست کی صورت میں نکلا۔

۱۔ الاتقان ج۱ ص ۲۳ اور بخاری وغیرہ۔ اس کی روایت آئندہ آئیں گی۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پس وہ کونسی خصوصیت ہے جس نے انہیں قرآن کا مقابلہ کرنے اور اس کی مثل لانے سے عاجز و ناتواں کر دیا؟ خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔ قرآن کی وہ کونسی خاصیت ہے جس کی بنیاد پر وہ جن و انس کو مقابلے کی دعوت دیتا ہے اور کسی زمانے کی قید بھی نہیں لگاتا؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "قل لئن اجتمعت الانس و الجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لایاتون بمثلہ و لو کان بعضھم لبعض ظھیرا"۔ (سورہ اسرائیل، آیت ۸۸) یعنی کہہ دو اگر جن و انس مل کر بھی قرآن کی مثل لانا چاہیں تو وہ اس کی مثل نہیں لا سکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد و حمایت ہی کیوں نہ کریں۔

گاہے یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن کا اعجاز اس کی چھپی اور غیبی باتیں ہیں خواہ وہ ماضی سے تعلق رکھتی ہوں جیساکہ ارشاد الٰہی ہے۔ "تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک ما کنت تعلمھا انت و لاقومک من قبل ھذا"۔ (۱) یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم نے تیری طرف وحی کی ہیں نہ تم قبل ازیں ان سے آگاہ تھے اور نہ تمہاری قوم ان سے واقف تھی۔ یا ان غیبی اخبار کا تعلق آیندہ کے واقعات سے ہو جس طرح قرآن کی یہ خبر ہے۔ "الم غلبت الروم فی ادنی الارض و ھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین"۔ (سورہ روم، آیت ۱) اسی طرح جنگ بدر کے نتائج کے بارے میں قرآن کی خبریں اور دیگر قوموں کو اس کی پیشگوئیاں اعجاز قرآن پر دلالت کرتی ہیں۔ (۲)

کبھی اعجاز قرآن کی بات اس کے ان علمی مطالب کے حوالے سے کی جاتی ہے جو عقل و برہان پر منطبق ہوتے ہیں۔ قوانین ہستی، اسرار خلقت، نظام کائنات کے احوال اور

۱۔ سورہ ھود، آیت ۴۹ اسی طرح سورہ یوسف کی آیت ۱۰۲ اور سورہ آل عمران کی آیت ۴۴ کی طرف رجوع کریں۔

۲۔ آیت اللہ خوئی کی البیان ص ۸۴-۸۱ پر رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسی طرح کے دیگر امور جن کے بارے میں قرآن نے جو باتیں بتائیں ہیں ان تک رسائی و پہنچ، علم و معرفت کے بغیر نا ممکن ہے۔ قرآن نے ایسے حقائق سے پردہ اٹھایا ہے جن سے آگاہی نبی اکرمؐ کے دور میں غیر ممکن تھی مثال کے طور پر اللہ تعالی کا یہ ارشاد: "و ارسلنا الریاح لواقح"۔ یعنی ہم نے ہواؤں کو (مختلف چیزوں کے درمیان) پیوندکاری کا وسیلہ بنایا۔ اس طرح کی دیگر آیات جو مختلف علوم و فنون کے حقائق اور باریک نکات کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

کبھی یہ کہا جاتا ہے کہ قرآن اپنے لائے ہوئے قانون شریعت کے لحاظ سے معجزہ ہے ایسا کام جس دور میں نبی اکرمؐ نے زندگی گزاری، اس دور میں ماحول اور تہذیب میں زندگی گزارنے والے کسی شخص کے لئے اس قسم کی چیز کا لے آنا نا ممکن تھا خواہ وہ فکری، عقلی اور ذاتی طور پر کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔

گاہے قرآن نے بھی مذکورہ دو نظریوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے۔ "قل لو شاء اللہ ما تلوتہ علیکم و لاادراکم بہ فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعقلون"۔ (سورہ یونس، آیت ۱۶) یعنی کہہ دو اگر خدا نہ چاہتا تو اسے میں تم پر تلاوت نہ کرتا اور تمہیں اس سے آگاہ نہ کرتا اور میں نے اس سے پہلے تمہارے درمیان لمبی زندگی گزاری ہے کیا تم غور و فکر نہیں کرتے۔

آخر میں ایک اور قول کے مطابق قرآن کا اعجاز اس میں عدم اختلاف ہے لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن اپنی اسی خصوصیت کی بنا پر دشمنوں کو چیلنج دیتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ "افلا یتدبرون القرآن و لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً (سورہ نساء، آیت ۹) یعنی تم قرآن میں کیوں تدبر نہیں کرتے اگر یہ غیر خدا کی طرف سے ہوتا تو اس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے۔

یہاں اور بھی چھوٹے موٹے مطالب ہیں جن میں سے اکثر ہماری گذشتہ گفتگو میں آگئے ہیں امید ہے جتنا ہم نے ذکر کیا ہے اتنا ہی کافی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہاں ایک اور نظریہ بھی موجود ہے جو قدماء کے درمیان زیادہ معروف ہے اور وہ یہ کہ قرآن کا معجزہ اس کی فصاحت و بلاغت ہے۔ اس کے متعلق گذشتہ اور موجودہ دور میں بہت سی باتیں کہی اور لکھی گئی ہیں۔ ہماری رائے میں یہی آخری نکتہ درحقیقت اعجاز قرآن کا راز عظیم ہے البتہ قرآن کے دیگر پہلوؤں کا بھی اس اعجاز میں اہم حصہ ہے۔ (۱)

دلیل

رہا یہ سوال کہ باقی نکات کو چھوڑ کر فقط آخری شق کو اختیار کرنے کی کیا وجہ ہے؟ تو اس کا جواب واضح ہے کہ ہم اس نظریے کی دلیل کے بارے میں مختصر روشنی ڈالتے ہیں۔

چونکہ رسول خدا تمام بنی نوع انسان کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے تھے لہذا ضروری تھا کہ ان کا معجزہ بھی ایسا ہو جس کے اعجاز کو تمام انسان جان لیں اور اس کے خارق العادت ہونے کو سمجھ لیں اور اس بات کا ادراک کر لیں کہ یہ ایک ایسی طاقتور ہستی کی طرف سے نازل ہوا ہے جو پوری کائنات کے نظام و قوانین پر مسلط ہے۔ بصورت دیگر اگر (بطور مثال) ایک شخص کسی شہر میں آ کر یہ دعوی کرے کہ وہ فلاں زبان جانتا ہے اور کوئی دوسرا شخص بھی وہاں ایسا نہیں ہے جو اس زبان کو جانتا ہو پس اس شہر کے لوگ اس شخص کی تصدیق یا تکذیب نہیں کر سکتے کیونکہ اس کے سچ یا جھوٹ کو ثابت کرنے کا کوئی ذریعہ ہی ان کے پاس نہیں ہے۔

۱۔ کیونکہ ہر گروہ جو قرآن میں سے اپنی عقل و فکر کے مطابق مواد پاتا ہے اور اسے معجزہ سمجھتا ہے مثلاً غیبی خبروں سے لے کر نظام کامل کے یہاں تک جسے قرآن واضح طور پر پیش کرتا ہے لیکن جو بات ہر اہل لغت سمجھ سکتا ہے وہ قرآن کی بلاغت ہے اور فصاحت و بلاغت کا ادراک غیر عربوں کے لئے ممکن ہے البتہ عربی زبان سیکھ کر یا اسرار قرآن کی شناخت یا اس شخص کی قطعی بات پر اعتماد کر کے جو اعجاز قرآن کے پہلوؤں سے واقف ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لیکن اگر وہ ایسی بات کا دعویٰ کرے جس سے دوسرے لوگ آگاہ ہوں اور وہ یہ بھی تشخیص دے سکتے ہوں کہ یہ ایک خارق العادت اور غیر معمولی کام ہے تو وہ اس کی بات قبول کرنے اور اس کے آگے سر تسلیم خم ہونے پر مجبور ہوں گے کیونکہ اس کے خارق العادت عمل سے ان کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہ جاتا اور ان کے انکار اس دعوے کے سامنے رام ہو جاتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ یہ امر ضروری ہے کہ ہر پیغمبرؑ کا معجزہ ہر دور میں اس دور کے علوم و افکار اور لوگوں کے تجربات سے مناسبت رکھتا ہو تاکہ ان پر حجت قائم کی جا سکے اور اس کے اعجاز کو ثابت کیا جا سکے۔

اس مطلب پر غور و فکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ خصوصیات قرآن کی بعض سورتوں میں نہیں پائی جاتیں جبکہ قرآن انہی سورتوں کے مقابلے کی دعوت دیتا ہے اس کے علاوہ غیبی خبریں اس وقت تک حجت نہیں ہو سکتی جب تک وہ امر واقع نہ ہو جس کی خبر دی گئی تھی اور اس میں کبھی کبھی سالہا سال لگ جاتے ہیں اور چہ بسا بعد میں آنے والوں کے لئے اس خبر کے بارے میں یقین حاصل کرنا مشکل ہو جائے۔

رہی بات علمی مطالب کی تو اس سلسلے میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ سامعین و مخاطبین میں ایسے افراد موجود نہیں ہوتے جو ان علوم سے ضروری آشنائی کے حامل ہوں تاکہ وہ اس اعجاز کا ادراک کر سکیں کیونکہ ان حقائق کو قرآن سے اخذ کرنے کے لئے علمی پیشرفت اور با صلاحیت دانشمندوں کی ضرورت ہے اور اگر بعض افراد اسے جان بھی لیں تو عین ممکن ہے بعض ضدی یا دوسرے افراد اپنے ذاتی مفادات کی خاطر ان کا انکار کریں یا انہیں مخفی رکھیں جس طرح اہل کتاب کے علماء جو رسول اللہ کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے تھے اور آپؐ کا نام انہوں نے تورات و انجیل میں دیکھا تھا لیکن انہوں نے کتمان حق کیا اور اپنے ذاتی مفادات کی خاطر یا دوسری توجیہات کی وجہ سے دوسروں کو دھوکا دیا اور خود بھی دھوکا کھا گئے۔

یہی بات قرآن کے اعجاز تشریعی اور دوسری جہات کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بلاغت قرآن

بلاغت کے ذکر سے ہماری مراد یہ نہیں ہے کہ غیبی اخبار اور دوسری مذکورہ چیزیں یا وہ مطالب جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا قرآن میں موجود نہیں ہیں (اور صرف بلاغت ہی موجود ہے) بلکہ وہ بھی قرآن میں واضح ترین اور بہترین شکل میں موجود ہیں اور تمام افراد کے لئے معجزہ ہیں لیکن ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ یہ امور اعجاز قرآن کا پہلا اور آخری معیار نہیں ہیں بلکہ اعجاز قرآن کا معیار ایسی چیز ہے جسے ہر کوئی سمجھ سکتا ہے اور ایک ایسا امر ہے جو سورہ کوثر میں بھی پایا جاتا ہے جو صرف چند کلمات پر مشتمل ہے۔ وہ ایسی چیز ہے جسے ہر فرد، ہر شعبہ کا ماہر، ہر فن کا مالک نیز ہر سطح فکر اور ہر تہذیب کا حامل شخص ہر زمانے میں اور ہر حال و مقام پر سمجھ لے گا۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو پہلے ذکر شدہ امور کو بھی شامل ہے اور غیر مذکورہ امور کو بھی اور وہ ہی ہے۔

بلاغت

جو کچھ ہم نے پہلے بیان کیا ہے ان تمام کی بازگشت بلاغت کی طرف ہوتی ہے کیونکہ بلاغت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ حقیقت کلام کا مقتضائے حال کے مطابق یا اعتبار کے مناسب ہونا ہے۔ قرآن ہر دور اور ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق ہے اور ہر شخص کے موافق حال ہے کیونکہ سب اس کے مخاطب ہیں اور وہ سب کے لئے معجزہ ہے پس جب وہ غیب کی خبر دیتا ہے تو یہ اقتضائے حال کی بنا پر ہوتا ہے اور جب وہ اسرار ہستی کا انکشاف کرتا ہے، طبیعت کے مجہولات سے پردہ اٹھاتا ہے یا بعض علمی حقائق بیان کرتا ہے جب وہ کسی بہت عظیم اور عمدہ ترین نظام وغیرہ کی بات کرتا ہے تو یہ بھی اقتضائے حال ہی پر مبنی ہوتے ہیں اور رسول اعظمؐ کے بعد بھی حالات و شرائط ہونی چاہئیں کیونکہ دعوت کی قبولیت اور اس کی طرف رجحان پیدا کرنے میں اس نکتے کی بہت زیادہ اہمیت ہے ورنہ ایسا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کلام جس کی ابتدا اور انتہا آپس میں بے ربط ہو یا زمانے کے لحاظ سے اس میں تفاوت پایا جائے جبکہ مقصد مخاطب اور متکلم ایک ہی ہوں تو (علم بلاغت کے ماہرین کے کہنے کے مطابق ایسا کلام بلیغ اور اقتضائے حال کے مطابق نہیں ہو سکتا۔

اعجاز اور بلاغت کا ارتباط

جن و انس قرآن کی مثل لانے سے کیوں کر عاجز ہو گئے اور قرآن کی بلاغت کیسے اس کے اعجاز کا راز ہو سکتی ہے یہ ایسا مطلب ہے جس کی وضاحت کے لئے تشریح کی ضرورت ہے ہم کہتے ہیں کہ افہام و تفہیم کے مقام پر کلام کے معنی پر دلالت کرنے کے لئے چند شرائط ہیں:

۱۔ متکلم جو بھی لفظ ادا کرے چاہے وہ کسی بھی شکل میں ہو اس میں مطلوبہ معنی پایا جائے خواہ الفاظ کے لحاظ سے ہو یا جملوں کے لحاظ سے یا جملوں کے باہمی تقابل کے لحاظ سے

۲۔ متکلم کی فکری سطح اور ثقافتی معیار اس حد تک ہو کہ لفظ کے اندر جتنے بھی معانی پوشیدہ ہیں ان سب کو درک کر سکے

۳۔ وہ معنی متکلم کے مقاصد و اہداف کے مطابق اور اس کے مناسب حال ہو

یہ وہ تمام شرائط ہیں جن کی مخاطب اور متکلم کے درمیان افہام و تفہیم کے وقت رعایت کی جانی چاہیے البتہ جس موضوع پر ہم گفتگو کر رہے ہیں اس میں توضیح اور تطبیق کی ضرورت ہے۔

توضیح اور تطبیق

عربی زبان اپنی خصوصیات اور امتیازات کی بنا پر معانی کے بروئے کار لانے میں توانا ترین زبان ہے ہم دیکھتے ہیں کہ عرب لوگ ایسے جملے کی جو صرف دو حرفوں پر مشتمل ہو دسیوں خصوصیات ذکر کرتے ہیں جن میں سے ہر ایک بہت سے پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہیں مثال کے طور پر کبھی مسند الیہ (مبتداء) اسم جامد ہے، کبھی مشتق ہے، کبھی اسم ظاہر، کبھی ضمیر ہے نیز وہ مقدم بھی ہو سکتا ہے اور موخر بھی، محذوف بھی ہو سکتا ہے اور مذکور بھی، معرفہ بھی ہو سکتا ہے اور نکرہ بھی۔ پھر معرفہ کی مختلف قسمیں ہیں جن میں سے ہر ایک کے اپنے اپنے آثار ہیں اور ان کی طرف اس فن کے ماہرین نے اشارے کئے ہیں۔ مسند (خبر) کی بھی مختلف صورتیں ہیں مثلاً یہ کہ وہ فعل کے تین اقسام میں سے ایک ہو یا اسم ہو، اس صورت میں جامد بھی ہو سکتا ہے اور مشتق بھی، معرفہ بھی اور نکرہ بھی، مقدم بھی اور موخر بھی، مذکور بھی اور محذوف وغیرہ بھی ہو سکتا ہے۔

پھر کبھی تحقیر کے لئے اس کا ذکر ہوتا ہے کبھی تعظیم کے لئے، کبھی تبرک کے لئے، کبھی کلام میں چاشنی اور لذت پیدا کرنے کے لئے، کبھی سامعین کی بیوقوفی پر دلالت کرنے کے لئے، کبھی تاکید کے لئے اور کبھی وضاحت یا دوسری مطلوبہ خصوصیات کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

جو خاصیتیں ہم نے گنوائی ہیں ان کے علاوہ بھی خصوصیات بکثرت موجود ہیں جن کا ذکر علم معانی و بیان اور بدیع میں ہوتا ہے مثلاً استعارات، کنایات، اشارات، تعریضات وغیرہ۔

علماء ادب نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد "فی القصاص حیوۃ" (قصاص میں زندگی ہے) کے لئے عرب کے بلیغ ترین کلام "القتل انفی للقتل" (قتل، قتل کو دور تر کر دیتا ہے) کے مقابلے میں بہت زیادہ خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔

اس بارے میں صرف اتنا اشارہ کافی ہے کہ "زید قائم" والے جملے میں مسند الیہ (زید) اسم ہے، یہ اسم ظاہر بھی ہے، مقدم ہے، معرفہ ہے، علم ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یہی حال مسند (قائم) کا بھی ہے۔ اس کے بعد جملے کی ترکیبی ہیئت اور متعلقات کے ساتھ اس کی نسبت کو بھی مدنظر رکھنے کی ضرورت ہے۔

واضح ہوا کہ بسا اوقات ایک ہی جملہ مختلف خصوصیات کے حامل معنی کو ادا کرتا ہے اور اگر جملہ دوسرے جملوں یا تراکیب کے ساتھ ہو اور ان سب کو ایک ساتھ مدنظر رکھ کر

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

معنی اخذ کرنا ہو تو پھر اس کی بات ہی اور ہے۔

عربی زبان کی اسی طاقت و قدرت اور اس میں دقیق اور عمیق معانی کی گنجائش کی وجہ سے رب ذوالجلال نے اسے قرآن کی زبان کے طور پر اختیار کیا۔ اس کی طرف لوگوں کو بلایا، افکار اور نظروں کو اس کی طرف متوجہ کیا اور انھیں اس کتاب کریم سے دقیق معانی استخراج کرنے کی دعوت دی۔ ارشاد فرمایا: "انا انزلناہ قرآناً عربیاً لعلکم تعقلون"۔ (سورہ یوسف، آیت ۲) یعنی ہم نے قرآن کو عربی میں نازل کیا تاکہ تم اس میں غور و فکر کرو۔ مزید فرمایا: "کتاب فصلت آیاتہ قرآناً عربیاً لقوم یعلمون"۔ (سورہ فصلت، آیت ۳) یعنی یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات کو تفصیل دی گئی ہے اور یہ قرآن عربی میں ہے سمجھدار لوگوں کے لئے۔ نیز فرمایا: "نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین بلسان عربی مبین"۔ (سورہ شعراء، آیت ۱۹۹) یعنی جسے روح الامین صاف عربی زبان میں لے کر تمہارے دل پر نازل ہوئے ہیں تاکہ تم بھی لوگوں کو ڈراؤ۔

اسی طرح کی دیگر آیات بھی قرآن کے اندر موجود ہیں۔ ہمیں ارشاد الٰہی کے ان کلمات "لعلکم تعقلون"، "لقوم یعلمون" اور "مبین" پر گہرا غور کرنا چاہئے یہ انہی باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔

لوگوں کی فکری سطح کے بارے میں عرض یہ ہے کہ اگر کوئی جاہل شخص محض یہ کہے کہ "ہر چیز علت و سبب کی محتاج ہے" تو ہم اس کے مقصود پر زیادہ غور نہیں کریں گے بلکہ ہمارا ذہن صرف اتنا سوچے گا کہ اس کی مراد یہی ظاہری اسباب ہیں اور اگر کوئی کہے کہ شاید اس کی مراد علت غائی، مادی یا صوری ہو یا علت سے اس کی مراد علت تامہ ہے تو ہم فوراً اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس کا کلام ان میں سے کسی پر بھی دلالت نہیں کرتا اور نہ ان کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

لیکن اگر یہی بات بو علی سینا کہے تو ہمیں غور و فکر کرنا چاہیے کہ اس نے مذکورہ علتوں میں سے کسی کا ارادہ کیا ہے یا نہیں؟ کیا اس کی مراد ایک بسیط چیز اور اسی طرح کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دیگر احتمالات پر غور کرنے کی بھی ضرورت ہوگی جن کے بارے میں یہ احتمال ہو کہ ابن سینا ان کا ارادہ کر سکتا ہے۔

اور جب متکلم طبیب ہو تو ہمیں اس کے کلام کو سمجھنے کے لئے اس کے فن سے ہم آہنگ اور اس کے ذوق سے بلکہ اس کے مقاصد سے متناسب معانی کا انتخاب کرنا پڑے گا کیونکہ یہ تمام امور، معنی کی پہچان اور سطح مفاہیم کو جانچنے میں بہت زیادہ موثر ہیں کیونکہ معانی کو متکلم کے اہداف کی سطح فکر اور معاشرتی حیثیت سے ہم آہنگ ہونا چاہیے۔

جب متکلم اعلی افکار اور بلند پایہ فکر کا مالک ہو جیسے امیرالمومنین علیؑ تو ہمیں اپنے آپ کو ان کی شخصیت اور مقاصد کے مطابق ہی احتمالی زاویے سے سوچنے کے لئے آمادہ کرنا چاہیے۔ ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم کئی دن اور کئی سال بحث و تحقیق کریں، غور و فکر کریں تاکہ ہم ان کے اہداف و مقاصد کے قریب ہوں اگرچہ محدود سطح پر ہی کیوں نہ ہوں کیونکہ ان تمام معانی اور مطالب جن کا متکلم نے ارادہ کیا ہے، کا ادراک اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک ادراک کرنے والا شخص متکلم کی وسعت نظر اور گہری بصیرت سے نزدیک نہ ہو اور وہ خود گہری سوچ کا حامل نہ ہو اور یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی فرد علمی اور فکری سطح پر علیؑ کا ہم پلہ ہو، ان کے برابر ہو؟ سوائے ان کے آقای نامدار اور استاد حضرت ختمی المرتبتؐ کے یا ان کے بعد والے آئمہؑ کے جو ان کی اولاد ہیں اور شاید رسول گرامیؐ نے اسی معنی کی طرف اپنے ارشاد میں اشارہ فرمایا ہو ان کے ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ "اے علیؑ! خدا اور میرے علاوہ کسی نے تمہیں نہیں پہچانا، خدا اور تیرے علاوہ کسی نے مجھے نہیں جانا اور میرے اور تیرے سوا کسی نے خدا کو نہیں پہچانا"۔

اب یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ جب اللہ سبحانہ و تعالی، جو تمام کائنات پر محیط اور سارے موجودات پر مسلط ہے، اس کے علم کی کوئی حد نہیں ہے اور اس کی تعریف کے لئے کوئی صفت نہیں، عربی زبان کا انتخاب کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اپنے مقاصد کو بیان کرے اور یہ وہی زبان ہے جو اپنے اندر حیرت انگیز حد تک معانی کی گنجائش رکھتی ہے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور دنیا کی کوئی اور زبان اس کی برابری نہیں کر سکتی تو پھر انسان جس کی فکری، بدنی اور دوسری تمام توانائیاں محدود ہیں، وہ قرآن کے معارف اور حقائق کو کشف نہیں کر سکتا اگرچہ وہ تا ابد زندہ رہے تمام مخلوقات سے مدد لے اوراپنے پاس موجود تمام وسائل اور ذرائع کو بروئے کار لائے مگر اس کی بہت تھوڑی سی مقدار کو کسی میں قرآن کی نظیر لانے کی ہمت نہیں ہے اگرچہ اس کام میں ایک دوسرے کی مدد بھی کریں۔

پس اب ہمیں منتظر رہنا چاہیے کہ علمی اور سائنسی پیشرفت اور انسان کی فکری سطح میں بالیدگی اور معاشرتی و ثقافتی میدانوں میں ترقی کے ساتھ ساتھ انسان اس قرآن سے ہر قسم کے نئے انکشافات کرے گا اور جدید حقائق کو پائے گا۔

یہ صدیوں اور کئی نسلوں پر مشتمل قرآن کی تاریخ ہے اور ہمارے مدعا پر بہترین دلیل اور شاہد ہے۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ہر دور میں کسی نہ کسی علم یا علوم کا چرچا ہوتا ہے۔ پھر یہی علم دوسرے علوم کے مقابلے میں پسپائی اختیار کرتا ہے یہ جدید علوم تحقیق و گہرائی کے لحاظ سے گزشتہ علوم کی جگہ لے لیتے ہیں۔ لیکن قرآن عظیم نے تمام ادوار میں تمام علوم کی نسبت اور تمام علماء و دانشوروں کے مقابلے میں اپنی برتری کو باقی رکھا ہے اور سب جانتے ہیں کہ قرآن ان کی سمجھ سے بالا تر ہے ان کی عقلوں کو اس تک رسائی نہیں ہے ان کی طاقت و توانائی سے بہت بلند و بالا ہے۔ وہ اس تک پہنچنے سے عاجز ہیں وہ اس میں ایسے نکات اور امور کو پاتے ہیں جو انہیں قرآن کی عظمت کے سامنے جھکنے پر مجبور کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمیشہ سے اس کے ادراک اور احاطے سے عاجز اور ناتواں رہیں گے کہاں یہ کہ وہ اس کی نظیر لا سکیں۔

جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ افکار اور معاشرتی اقدار میں تبدیلیوں اور ان میں اختلافات کے باوجود ہر زمانے میں لوگوں نے قرآن کو اقتضائے حال کے مطابق اور اس کے تقاضوں سے ہم آہنگ پایا ہے اور یہی حقیقی معجزہ ہے۔

مختصر یہ کہ صدیاں گزر جاتی ہیں، نسلیں یکے بعد دیگرے آتی اور جاتی رہتی ہیں لیکن

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

انسان قرآن سے نت نئی معلومات، عجائبات اور اسرار کا سراغ لگاتا جاتا ہے۔ جب بھی انسان نے کسی حقیقت کو حاصل کیا اس نے دیکھا کہ قرآن نہ صرف اپنے عصر نزول کے افکار اور معاشرتی اقدار سے مافوق ہے اور یہی بات قرآن کے من جانب اللہ ہونے کی علامت ہے بلکہ قرآن نے اپنے ہم عصر دور سے کہیں آگے قدم بڑھایا ہے تاکہ وہ دنیا پر ثابت کرے کہ اس میں غور و غوض کرنے والا ہمیشہ پہلے سے زیادہ معانی، اسرار اور حقائق سے آگاہ ہوگا ایسے معارف اور حقائق جن تک پہنچنے میں بشر اپنے آپ کو ناتواں اور عاجز پاتا ہے۔

اس سے بھی بڑھ کر واضح امر یہ ہے کہ انسان جس قدر قرآن کی زیادہ قرائت کرتا ہے اسی حساب سے زیادہ تازگی محسوس کرتا ہے اور نئے نئے معانی و مطالب کو حاصل کرتا ہے۔ یہ انسان کے مختلف حالات، توجہات، اس پر گزرنے والے مختلف تصورات اور اس پر حاکم مختلف ماحول اور فضا کے سبب ہوتا ہے۔ قرآن کی یہ نا قابل تغییر خصوصیت تمام ادوار تاریخ میں ثابت رہی ہے۔ شاید یہ قول کہ "قرآن کی تفسیر نہ کرو اس کی زمانہ تفسیر کرے گا" اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

بنابرایں انسان علم و فکر میں جتنی پیشرفت کرے گا وہ قرآن کے حقائق اسرار اور معانی کے اخذ کرنے پر اسی مناسبت سے توانا تر ہوتا جائے گا۔ قرآن کے بارے میں امیرالمومنین علیؑ نے فرمایا ہے۔ "فیہ علم ما مضی و علم ما یاتی الی یوم القیامة و حکم ما بینکم و بیان ما اصبحتم فیہ تختلفون". (۱) یعنی قرآن میں ماضی کا بھی علم ہے اور قیامت تک آنے والے حالات کا بھی۔ اس میں تمہارے آپس کے معاملات کا تذکرہ اور تمہارے باہمی اختلافات کا بیان بھی موجود ہے۔

نیز آپؑ سے ہی منقول ہے۔ "لو شئت لاوقرت سبعین بعیراً من تفسیر فاتحة

۱۔ بحارالانوار ج ۹۲ ص ۸۲ از تفسیر قمی ج ۱ ص ۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

الکتاب"۔ (۱) یعنی اگر فاتحہ الکتاب کی تفسیر کرنے لگ جاؤں تو ستر اونٹوں کا بوجھ بن جائے۔

اسی طرح معصومینؑ سے نقل ہوا ہے کہ "ظاھرہ انیق و باطنہ عمیق"۔ یعنی قرآن کا ظاہر خوبصورت اور اس کا باطن عمیق ہے۔ نیز آئمہؑ سے مروی ہے کہ "ظاھرہ حکم و باطنہ علم"۔ (۲) یعنی قرآن کا ظاہر حکم ہے اور اس کا باطن عمیق ہے۔

اسی طرح ایسے موارد بہت زیادہ ہیں جو اس مطلب کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ان سب کو ذکر کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

ترجمہ اور تفسیر قرآن

گذشتہ باتوں سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ انسان جو زمان و مکان میں مقید ہے، کائنات کے نظام سے نا آشنا اور طبیعت کے رازوں سے نا آگاہ ہے اس کے لئے قرآن کا ترجمہ اور اس کی تفسیر ممکن نہیں ہے۔

ہاں اتنا ضرور ہے ترجمہ اور تفسیر میں معروف شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے اپنی محدود علمی بضاعت اور استعداد کی مدد سے الفاظ اور جملات کی روشنی میں علوم قرآنی کو کشف کرنے کے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے قرآن سے یہ سمجھا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کا علم بے پایاں ہے۔

۱۔ بحارالانوار ج ۹۲ ص ۱۰۳ از اسرار الصلوۃ اور ص ۱۰۴ پر غزالی سے نقل کیا ہے کہ اگر خدا اور رسول (ص) علی علیہ السلام کو اجازت دیتے اور وہ فاتحہ الکتاب کے الف کے معانی کی تشریح کرتے تو چالیس صندوق بھر جاتے یا چالیس اونٹوں کا بوجھ بنتا۔

۲۔ اصول کافی ج ۲ ص ۴۳۸

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قرآن کا ظاہر و باطن

ان تمام مطالب کے بعد اب آئمہؑ کے اس قول کو سمجھنا ممکن ہے کہ "قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک یا ایک سے زیادہ باطن ہیں" اسی طرح کی مضمون غیر شیعہ ذرائع سے بھی نقل ہوا ہے جو کچھ ہم نے ذکر کیا یہ اسی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

آنحضرتؐ سے منسوب ایک خطبے میں آیا ہے کہ "قرآن کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے، ظاہر اس کا حکم اور باطن اس کا علم ہے۔ اس کے عجائبات بے شمار ہیں اور اس کے سمجھنے والے اس سے سیر نہیں ہوتے"۔ (۱)

نیز آپؐ نے فرمایا: "ما فی کتاب اللّٰہ آیۃ الا و لہا ظہر و بطن و لکل حد مطلع"۔ (۲)
یعنی کتاب الٰہی کی ہر آیت ظاہر و باطن رکھتی ہے اور ہر حد پر مطلع ہے۔

ابن مبارک کہتا ہے کہ میں نے اس حدیث "ما فی کتاب اللّٰہ آیۃ الا و لہا ظہر و بطن و لکل حد مطلع" کو کئی بار سنا ہے وہ کہتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہر آیت کی ایک ظاہری تفسیر ہے اور ایک باطنی تفسیر ہے اور اس کی ہر حد کے لئے ایک مطلع موجود ہے۔ وہ مزید کہتا ہے کہ ایک قوم کسی معنی سے آگاہ ہو جاتی ہے اور لفظ کو اسی معنی میں

۱۔ کنزالعمال ج۲ ص ۱۸۶ اور رجوع کریں ج۱ ص ۳۳۲، حیات الصحابۃ ج۳ ص ۴۵۶ کہ جو کنزالعمال اور عسکری سے نقل کرتا ہے نیز رجوع کریں نورالقبس ص ۲۶۹-۲۶۸۔

۲۔ الزھد و الرقائق ص ۲۳ نعیم بن حماد سے مروی روایات کے حصے میں اور حاشیہ میں مشکاۃ کے ص ۲۷ سے نقل کرتا ہے۔ رجوع کریں الاتقان ج۲ ص ۱۸۲ الموافقات شاطبی ج۳ ص ۳۸۲ اور اس کے حاشیے میں کتاب روح المعانی اور جو المصابیح سے نقل کرتا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

استعمال کرتی ہے۔ ان کی صدی گزر جاتی ہے اور دوسری صدی آن پہنچتی ہے۔ اس کے لوگ ایک اور معنی کا علم پیدا کرتے ہیں اور اپنی پیشرو قوم کی طرح اس پر عمل کرتے ہیں۔ لوگ قیامت تک یونہی آتے رہیں گے اور قرآن سے نئے مطالب سمجھتے رہیں گے۔ (۱)

ابن عباس سے منقول ہے کہ قرآن میں بات سے بات نکلتی ہے، یہ گوناگوں فنون و بطون کا مجموعہ ہے۔ اس میں محکم و متشابہ اور ظاہر و باطن ہیں اس کا ظاہر تلاوت اور باطن تاویل ہے۔ (۲)

ابن مسعود سے مروی ہے کہ "قرآن سات حرفوں کے ساتھ نازل کیا گیا ہے اس کے ہر حرف کا ظاہر اور باطن ہے اور جو قرآن علی ابن ابیطالبؑ کے پاس ہے وہ اپنے ظاہر و باطن کے ساتھ ہے"۔ (۳)

ان سب میں دلالت کے لحاظ سے واضح تر یہ قول ہے جو ابو درداء سے نقل ہوا ہے کہ "تم فقہ کو تمام پہلوؤں سے نہیں سمجھ سکتے ہو جب تک قرآن کی مختلف جہات اور پہلوؤں سے آگاہی حاصل نہ کرو"۔ (۴)

۱۔ الزھد و الرقائق ص ۲۳ نعیم بن حماد سے منقول روایات کے حصے میں۔

۲۔ الاتقان ج۲ ص ۱۸۵ از ابن ابی حاتم۔

۳۔ حلیۃ الاولیاء ج۱ ص ۶۵، الاتقان ج۲ ص ۱۸۲، حاشیۃ الموافقات ج۳ ص ۳۸۲ از کتاب المصابیح، مشکل الآثار ج۴ ص ۱۷۲ و ۱۸۲، تاریخ ابن عساکر میں سوانح حضرت علی (ع) بتحقیق محمودی ج۳ ص ۲۵ اور حاشیے میں حلیۃ و فرائد سمطین سے منقول ہے، الغدیر ج۷ ص ۱۰۸-۱۰۷ اور ج۲ ص ۴۵ حلیۃ سے ج۳ ص ۹۹ از مفتاح السعادۃ ج۱ ص ۴۰۰۔

۴۔ حافظ عبدالرزاق کی المصنف ج۱۱ ص ۲۵۵، الاتقان ج۲ ص ۱۸۵ از ابن سبع در شفاء الصدور اور حلیۃ الاولیاء ج۱ ص ۲۱۱۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضرت علیؑ نے خوارج پر حجت تمام کرنے کے لئے ابن عباس کو روانہ کرتے ہوئے فرمایا:

"القرآن حمال ذو وجوه". (۱) یعنی قرآن مختلف جہات رکھتا ہے۔

بلکہ بعض نے تو یہ بھی کہا ہے کہ احادیث دلالت کرتی ہے کہ قرآن کے سات یا ستر بطون ہیں۔ (۲)

ان سب باتوں کے ہوتے ہوئے پھر اس قول کی نسبت صرف شیعوں کی طرف کیوں دی جاتی ہے کہ قرآن کا ظاہر اور باطن ہے؟

پھر کیوں شیعوں پر اعتراض کئے جاتے ہیں جب وہ اس بارے میں قلم اٹھاتے ہیں یا اس پر گفتگو کرتے ہیں حالانکہ اس حقیقت پر دلالت کرنے والی روایات غیر شیعہ کے ہاں بھی ثابت ہیں جیساکہ شیعوں کے ہاں ثابت ہیں؟

جب ظاہر اور باطن کا مطلب یہ ہو کہ وہ معنی جو لفظ کے اندر موجود ہو اسے باطن کہا جائے (اور متکلم بھی اس کا ارادہ کر سکتا ہو) اس سے پردہ اٹھایا جائے تو اس صورت میں کیا عقلی یا شرعی محذور پیش آ سکتا ہے؟ پھر کیا مانع ہے کہ قرآن کے سات باطن ہوں یا ستر یا اس سے بھی زیادہ اور انسان جس قدر معرفت کے مدارج طے کرتا جائے وہ انہیں کشف کرتا جائے گا یا "الراسخون فی العلم" جن کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے، ان کو کشف کریں۔

محکم و متشابہ

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے محکم و متشابہ کا ذکر فرمایا ہے جیساکہ ارشاد ہے۔

۱۔ نہج البلاغۃ ج۲ ص ۱۵۰ حصہ خطوط و وصایا نمبر۷۷ محمد عبدہ کے حاشیے کے ساتھ۔

۲۔ کفایۃ الاصول بحث "استعمال اللفظ فی اکثر من معنی" کے آخر میں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"منه آیات محکمات هن ام الکتاب و اخر متشابهات فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة و ابتغاء تاویله". (سورہ آل عمران، آیت ۷) یعنی اس میں بعض آیتیں محکم (بہت صریح) ہیں وہی اصل کتاب ہیں اور کچھ آیتیں متشابہ ہیں پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ انہی آیتوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں جو متشابہ ہیں تاکہ فساد برپا کریں اس خیال سے کہ انہیں اپنے مطلب پر ڈھال لیں۔

جبکہ ہمیں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی طرف ایسی کتاب نازل نہیں کرنا چاہتا جو پیچیدگیوں، الجھنوں اور معموں پر مشتمل ہو۔ چنانچہ خود ارشاد فرمایا ہے۔ "کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا آیاتہ و لیتذکر اولوا الالباب". (سورہ ص، آیت ۲۹) یعنی ہم نے برکت والی کتاب تمہاری طرف نازل کی تاکہ اس کی آیات میں غور و فکر کریں اور صاحبان عقل اس سے نصیحت حاصل کریں۔ نیز فرمایا ہے۔ "انزلناہ قرآناً عربیاً لعلکم تعقلون". یعنی ہم نے اس قرآن کو عربی میں اتارا تاکہ تم سمجھو۔

پس اس صورت میں متشابہ سے وہ معنی مراد لیا جائے جو قرآن کی حقیقت و ماہیت اور اس کے اہداف سے مناسبت رکھتا ہو اور گذشتہ مطالب پر غور کرنے سے شاید اس کا معنی سمجھنا آسان ہو جائے ہم اس بات کی وضاحت کے لئے عرض کرتے ہیں کہ:

متشابہ سے مراد ایسا کلام ہے جس کا ظاہر متکلم کے مقصود پر دلالت نہیں کرتا اور جو علم میں راسخ نہیں ہیں ان کے لئے اس میں مختلف معانی نظر آتے ہیں، ان میں سے کچھ معانی متکلم کے مقاصد اور اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتے بلکہ اگر خود اس لفظ کے تمام معانی اور پہلوؤں پر تحقیق کی جائے اور ان کا آپس میں موازنہ کیا جائے تو نہایت آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ لفظ اس نا درست معنی پر ذرا بھی دلالت نہیں کرتا۔

بنابرایں جن کے دلوں میں فتنہ گری اور کجی پائی جاتی ہے اور وہ تاویل کے درپے رہتے ہیں وہ موقعے سے فائدہ اٹھا کر اس قسم کی آیات سے تمسک کرتے ہیں تاکہ کلام کا رخ اپنے مقصد کی طرف موڑ لیں اور وہ ان کے مطلوب پر پورا اترے اور یوں وہ اسلام اور قرآن پر

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ضرب لگا سکیں۔ قرآن ایسے افراد کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔ "و لو ردوہ الی الرسول و الی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم"۔ (سورہ نساء، آیت ۸۳) یعنی اگر وہ (مسئلہ کو) رسول اور اولی الامر تک پہنچاتے تو بے شک جو لوگ ان میں سے اس کی تحقیق کرنے والے ہیں وہ اسے سمجھ لیتے۔ کیونکہ وہ متشابہ کو محکم کی طرف لوٹا دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے مقاصد کو بیان کرتی ہے اور متشابہات کی تعبیر کرتے ہیں اور اس کے مخفی پہلوؤں کی وضاحت کرتے ہیں تاکہ مطلوبہ معنی سامنے آ سکے۔

فخر رازی کہتے ہیں: بعض ملحدین متشابہ آیات کی وجہ سے قرآن پر یہ اعتراض کرتے تھے کہ قرآن تمام زمانوں کے لوگوں کے لئے کس طرح مرجع بن سکتا ہے جبکہ اس میں اختلاف کے محرکات بہت زیادہ ہیں اور چونکہ ہر مذہب اپنے نظریات و عقائد کو قرآن سے اخذ کر سکتا ہے پس ایک حکیم ذات سے ایسا کلام صادر نہیں ہو سکتا۔ (۱)

لیکن جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے وہ ان تمام فضول باتوں کا جواب دینے کے لئے کافی ہو سکتا ہے۔ یہاں پر ہم علامہ طباطبائی اور شیخ محمد ہادی معرفت (خدا ان کی حفاظت کرے) کی آراء کا اضافہ کرتے ہیں ان دونوں کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے۔

قرآن میں متشابہ کے وجود سے کوئی انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ قرآن نے اپنے بلند و بالا مطالب اور عمیق معانی کے باوجود اپنی دقیق تعبیرات میں لوگوں میں رائج روش کا انتخاب کیا ہے۔ اور اس دور کے لوگوں کی پست فکری اور معاشرتی و ثقافتی انحطاط کے مقابلے میں قرآن نے جدید مفاہیم پیش کئے جو اس زمانے کے افکار سے اجنبی تھے۔ خصوصاً جزیرۃ العرب کے لوگوں کے لئے جو علم و ثقافت سے بہت دور تھے۔ ایسی صورت حال میں قرآن نے اپنے اعلیٰ مطالب اور بلند اہداف کو اسی دور کے لوگوں کے درمیان مرسوم طریقہ کار کے مطابق پہنچانا ضروری سمجھا اور ایسے الفاظ کو بروئے کار لایا جو محسوس معانی کے لئے استعمال ہوتے

۱۔ تفسیر الرازی ج ۷ ص ۱۷۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تھے اور عربوں کے ذہن اور ماحول سے ہم آہنگ اور مناسب تھے یا سادہ معانی کے لئے استعمال ہونے والی تعبیروں سے کام لیا ہے۔ اس کے باوجود ان الفاظ کے اندر وسیع مفاہیم، عمیق معانی اور دور رس مطالب کو سمونا نہایت مشکل تھا۔

اس لئے اعلیٰ مطالب اور بلند معانی کے لئے ان الفاظ کا استعمال عام اور معمولی لوگوں کو اجنبی اور عجیب نظر آیا اسی وجہ سے وہ حقائق اور دقائق کے ادراک سے عاجز تھے خصوصاً جب انہوں نے دیکھا کہ قرآن نے اپنے مقاصد اور مطالب کو بیان کرنے کے لئے مجاز کی مختلف اقسام، استعارات، تشبیہات، کنایات اور دقیق اشارات سے استفادہ کیا ہے اور عربی زبان کی مختلف خصوصیات کو استعمال میں لایا ہے خواہ یہ خصائل مفردات سے متعلق تھے یا جملے کے ترکیبی حالات سے تاکہ وہ بلند معانی کو ان محدود اور مانوس الفاظ کے قالب میں ڈھال دے۔

یہی بات ان معانی کو عام لوگوں کے ذہن کے قریب کرنے کا سبب تھی کیونکہ یہ معانی ان الفاظ کے قالب میں ڈھال کر پیش کئے گئے تھے جو ان کے ہاں رائج تھے دوسری طرف یہی بات معانی سے ان کی دوری کا موجب تھی کیونکہ ان لفظوں میں اتنی صلاحیت اور ظرفیت نہیں تھی کہ وہ ان مفاہیم کو اپنے اندر جگہ دے سکیں۔ (۱)

پس ان مطالب اور معانی کو اشاروں، کنایوں اور الفاظ کی خصوصیات سے استفادہ کئے بغیر بیان کرنا ممکن نہ تھا۔ جیساکہ پہلے بھی ہم نے اشارہ کیا کہ ان مقاصد عالیہ کا ادراک کرنا ایک عام انسان کے لئے بہت ہی مشکل تھا اور امر اس پر مشتبہ ہو جاتا تھا لہذا "الراسخون فی العلم" کی مدد کے محتاج ہوئے۔ وہ افراد جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و

۱۔ رجوع کریں التمہید فی علوم القرآن ج۳ ص ۲۲-۱۹ اور علامہ طباطبائی المیزان ج۳ ص ۶۲-۵۸ اور تفسیر المنار ج۲ ص ۱۶۵ ہم نے ان سب کو اختصار اور رد و بدل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ آپ خود ان کا ملاحظہ کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کرم سے اپنے مقاصد عالیہ کی توضیح، اپنے اعلیٰ اہداف کی تشریح اور بلند پایہ مطالب کو بیان کرنے کے لئے مختص فرمایا ہے یہ افراد فہم و فراست اور عقل و بصیرت کے اعلیٰ مدارج اور بلندیوں پر فائز ہیں وہ ایسی بصیرت کے مالک ہیں جن کے ذریعے سے وہ حقائق کی تہ تک پہنچ جاتے ہیں اور یہ آئمہ ھدیٰ کی ذوات پُر برکات ہیں۔

تاویل

قرآن میں یہ کہہ کر کہ "علم میں راسخ افراد اس کی تاویل سے آگاہ ہیں" تاویل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور اس بات کی طرف بھی کہ کچھ ہستیاں تاویل کا علم رکھتی ہیں اگرچہ وہ افراد بھی اس کے لوازمات اور مقاربات کے ادراک سے ناتوانی کا اعتراف کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس بارے میں ارشاد فرماتا ہے۔ "و ما یعلم تاویلہ الا اللّٰہ و الراسخون فی العلم یقولون آمنا بہ کل من عند ربنا". (سورہ آل عمران، آیت ۷) یعنی تاویل قرآن کو اللہ اور علم میں راسخ افراد کے سوا کوئی نہیں جانتا وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ سب کچھ ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے۔

ہم نے دیکھا کہ بعض گمراہ اور منحرف گروہوں نے اپنے باطل مذاہب اور غلط مقاصد کی تائید کے لئے قرآن کے اس پہلو سے استفادہ کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنے مطلب کے لئے ایسی ایسی تاویلات پیش کی ہیں جو پسر مردہ ماں کو بھی ہنسا دیتی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض منحرف افراد اور کج فکر احزاب جو مارکسزم کے قائل ہیں لیکن ظاہری طور پر اسلام کا دم بھرتے ہیں، قرآن اور اسلام کی اس طرح تفسیر کرنا چاہتے ہیں جو مارکسزم سے مطابقت رکھتی ہو حالانکہ مارکسزم اسلام اور قرآن کی ضد ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "قل لعبادی الذین آمنوا یقیموا الصلاۃ و ینفقوا مما رزقناھم سراً و علانیۃ من قبل ان یاتی یوم لابیع فیہ و لا خلال". (سورہ ابراہیم، آیت ۳۱) یعنی میرے بندوں میں سے جو ایمان لے آئے ہیں کہو کہ پابندی سے نماز پڑھا کریں اور جو کچھ ہم نے انھیں بطور روزی دیا ہے اس

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں سے چھپا کر یا دکھلا کر خرچ کیا کریں (اللہ کی راہ میں) اس دن کے آنے سے پہلے جس میں خرید و فروخت کام دے گی نہ دوستی و محبت۔

وہ اس ارشاد کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس دن سے مراد قیامت نہیں ہے بلکہ وہ دن مراد ہے جب اشتراکیت وجود میں آئے گی، طبقاتی نظام کا خاتمہ ہو جائے گا اور شخصی ملکیت ختم ہو جائے گی۔ (۱) بلکہ انھوں نے یہاں تک کہا ہے کہ اسلام اور قرآن میں قیامت سے مراد معاشرے سے طبقاتی نظام کے خاتمے کا دن ہے اس کے علاوہ اور کچھ مقصود نہیں ہے۔

اسی طرح اور بہت سی فضول باتیں جو اسلام اور قرآن کی روح کے منافی ہیں انھوں نے اور دوسرے گمراہ فرقوں نے کہی ہیں۔

واضح رہے کہ یہ وہ تاویل ہرگز نہیں ہے جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے بلکہ یہ تفسیر بالرای ہے جس سے آئمہ معصومینؑ نے سختی سے منع فرمایا ہے بلکہ یہ فتنہ و فساد برپا کرنے اور غلط تاویل کرنے کے لئے متشابہات قرآنی کے پیچھے جانا ہے۔

رہی وہ تاویل جسے صرف خداوند اور راسخون فی العلم جو روایات کی بنا پر اہلبیتؑ ہیں وہ جانتے ہیں۔ تاویل اس مقصود اور معنی کا انکشاف کرنا ہے جس کی طرف لفظ، اشارہ کرتا ہے البتہ الفاظ اور جملوں کی خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک جملہ کا دوسرے جملے سے موازنہ کرتے ہوئے نیز متکلم کے نظریات اور اہداف سے معنی کی مطابقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔ بنابرایں اگر کوئی شخص حقیقی معنی تک اس کی تمام خصوصیات کے ساتھ پہنچنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ ان افراد کی طرف رجوع کرے جو علم و معرفت سے بہرہ مند ہیں اور راسخون فی العلم کے مصداق شمار ہوتے ہیں تاکہ قرآن کے دقیق معانی اس پر روشن ہو جائیں کیونکہ الفاظ کی ان معانی پر دلالت کی کیفیت دوسروں پر پوشیدہ ہے اگرچہ یہ معانی ان (راسخون فی العلم) کے لئے بدیہیات میں سے شمار ہوتے ہوں۔ پس وہ متشابہ

۱۔ رجوع کریں کتاب توحید عاشوری (فارسی)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کو محکم کی طرف پلٹاتے ہیں۔ یہاں سے یہ نتیجہ بھی اخذ ہوتا ہے کہ راسخون فی العلم کی ہمیشہ ضرورت ہے اور وہ روایات کی رو سے قطعاً آئمہ اہلبیت صلوات اللہ و سلامہ علیہم اجمعین ہیں۔

حروف مقطعات

گزشتہ معروضات سے ہم یہ جان سکتے ہیں کہ حروف مقطعات جو قرآن کریم کی متعدد سورتوں کے اوائل میں مذکورہ حروف مثلاً الم، کھیعص، حم، ن، ص اور دوسرے حروف ہیں، میں سے بعض قرآن کے مقابلے کے چیلنج کا حصہ ہوں۔ قرآن ان سے کہتا ہے کہ یہ قرآن انہی حروف کا مجموعہ ہے جنہیں تم اچھی طرح جانتے ہو انہیں استعمال کرتے ہو اور اس کے مفردات تمہارے اختیار اور دسترس میں ہیں لیکن اس کے باوجود تم اس کی نظیر نہیں لا سکتے اور اس کام سے تم عاجز اور ناتواں ہو۔

شاید اصحاب نے اس راز کو سمجھ لیا تھا اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ ان حروف کے بارے میں کسی بھی صحابی نے کوئی سوال نہیں اٹھایا اور نہ پوچھا مگر شاذ و نادر۔ یہ اس بات کی تائید کرتی ہے کہ انھوں نے اس سے قریب الفہم معنی سمجھ لیا تھا اور یہی معنی ان کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے ممکنہ سوالات کا جواب ہو سکتا تھا۔

ان حروف کا اشارہ اس طرف ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ہم دیکھتے ہیں حروف مقطعہ ۲۹ سورتوں میں آئے ہیں، جن میں سے ۲۶ مکی سورتیں ہیں اور ۳ مدنی۔ مدنی سورتوں میں بھی دو سورتیں یعنی سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران ہجرت کے ابتدائی ایام میں نازل ہوئی ہیں جس وقت مدینہ کے لوگوں کی ذہنی اور ایمانی حالت مکے والوں کی حالت سے زیادہ مختلف نہ تھی خصوصاً یہودیوں کے شبہات اور ابہامات کی موجودگی میں جو مشرکین کی طرفداری میں ایجاد کئے گئے تھے۔

تیسری مدنی سورہ، سورہ رعد ہے جو اگرچہ کچھ عرصہ بعد نازل ہوئی لیکن جس وقت

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نازل ہوئی اس وقت قرآن کے چیلنج کو دہرانے کی ضرورت تھی کیونکہ اگرچہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد بڑھ چکی تھی لیکن ان کے ایمان کی سطح کافی حد تک نیچے تھی جس کی طرف ہم جنگ بدر کی گفتگو میں انشاء اللہ تعالی اشارہ کریں گے۔ اسی طرح اس وقت منافقین کی تعداد بھی زیادہ ہوگئی تھی کیونکہ جب اسلام طاقتور ہوا تو بہت سے لوگ ڈر کی وجہ سے یا رغبت کی وجہ سے حلقہ بگوش اسلام ہوگئے تھے اور بسا اوقات یہی لوگ دوسروں کے ایمان کو متزلزل کرنے کا باعث تھے۔

جب یہودی اور دوسرے افراد جو اسلام کے ہاتھوں بے چارے ہوگئے تھے اسلام کا اعلانیہ اور ظاہری طور پر مقابلہ کرنے سے عاجز آ گئے خواہ یہ پسپائی جنگ و جدال کے میدان میں تھی یا فکری اور عقیدتی میدان میں تو وہ اسلام کے خلاف اندرونی سازشوں میں لگ گئے اس وقت ضروری تھا کہ قرآن ایک مرتبہ پھر انہیں مقابلے کی دعوت دیتا اور انہیں اپنی نظیر لانے کا چیلنج دیتا اور یہ قرآن کا معجزہ ہے جو رہتی دنیا تک تمام بنی نوع انسان کے لئے بطور معجزہ باقی رہے گا۔

اور یہ عمدہ ترین روش اور طریقہ کار تھا مسلمانوں کے عقیدے اور ایمان میں نئی روح پھونکنے کے لئے اور دوسروں کے سامنے اس حقیقت کو پیش کرنے کا جس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں تھا کیونکہ وہ خود اسی حقیقت کو اپنے اندر پاتے تھے اور ان کے ضمیر اس کی گواہی دیتے تھے اور اس کا انہیں ان کی عقل و فطرت حکم دیتی تھی۔

ہماری گفتگو کی درستی کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ سورہ رعد کا اسلوب اور انداز بیان مکی سورتوں سے زیادہ متفاوت نہیں ہے۔ ان سورتوں میں دشمنوں کی گمراہ کن کوششوں اور خیر و فلاح اور حق کی راہ روکنے کی جدوجہد کی مذمت یکساں طور پر کی گئی ہے۔ واضح آیتوں اور روشن دلیلوں کے ذریعے مذکورہ امور پر ضرب لگائی گئی ہے۔

اس کے علاوہ جب ہم ان حروف کے بعد آنے والی آیات کو دیکھتے ہیں تو ان میں

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سے اکثر (خواہ وہ مکی سورتیں ہوں یا مدنی) میں کتاب، آیات، قلم، قرآن وغیرہ کا تذکرہ ملتا ہے۔ بطور مثال ذیل میں چند آیات ملاحظہ فرمائیں۔

"الم تلک آیات الکتاب الحکیم" (الم، یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں)، "الم ذلک الکتاب لا ریب فیہ" (الم، یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں)، "الم اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم نزل علیک الکتاب بالحق" (الم، خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ حی قیوم ہے جس نے کتاب نازل کی تمہاری طرف حق کے ساتھ)، "الم تنزیل الکتاب لا ریب فیہ من رب العالمین" (الم، یہ پروردگار عالم کی طرف سے نازل شدہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے)، "المص کتاب انزل الیک" (المص، یہ کتاب ہے جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے)، "الر کتاب انزل الیک" (الر، یہ کتاب ہے جو تمہاری طرف نازل کی گئی ہے)، "الر تلک آیات الکتاب" (الر، یہ کتاب کی آیات ہیں)، اور ان سب میں نہایت واضح یہ آیات ہیں: "حم انا جعلناہ قرآناً عربیاً" (حم، ہم نے قرآن کو عربی زبان میں قرار دیا)، "حم و الکتاب المبین انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ" (حم، کتاب مبین کی قسم ہم نے اسے برکت والی شب میں نازل کیا)۔ بلکہ ہم ایک آیت دیکھتے ہیں جو واضح طور پر بیان کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کی طرف اسی قسم کے حروف سے بنایا ہوا کلام بذریعہ وحی بھیجا۔ سورہ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوتا ہے۔ "حم عسق کذلک یوحی الیک و الی الذین من قبلک اللہ العزیز الحکیم" (حم عسق، حکیم و عزیز خدا تمہاری اور تم سے پہلے والوں کی طرف یونہی وحی بھیجتا ہے)۔

اس ارشاد میں کلمہ "کذلک" استعمال ہوا ہے یعنی انہی مذکورہ حروف کی طرح یا الفاظ دیگر آیات الٰہی انہی حروف کی مانند ہیں۔ اسی طرح دیگر آیات میں بھی ارشاد ہوا ہے کہ "الم ذلک الکتاب یا تنزیل الکتاب یا کتاب" یہ تمام آیات ظاہری طور پر اسی بات کی طرف اشارہ کرتی ہیں جس کا ہم نے تذکرہ کیا ہے۔

البتہ صرف دو یا تین سورتیں ایسی ہیں جن میں مذکورہ نکتے کا ذکر نہیں ہے۔ مثلاً

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سورہ الروم کہ جس کی ابتداء یوں ہوتی ہے۔ "الم غلبت الروم ... الخ"۔

ممکن ہے ان حروف مقطعہ کے بعد ذکر ہونے والے قصے یا حکم یا خبر میں اعجاز کا پہلو موجود ہو اور یہی امر اعجاز ہونے کے حوالے سے ابتدائے سورت میں اس کا ان حروف کے ساتھ ذکر کرنے میں کفایت کرتا ہو اور غیروں کا اس کی مثل لانے سے ناتواں اور عاجز ہونا بھی اس کے لئے کافی ہے۔

ہم اس بات کا اعادہ کرتے ہیں اور اس پر زور دیتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے بیان کیا ان حروف سے صرف وہی مراد نہیں بلکہ ان کے مزید نکات اور مطالب بھی ہیں جن کا اضافہ کیا جا سکتا ہے اور ان حروف کے معانی کے طور پر ذکر ہونے والے کثیر احتمالات کے صحیح ہونے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے کیونکہ ان معانی کو سمجھنے میں زمانے کا مختلف ہونا اثر انداز ہوتا ہے جیساکہ ہم نے قرآن کے ظاہر اور باطن کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے بیان کیا۔

آغاز وحی کی روایات

بخاری، مسلم اور دیگر افراد نے زہری سے، اس نے عروۃ بن زبیر سے اور اس نے حضرت عائشہ سے آغاز وحی کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

نبی اکرمؐ غار حرا میں موجود تھے، فرشتہ آپؐ کے پاس آیا اور کہا: پڑھو! پیغمبرؐ نے جواب دیا: میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ (پیغمبرؐ فرماتے ہیں) پس اس نے مجھے پکڑا اور زور سے دبایا یہاں تک کہ میری ہمت جواب دے گئی پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھو! میں نے کہا میں ان پڑھ ہوں، اس نے مجھے دوبارہ پکڑا اور سختی سے مجھے دبایا یہاں تک کہ میری حالت غیر ہوگئی پھر چھوڑ دیا اور کہا: "اقرا بسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق اقرا و ربک الاکرم ..." یعنی "پڑھ اپنے پروردگار کے نام سے جس نے خلق کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھ تمہارا پروردگار سب سے زیادہ عزت والا ہے ..."۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

رسول اکرمؐ غار سے واپس لوٹ آئے اور آپؐ کا دل خوفزدہ تھا۔ آپؐ حضرت خدیجہ بنت خویلد کے پاس آئے اور کہا مجھ پر کپڑا ڈال دو مجھ پر کپڑا ڈال دو۔ یہاں تک کہ آپؐ کا ڈر اور خوف ختم ہوگیا تب آپؐ نے حضرت خدیجہ سے (سارا ماجرا بیان کر دیا) اور کہا مجھے جان کا خوف لاحق ہو گیا تھا۔ حضرت خدیجہ نے کہا: نہیں! خدا کی قسم وہ تمہیں کبھی بھی ذلیل و خوار نہیں فرمائے گا کیونکہ آپؐ صلہ رحم کرتے ہیں محتاجوں کی مدد کرتے ہیں، بے کسوں کے والی ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں اور مشکلات و مصائب کے وقت ان کے کام آتے ہیں۔ حضرت خدیجہ (س) نے اپنی بات جاری رکھی یہاں تک کہ وہ آپؐ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبدالعزیٰ کے پاس لے آئیں وہ عہد جاہلیت میں عیسائی ہوگیا تھا وہ عبرانی رسم الخط میں کتاب لکھتا تھا اور انجیل سے عبرانی میں بہت لکھتا تھا اس وقت وہ عمر رسیدہ شخص تھا اور نابینا ہوگیا تھا۔ حضرت خدیجہ (س) نے اس سے کہا اے چچا کے بیٹے! اپنے بھائی کے بیٹے سے سنو! ورقہ بن نوفل نے آنحضرتؐ سے پوچھا: آپؐ نے کیا دیکھا ہے؟ رسولؐ اللہ نے تمام واقعہ اسے بیان کر دیا. ورقہ نے کہا: یہ وہی "راز" ہے جو حضرت موسیٰؑ پر نازل ہوا تھا۔ اے کاش! میں آپؐ کے ساتھ رہوں اور اس وقت تک زندہ رہوں جب قوم تمہیں باہر نکالے۔ رسولؐ اللہ نے فرمایا: کیا مجھے نکال دیں گے؟ کہا: ہاں ہرگز تمہارے جیسا انسان کوئی چیز نہیں لایا مگر یہ اس کے ساتھ دشمنی کی گئی۔ اگر میں آپؐ کے دور میں زندہ رہوں تو آپؐ کی مدد کروں گا۔ اس کے بعد ورقہ کے مرنے میں دیر نہ لگی اور وحی میں تاخیر ہوگئی۔ (۱)

۱۔ صحیح بخاری مطبوعہ مشکول ج۱ ص ۶-۵ اور ج۹ ص ۳۸، صحیح مسلم ج ۱ ص ۹۷، تاریخ طبری ج۲ ص ۴۷، عبدالرزاق کی المصنف ج۵ ص ۳۲۲-۳۲۳ تاریخ الخمیس ج۱ ص ۲۸۲، دحلان کی سیرۃ نبوی ج۱ ص ۸۲ اور سیرت حلبیۃ ج۱ ص ۲۴۲-۲۴۳۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہاں متضاد اور متعارض روایات کثیر تعداد میں ملتی ہیں جن میں سے بعض کا ہم بطور مثال ذکر کرتے ہیں:

۱۔ ایک روایت کہتی ہے کہ حضرت خدیجہ (س) نے رسول اکرمؐ کو حضرت ابوبکر کے ہمراہ ورقہ بن نوفل کے پاس بھیجا وہاں پر آنحضرتؐ نے اسے بتایا کہ وہ اپنے پیچھے یا محمد، یا محمد کی آوازیں سنتے ہیں اور ڈر کے مارے بھاگ جاتے ہیں۔ اس کے بعد ورقہ نے استقامت دکھانے کی تلقین کی اور کہا جو کچھ تمہیں کہا جائے اسے سنو اور پھر مجھے خبر دو۔ آپؐ نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد ایک آواز آئی۔ اے محمد کہو "بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین تا و لا الضالین" پھر کہا "لا الہ الا اللہ"۔ آپؐ نے یہ سب کچھ ورقہ کو بتایا۔ ورقہ نے آپؐ کو خوشخبری سنائی کہ یہ آواز دینے والا وہی ہے جس نے حضرت مریم کو بیٹے کی بشارت دی تھی۔ جب ورقہ فوت ہوگیا تو رسولؐ اللہ نے فرمایا: میں نے اسے بہشت میں دیکھا ہے اس نے ریشمی لباس زیب تن کیا ہوا تھا کیونکہ وہ مجھ پر ایمان لایا اور اس نے میری تصدیق کی۔ (۱)

۲۔ ایک اور روایت میں بیان ہوا ہے کہ جب حضرت خدیجہ (س) نے ورقہ سے تمام ماجرا ذکر کر دیا تو اس نے کہا: وہ امت کا نبی ہے۔ کچھ مدت کے بعد طواف کی حالت میں دونوں کے درمیان ملاقات ہوگئی۔ ورقہ نے آپؐ سے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا اس کے بارے میں پوچھا اور پیغمبر اکرمؐ نے اسے بتایا اس وقت ورقہ نے خبر دی کہ آپ اس امت کے پیغمبر ہیں۔ (۲)

۱۔ البدایة و النهایة ج۳ ص ۱۰-۹، الروض الانف ج۱ ص ۲۷۵-۲۷۳، دحلان کی سیرت نبوی ج۱ ص ۸۴-۸۳، سیرة حلبیة ج۱ ص ۲۵۰ اور سیرة مغلطای ص ۱۵

۲۔ البدایة و النهایة ج۳ ص ۱۳-۱۲، سیرة ابن ہشام ج۱ ص ۲۵۲، سیرة حلبیة ج۱ ص ۲۳۰-۲۲۹، دحلان کی سیرة نبوی ج۱ ص ۸۲-۸۱۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۳۔ جب رسول خداؐ نے حضرت خدیجہ سے تمام قصہ بیان کیا تو انھوں نے بشارت دی کہ آپؐ اس امت کے نبی ہیں۔ یہ خبر انھوں نے اپنے غلام ناصح اور بحیرا نامی راہب سے پہلے ہی سن رکھی تھی۔ اور بحیرا نے بیس سال پہلے ہی خدیجہؑ کو آپ سے شادی کرنے کو کہا تھا حضرت خدیجہ (س) رسولؐ اللہ کے ساتھ رہیں یہاں تک کہ آپؐ نے کھایا پیا اور پھر آپ ہنسے۔ پھر وہ راہب کے پاس گئیں جو مکے کے نزدیک تھا اور اسے ساری بات بتائی اس نے خبر دی کہ جبرئیل خدا کا امین اور پیغام رساں ہے انبیاء کی جانب۔ پھر عداس کے پاس گئیں اس نے بھی وہی کچھ کہا اس کے بعد ورقہ کے پاس آئیں تو اس نے بھی اسی قسم کا جواب دیا۔ حضرت خدیجہ (س) نے اس کو قسم دی کہ وہ اس امر کو مخفی رکھے۔ ورقہ نے ان سے کہا کہ عبداللہ کے بیٹے کو میرے پاس بھیج دو تاکہ وہ خود آپؐ سے پوچھے اور خود آپ کی زبانی سنے کیونکہ اسے خدشہ تھا کہ جو فرشتہ رسولؐ اللہ کے پاس آیا ہے مبادا وہ جبرئیل نہ ہو۔ کیونکہ بعض شیطان گمراہ کرنے اور فتنہ و فساد برپا کرنے کے لئے اپنے آپ کو اس کی شکل و صورت میں ظاہر کرتے ہیں تاکہ عقلمند آدمی کو اپنا گرویدہ بنائیں اور اسے دیوانہ بنا دیں۔ حضرت خدیجہ (س) رسول اللہ کے پاس واپس لوٹ آئیں اور ورقہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو کو بیان کیا تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ "ن والقلم و ما یسطرون ما انت بنعمة ربک بمجنون"۔ یعنی ن، قلم کی قسم اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں تو اپنے پروردگار کی نعمت کے باعث دیوانہ نہیں ہے۔ لیکن حضرت خدیجہ (س) نے ورقہ کے پاس جانے پر اصرار کیا۔ آنحضرتؐ نے بھی ایسا ہی کیا۔ ورقہ نے آپؐ کی تصدیق کی۔ ورقہ کی رسولؐ اللہ کے بارے میں گفتگو اور تصدیق کا چرچا ہوگیا اور یہ بات قوم کے بڑوں پر بڑی گراں گزری۔ (۱)

۴۔ حضرت خدیجہ (س) نے آنحضرتؐ سے کہا کہ جب فرشتہ آپؐ پر نازل ہو تو مجھے

۱۔ البدایة و النھایة ج۳ ص ۱۵-۱۴، اسی طرح ابی ہلال عسکری کی الاوائل ج۱ ص ۱۳۶ کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مطلع کرنا آپؐ نے عمل کیا (پس جب فرشتہ نازل ہوا تو) حضرت خدیجہ (س) نے پیغمبرؐ سے کہا کہ آپ میری دائیں طرف بیٹھیں پیغمبرؐ نے یونہی کیا لیکن فرشتہ نہ گیا پھر حضرت خدیجہ (س) نے آپؐ کو اپنی گود میں بٹھایا پھر بھی فرشتہ نہ گیا پھر جب آنحضرتؐ ان کی گود میں تھے تو انھوں نے اپنے چہرے اور سر سے کپڑا ہٹا دیا تو فرشتہ چلا گیا پھر حضرت خدیجہ نے کہا۔ یہ شیطان نہیں ہے بلکہ فرشتہ ہے پس آپؐ ثابت قدم اور پر امید رہیں۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ حضرت خدیجہ (س) نے رسولؐ اللہ کو اپنی قمیص کے اندر داخل کر لیا اور ان کا سر اپنے گریبان سے باہر نکال لیا اس پر جبرئیل چلے گئے۔ (۱)

تیسری روایت میں ہے کہ یہ کام ورقہ کی ہدایت پر کیا گیا تھا۔ (۲)

۵۔ ایک روایت میں منقول ہے کہ ورقہ نے حضرت خدیجہ (س) سے کہا "ان سے نازل ہونے والے کے بارے میں پوچھو، اگر وہ میکائیل ہوئے تو آپؐ کے لئے فروتنی، مہربانی اور نرمی لایا ہے اور اگر جبرئیل ہیں تو آپؐ کے لئے قتل اور قید و بند کی مشکلات لایا ہے پس انھوں نے آپؐ سے پوچھا۔ آپؐ نے جواب دیا: جبرئیل ہیں تو حضرت خدیجہ (س) نے اپنی پیشانی پر مارا۔ (۳)

۶۔ بیان ہوا ہے کہ جب رسولؐ اللہ پر وحی نازل ہوئی تو (اپنی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: میں شاعر ہوں یا مجنون اور اس بات کو قریش کے سامنے ہرگز پیش نہیں کروں گا اب اوپر پہاڑ پر جا کر اپنے آپ کو نیچے گرا دیتا ہوں خودکشی کرتا ہوں اور اس مصیبت سے

۱۔ البدایۃ و النہایۃ ج۳ ص ۱۶-۱۵، سیرۃ ابن ہشام ج۱ ص ۲۵۵، طبری ج۲ ص ۵۰ تاریخ لخمیس ج۱ ص ۲۸۳، سیرۃ حلبیۃ ج۱ ص ۲۵۱، دحلان سیرۃ نبویۃ ج ۱ ص ۸۴۔

۲۔ سیرۃ حلبیۃ ج۱ ص ۲۵۲

۳ تاریخ یعقوبی ج۲ ص ۲۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جان چھڑا لیتا ہوں اس غرض سے نکلا) اور پہاڑ کے درمیان میں پہنچا اس وقت آسمان سے ایک آواز سنائی دی جو کہہ رہی تھی یا محمدؐ! آپ اللہ کے رسول ہیں ... پھر روایت کہتی ہے کہ آپؐ نے یہ بات حضرت خدیجہؑ کو بتائی کہ آپ شاعر ہیں یا مجنون۔ حضرت خدیجہ (س) نے کہا میں آپ کے بارے میں ایسی باتوں سے خدا کی پناہ چاہتی ہوں۔ اس کے بعد حضرت خدیجہ (س) نے ورقہ سے ملاقات کی اور اس نے آنحضرتؐ کو ثابت قدم رہنے کا پیغام بھجوایا۔ پھر اس نے طواف کے دوران آپؐ سے ملاقات کی اور پھر ان دونوں کے درمیان جو باتیں ہوئیں سو ہوئیں۔ (۱)

سہیلی اور دوسرے کہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ (س) نے ورقہ، عداس اور نسطور سے رسول اللہ کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کے بارے میں پوچھا۔ (۲)

۷۔ ایک روایت میں یوں درج ہے کہ عداس نے حضرت خدیجہ (س) کو آنحضرتؐ کے لئے ایک تعویذ لکھ دیا کہ اسے رسولؐ اللہ کے ساتھ باندھیں اگر آپؐ مجنون ہوئے تو شفایاب ہوجائیں گے وگرنہ اس سے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ جب حضرت خدیجہ (س) تعویذ لے کر آپؐ کے پاس پہنچی تو آپؐ کو جبرئیلؑ کے ساتھ دیکھا کہ سورہ قلم کی آیات تلاوت کر رہے ہیں۔ وہ بہت خوش ہوگئیں اور آپؐ کو عداس کے پاس لے گئیں۔ عداس نے آنحضرتؐ کی پشت مبارک کو برہنہ کر کے کاندھوں کے درمیان مہر نبوت کا مشاہدہ کیا۔ (۳)

بعض کا یہ کہنا ہے کہ جب پیغمبر اکرمؐ نے حضرت خدیجہ (س) کو جبرئیل کا واقعہ بتایا تو انہوں نے یہ سارا ماجرا بحیرا راہب کو لکھ بھیجا اور بعض کے نزدیک وہ بحیرا کے پاس

۱۔ تاریخ طبری ج۲ ص ۵۰-۴۹

۲۔ الروض الانف ج۱ ص ۲۷۳ اورابوہلال عسکری کی الاوائل ج۱ ص ۱۴۶

۳۔ تاریخ الخمیس ج۱ ص ۲۸۳، دحلان کی سیرۃ نبویۃ ج۱ ص ۸۳، سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۲۴۴-۲۴۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لے گئیں تاکہ اس واقعے کے متعلق اس سے پوچھے۔ (۱)

۸۔ مروی ہے کہ جب رسول خدا ؐ اپنے آپ کو پہاڑ سے گرانے کے لئے اوپر گئے تو جبرئیل آپ ؐ کے سامنے ظاہر ہوگیا اور آپ ؐ کو رسول کہہ کر خطاب کیا اس وقت آپ ؐ کا دل مطمئن ہوگیا اور آپ ؐ کو سکون قلب حاصل ہوگیا۔ (۲)

۹۔ بعض نے یہ بھی روایت کی ہے کہ پیغمبر ؐ پر نبوت سے پہلے کپکپی، تشنج، رنگ اڑنے اور غنودگی کی حالتیں طاری ہوئی تھیں اس طرح نیم بیہوشی کی حالت میں رہتے اور گہری نیند میں جوان اونٹ کی طرح خر خر کرتے تھے۔ (۳)

۱۰۔ ایک روایت میں یہ بھی مذکور ہے کہ نبی اکرم ؐ اطمینان اور مسرّت کے ساتھ اپنے گھر واپس آئے کیونکہ آپ ؐ نے امر عظیم کا مشاہدہ کیا تھا جب آپ ؐ حضرت خدیجہ (س) سے ملے تو فرمایا کیا جو کچھ میں نے پہلے تجھے بتایا تھا یاد ہے؟ میں نے اسے خواب میں دیکھا تھا؟ ابھی میرے پاس میرے رب نے جبرئیل کو بھیجا تھا۔ اس کے بعد جو کچھ اللہ کی طرف سے آپ ؐ تک پہنچا تھا اور جو کچھ آپ ؐ نے سنا تھا وہ سب حضرت خدیجہ (س) سے بیان کیا۔ حضرت خدیجہ (س) نے کہا آپ ؐ پر امید رہیں خدا کی قسم! وہ صرف تمہارے لئے خیر ہی انجام دے گا جو کچھ خدا کی طرف سے آپ ؐ تک پہنچا ہے اسے قبول کریں بے شک یہ حق ہے اور میں آپ ؐ کو خوشخبری دیتی ہوں کہ آپ ؐ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

اس کے بعد حضرت خدیجہ (س) عداس نصرانی کے پاس گئیں جو نینوا کے باشندے عتبہ بن ربیعہ کا غلام تھا اور ان سے حضرت جبرئیل کے بارے میں سوالات پوچھے اس نے اس سر زمین پر جبرئیل کے تذکرے سے تعجب کیا پھر حضرت خدیجہ (س) سے کہا کہ

۱۔ دحلان کی سیرۃ نبویۃ ج۱ ص ۸۳ اور سیرۃ حلبیۃ ج۱ ص ۲۴۳

۲۔ المصنف ج۵ ص ۳۲۳

۳۔ دحلان کی سیرۃ نبویۃ ج۱ ص ۸۴ اور سیرۃ حلبیۃ ج۱ ص ۲۵۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضرت جبرئیل اللہ اور انبیاء کے درمیان امین الٰہی ہے، اسکے بعد وہ ورقہ کے پاس گئیں۔ (۱)

آغاز وحی، اس کی کیفیت اور اس کے متعلق واقعات کے بارے میں متضاد اور متناقض روایات اور اقوال کی کثیر تعداد میں سے یہ چند نمونے مشتے از خروارے کے طور پر بیان ہوئے۔

اب ہم مذکورہ غلط اور فضول اقوال پر چند اعتراضات حتی المقدور مختصر طور پر بیان کرتے ہیں۔

آغاز وحی کی روایات پر اعتراضات

اس موقع پر ان روایات اور اقوال کی تمام خامیوں اور کمزور نکات کو تو ہم بیان نہیں کر سکتے کیونکہ اس کام کے لئے زیادہ وقت درکار ہے اور مزید ہمت کی ضرورت ہے بلکہ اس کے لئے ایک مستقل تالیف کی ضرورت ہے لیکن اس فارمولے "ما لایدرک کلہ لایترک کلہ" یعنی بالکل نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے، کے تحت کچھ نہ کچھ اس سلسلے میں عرض کرتے ہیں تاکہ ہم بھی اپنے طور پر مقام نبوت کی حمایت اور دفاع کرنے میں اپنا حصہ ڈال سکیں اگرچہ محدود اور ناقص صورت میں ہی کیوں نہ ہو۔ ان روایات میں مندرجہ ذیل کمزوریاں پائی جاتی ہیں:

۱۔ اسناد و روایات کی کمزوری

چونکہ ان روایات میں سے زیادہ اہم وہی ہیں جنہیں صحیح بخاری، صحیح مسلم اور ان کے علاوہ دوسروں نے زہری سے، اور اس نے عروۃ بن زبیر سے اور عروۃ نے حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے۔ لہذا ہم ان کے احوال کے بارے میں اجمالاً اشارہ کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

۱۔ البدایۃ و النہایۃ ج۳ ص ۱۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

الف۔ زہری

اس کا شمار ظالموں کے مددگاروں اور انصار میں سے ہوتا ہے وہ ظالموں کو چاہنے والا تھا۔ یہ ہشام بن عبدالملک کا کاتب اور اس کے بیٹوں کا استاد تھا۔

ثقفی نے اسے کوفہ کے ان فقہاء میں سے شمار کیا ہے جو علیؑ کی اطاعت سے خارج ہوگئے تھے۔ ان کے ساتھ دشمنی و عداوت اور بغض رکھتے تھے اور لوگوں کو ان سے دور کرتے تھے۔ (۱) یہ اور عروۃ مدینہ کی مسجد میں بیٹھ کر حضرت علیؑ کو گالیاں دیتے تھے جب اس کی خبر حضرت امام سجادؑ کو ملی تو آپؑ ان دونوں کے پاس گئے اور کہا اے عروۃ! تو کون ہوتا ہے؟ میرے باپ اور تیرے باپ کے درمیان جھگڑا ہوگیا تھا دونوں قاضی کے پاس گئے قاضی نے میرے باپ کے حق میں فیصلہ سنایا۔ اور زہری تو کون ہوتا ہے؟ اگر تو اور میں مکے میں ہوتے تو میں تمہارے باپ کا گھر تمہیں دکھاتا کہ وہ کیسا تھا۔ (۲) اس صورت حال میں اس شخص کی بات پر کس طرح اعتماد کیا جاسکتا ہے جو ظالمین کے گروہ میں سے ہو اور علیؑ سے بغض رکھتا ہو درحالیکہ رسولؐ اللہ نے فرمایا ہے: "من سب علیاً فقد سبنی" یعنی جس نے علیؑ کو دشنام دی اس نے مجھے دشنام دیا۔ (۳)

۱۔ ثقفی کی الغارات ج۲ ص ۵۶۰-۵۵۸

۲۔ معتزلی کی شرح نہج البلاغۃ ج۴ ص ۱۰۲، ثقفی کی الغارات ج۲ ص ۵۴۸، بحارالانوار ج۴۶ ص ۱۴۳

۳۔ مستدرک الحاکم ج۳ ص ۱۲۱، ذھبی نے تلخیص مستدرک میں اس صفحے کے حاشیہ میں اس روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ب۔ عروۃ بن زبیر

عروۃ کہتا ہے میں عبداللہ بن عمر خطاب کے پاس گیا اور کہا اے ابو عبدالرحمن! ہم اپنے پیشواؤں کے سامنے بیٹھتے ہیں وہ مذہبی باتیں کرتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ ہمارے ان رہبروں کی باتیں حق کے خلاف ہیں لیکن ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ وہ ناحق فیصلے کرتے ہیں اور ہم انہیں تقویت پہنچاتے ہیں اور اس پر واہ واہ کرتے ہیں تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا اے بھتیجے! ہم رسولؐ اللہ کے زمانے میں اسے نفاق کہتے تھے۔ میں نہیں جانتا تم اس عمل کو کیا کہتے ہو۔ (۱)

پس عروۃ نے ستم پیشہ اور ظالم پیشواؤں کو اپنا امام تسلیم کیا ہے اور ابن عمر نے اسے منافق قرار دیا ہے۔

اسکافی نے اسے ایسے تابعین میں سے شمار کیا ہے جو حضرت علیؑ کے بارے میں غلط اور گھٹیا روایات جعل کرتے تھے۔ (۲) یہ لوگوں کو اپنی احادیث پھیلانے پر اکساتا تھا۔ (۳)

عبدالرزاق نے معمر سے نقل کیا ہے کہ حضرت علیؑ کے بارے میں عروۃ کے ذریعے حضرت عائشہ سے مروی دو روایتیں زہری کے پاس تھیں۔ ایک دن میں نے ان دو حدیثوں کے متعلق پوچھا اس نے جواب دیا: تمہیں ان دو (عروۃ اور حضرت عائشہ) اور ان کی حدیث سے

jabir.abbas@yahoo.com

۱۔ سنن بیہقی ج۸ ص ۱۶۵ اور اسی سے قریب قریب مطلب کو ص ۱۶۴ پر عروۃ کے نام کے بغیر ذکر کیا ہے۔ اسی طرح الترغیب و الترهیب ج۳ ص ۳۸۲ میں بخاری اور احیاء علوم الدین (ج۳ ص ۱۵۹) سے اور اس کے حاشیہ میں طبرانی سے نقل کیا ہے۔

۲۔ معتزلی کی شرح نہج البلاغۃ ج۴ ص ۶۳

۳۔ صفۃ الصفوۃ ج۲ ص ۸۵ اور تہذیب التہذیب ج۷ ص ۱۸۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کیا سروکار ہے۔ میں ان دونوں کو بنی ہاشم کے حق میں متہم کرتا ہوں۔ (۱) جب حضرت علیؑ کا نام لیا جاتا تھا تو زہری انہیں دشنام دیتا (۲) ان پر سب کرتا اور ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارتا۔ (۳) ان تمام باتوں کے علاوہ یہ ثابت ہی نہیں ہوا کہ زہری نے عروۃ بن زبیر سے کوئی روایت سنی ہو لیکن اہل حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے۔ (۴)

ج۔ حضرت عائشہ

وہ حضرت علیؑ کی دشمن تھیں اور اس نے آپؑ سے جنگ کی تھی۔ انہیں زہری نے متہم کیا ہے کہ خاندان بنی ہاشم کے بارے میں اس کی بات پر کوئی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت عائشہ نے روایت کو مرسل صورت میں نقل کیا ہے اور جس شخص سے یہ روایت لی ہے اس کا ذکر نہیں کیا۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ بعثت کے بعد پیدا ہوئی ہیں اگرچہ ہمیں اس قول پر اعتراض ہے جس کا ہم آئندہ ذکر کریں گے۔

آخر میں کہنا چاہیے کہ صحاح اور دوسری کتب کی اسانید کے باقی راویوں کے بارے میں بہت کچھ کہنے کو ہے لیکن یہاں اسکی گنجائش نہیں ہے لہذا اسی پر ہم اکتفا کرتے ہیں اور ان روایات میں اس کے علاوہ جو قابل اعتراض باتیں ہیں، انکی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۲۔ روایات میں تضاد

روایات کے درمیان باہمی مقابلے اور موازنے سے ان میں موجود تضاد اور تناقض ہر

۱۔ معتزلی کی شرح نہج البلاغۃ ج۴ ص ۶۴ اور قاموس الرجال ج۶ ص ۲۹۹

۲۔ الغارات ج۲ ص ۵۴۶ اور شرح نہج البلاغہ معتزلی ج۴ ص ۱۰۲

۳۔ قاموس الرجال ج۶ ص ۳۰۰

۴۔ تہذیب التہذیب ج۹ ص ۴۵۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک پر ظاہر و عیاں ہے اور یہ ذمہ داری ہم خود قاری پر ڈالتے ہیں۔ اگر ان میں اختلاف اور تفاوت، کمی یا زیادتی کی وجہ سے ہوتا تو اسے قبول کر لیتے کہ ایک راوی نے فراموش کر دیا اور دوسرے نے وہ بات بیان کر دی یا ایک کا مقصد ایک پہلو سے واقعے کو نقل کرنا تھا اور دوسرے کا ہدف کسی اور پہلو سے نقل کرنا تھا۔ اسی طرح اگر تضاد صرف ایک مورد میں ہوتا تو پھر بھی توجیہ کی جا سکتی تھی کہ یہ راویوں میں سے کسی ایک کی غیر عمدی غلطی سے ہوا ہے۔

لیکن مسئلہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ کیونکہ تضاد اور اختلاف اگر ان روایات کے تمام مطالب میں نہیں تو اکثر مطالب میں ضرور ہے جو عمداً جعل و تحریف کی نشاندہی کرتا ہے اور پرانے زمانے میں کہتے تھے کہ "جھوٹوں کا حافظہ نہیں ہوتا"۔

یہ تمام اختلافات اس تضاد اور تناقض کے علاوہ ہیں جو ان روایات اور خود بخاری کی اس روایت میں موجود ہے جو ابتداء کتاب میں اس روایت کے بعد بیان کی گئی ہے اور وہ یہ کہ پیغمبر اکرمؐ پر سب سے پہلی نازل ہونے والی سورت، سورہ مدثر ہے اور اس روایت میں ان عجیب و غریب باتوں کا کوئی ذکر نہیں ہے جو حضرت عائشہ کی روایت میں مذکور ہیں۔

۳۔ صحاح کی روایت

صحاح کی روایت بلکہ دوسری تمام روایات بیان کرتی ہیں کہ جبرئیلؑ نے نبی اکرمؐ کو پکڑا اور دبایا یعنی نچوڑا اور آپؐ کی سانس روکے رکھی۔ یہاں تک آپؐ بے جان ہوگئے اور خیال کیا کہ آپؐ کی موت آگئی تو پھر اس نے چھوڑا اور حکم دیا کہ پڑھو۔ رسولؐ اللہ نے جواب دیا کہ وہ پڑھنا نہیں جانتے اس پر وہ مطمئن نہیں ہوئے اور دوبارہ آپؐ کو پکڑ کر دبایا اور تین مرتبہ اس عمل کو دہرایا۔ اس بارے میں ہمارے چند سوال ہیں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ ایسے عمل کے لئے جبرئیل کے پاس کیا جواز تھا اس کے لئے کیسے جائز تھا کہ وہ نبی اعظمؐ کو ڈرائے اور انہیں پکڑ کر دبائے، ان کی سانس روک لے،

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

انہیں آزار و اذیت پہنچائے اور اس حد تک آپؐ پر دباؤ ڈالے کہ آپؐ مرنے کے قریب ہو جائیں۔ جبکہ جبرئیل دیکھ رہا تھا کہ پیغمبرؐ اس کے حکم کی تعمیل کرنے سے عاجز ہیں پھر بھی اس نے آپؐ پر رحم نہیں کھایا اور ذرا بھی مہربانی نہیں کی۔

اور اس نے کیوں تین مرتبہ اس عمل کا تکرار کیا؟ اس سے زیادہ یا کم کیوں نہ کیا؟ کس دلیل کی بنا پر تیسری بار آپؐ کی تصدیق کی جبکہ پہلی اور دوسری مرتبہ تصدیق نہیں کی؟ اگر شروع میں رسول خداؐ نے جھوٹ بولا تھا تو پھر آپؐ کیسے نبوت کے اہل رہ گئے؟ اور اگر آپؐ نے سچ بولا تھا تو کیوں جبرئیل آپؐ کی بات سے قانع نہیں ہوئے اور اسی طرح اپنے عمل کو جاری رکھا اور اس کا تکرار کیا اور آپؐ کے گلے کو دبایا یہاں تک آپؐ مرنے کے قریب ہوگئے؟

ایک اور سوال یہ ہے کہ کیا جبرئیل آپؐ کے لئے کوئی کتاب لائے تھے کہ آپؐ اسے پڑھتے؟ کیونکہ حضور اکرمؐ کی یہ بات کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں (ما انا بقاری) اس وقت صحیح ہو سکتی ہے جب آپؐ نے جبرئیل کے حکم سے یوں سمجھا ہو کہ وہ آپ کو پڑھنے کا حکم دے رہا ہے نہ کہ قرائت سیکھنے کا جیساکہ "سندی" نے ذکر کیا ہے۔ (۱)

اگر قرائت سے مراد تلاوت تھی تو پھر جبرئیل نے آپؐ کو پڑھ کر سنانے سے پہلے کیوں آپؐ سے پڑھنے کا مطالبہ کیا؟ اس کے بعد کیوں کر نبی اکرمؐ حکم عدولی کرتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے؟

ان تمام باتوں کے علاوہ نبی اکرمؐ جبرئیل کی طرف سے دی جانے والی اذیت و آزار کے آگے کیوں خاموش رہے؟ جبکہ اس کے پاس کوئی مجوز بھی نہیں تھا۔

نیز آپؐ کیوں مرعوب اور دہشت زدہ ہو کر واپس جاتے ہیں؟ کیا آپؐ حضرت موسیٰؑ کی طرح جبرئیل کے ساتھ سلوک نہیں کر سکتے تھے جیساکہ انہوں نے روح قبض کرتے وقت

۱۔ بخاری پر سندی کا حاشیہ ج۱ ص ۳ (مطبوعہ ۱۳۰۹)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ملک الموت کو تھپڑ رسید کیا تھا اور اس کی ایک آنکھ پھوڑ دی تھی چنانچہ بخاری اور بہت سے دیگر مآخذ نے اس کی تصریح کی ہے۔ (۱) کیا یہ معقول بات ہے کہ حضورؐ اس قدر بزدل تھے اور شجاعت حضرت موسیٰؑ ہی کے حصہ میں آئی تھی؟

اشارہ

ان میں ایک ہنسانے والی بات جو درحقیقت رلانے والی بات ہے یہ ہے کہ بعض لوگ ان روایات کو اپنے اس نظریے پر بطور دلیل کے پیش کرتے ہیں جو عقل و فطرت کے مخالف اور نص قرآن کے بھی خلاف ہے اور کہتے ہیں کہ ناقابل برداشت چیز کا حکم دینا درست ہے۔ (فتح الباری ج۸ ص ۵۵۱ اور ارشاد الساری ج۱ ص ۶۳) جیساکہ یہ ان کا مذہبی عقیدہ ہے جبکہ یہ روایات عقلی اور نقلی طور پر جھوٹی ثابت ہوتی ہیں اور قرآن کی صریح تعلیمات کی رو سے بھی یہ مردود قرار پاتی ہیں۔ جیساکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا" (سورہ بقرہ، آیت ۲۸۶) یعنی اللہ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اور فرمایا "ما جعل اللہ علیکم فی الدین من حرج" (سورہ حج، آیت ۷۸) یعنی اللہ نے تم پر دین میں تنگی اور حرج قرار نہیں دیا۔ نیز فرمایا: "یرید اللہ بکم الیسر و لایرید بکم العسر" (سورہ بقرہ، آیت ۱۸۵) یعنی اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے نہ تنگی۔ اور اسی طرح کی بہت سی دیگر آیات۔

۱۔ بخاری مطبوعہ ۱۳۰۹ ج۱ ص ۱۵۲، ابواب الجنائز اور ج۲ ص ۱۵۹ باب وفاۃ موسیٰؑ صحیح مسلم ج۷ ص ۱۰۰ باب فضائل موسیٰؑ، مسند احمد ج۲ ص ۳۱۵، حافظ عبدالرزاق کی المصنف ج۱۱ ص ۲۷۴، سنن النسائی ج۴ ص ۱۱۸، تاریخ طبری ج۱ ص ۳۰۵، البدایہ و النہایۃ ج۱ ص ۳۱۶، الغدیر ج۱۱ ص ۱۳۰-۱۳۱ جو بعض سابقہ مآخذ نیز شعرانی کی کتاب مختصر تذکرہ القرطبی ص ۲۹ اور ثعلبی کی العرائس ص ۱۳۹ سے منقول ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۴۔ آنحضرتؐ کا خوف

آنحضرتؐ کے خوف و ہراس نیز آپؐ کی زوجہ اور ورقہ وغیرہ جو آپؐ کے اندر اطمینان و سکون کا باعث بنے، کے بارے میں کہنا چاہیے کہ:

الف۔ ایک ایسے شخص کو نبی بنا کر بھیجنا کس طرح جائز ہے جو اپنی نبوت سے جاہل ہو اور اسکی تحقیق کیلئے عورت یا ایک عیسائی کی مدد کا محتاج ہو؟ اس عیسائی مرد کی بات کو چھوڑیں کیا یہ عورت ایسے بزدل، ڈرپوک اور متردد مرد سے مقام نبوت کی زیادہ اہل نہ تھی؟

کیوں آپؐ اس بات کو نہ سمجھ سکے جو اس خاتون اور اس عیسائی نے سمجھ لی تھی؟ کیا یہ ممکن ہے کہ وہ دونوں خدا اور اس کے تفضلات سے آنحضرتؐ سے زیادہ آگاہ اور دانا ہوں؟ ہم خدا سے زبان و عمل کی لغزش کے بارے میں پناہ مانگتے ہیں۔

اسی طرح اگر آپؐ کے لئے شک و شبہ کرنا جائز ہو جبکہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی چیز کا مشاہدہ بھی کیا تھا تو پھر دوسروں کے شک و شبہ کو آپؐ کس طرح برا خیال کر سکتے ہیں جبکہ انہوں نے کوئی چیز نہ دیکھی ہو؟

سندی کہتا ہے کہ حضرت خدیجہ (س) کے جواب اور ان کے ورقہ کے پاس جانے کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ شک و تردد میں مبتلا تھے اور یہ مسئلہ بہت مشکل ہے کیونکہ جب وحی ختم ہوگئی تو آپ نبی بن گئے۔ اس کے بعد کسی لحاظ سے بھی روا نہیں ہے کہ آپؐ اور اپنی نبوت، خدا کی طرف سے آنے والے فرشتے اور جو کچھ آپؐ پر نازل ہوا ہے اس کے کلام الٰہی ہونے کے بارے میں شک و تردد کی کیفیت پر باقی رہیں۔

پھر سندی اس کی توجیہ کرنے کے درپے ہوتا ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم، حضرت خدیجہ (س) کا امتحان لینا چاہتے تھے اور انہیں حقیقت بتانے کے لئے ذہنی طور پر آمادہ کرنا چاہتے تھے۔ (۱)

۱۔ بخاری پر سندی کا حاشیہ ج ۱ ص ۳ (اسی بخاری کے حاشیہ پر)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور یہ توجیہ بہت ہی عجیب ہے ہم رسولؐ اللہ کو زندگی کے کسی بھی موڑ پر اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ایسا غلط طریقہ کار اختیار کرتے ہوئے نہیں دیکھتے آپؐ کی شان اس سے بلند ہے اور منزہ ہے کہ آپؐ حضرت خدیجہ (س) سے جھوٹ بولتے (معاذ اللہ) دوسری بات یہ ہے کہ یہ تاویل اس واقعے سے کس طرح سازگار ہو سکتی ہے کہ آپؐ اپنے آپ کو پہاڑ سے نیچے گرانا چاہتے تھے؟ اس طرح دوسرے مسائل جو وحی سے مربوط روایات میں بیان ہوئے ہیں؟

علاوہ ازیں یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کی صحیح تربیت کرنے سے پہلے اور اسے مستقبل کے بہت بڑے واقعے کا سامنا کرنے کے لئے، پہلے سے تیار اور آمادہ کئے بغیر، رسالت کے مقام پر فائز کر دے؟ کیا اللہ تعالیٰ نے اس امر کو اس طرح مہمل رکھا کہ آپ بعثت کے وقت ڈر گئے اور خیال کرنے لگے کہ آپ مجنون ہیں اور اپنے آپ کو پہاڑ کی بلندی سے نیچے گرانے کا سوچنے لگے؟ اور ایک پریشان حال اور غمگین بچے کی طرح ہوگئے جس کا دل غم و اندوہ سے بھر گیا ہو؟ اور ایسے فرد کے محتاج ہوگئے جو اسے دلاسہ دے کر پریشانی کو ختم کرے خواہ وہ ایک خاتون یا ایک معمولی شخص ہی کیوں نہ ہو؟ یہ سب چیزیں ارادے کی کمزوری اور بے شخصیتی کی علامتیں ہیں۔

ایک اور سوال یہ ہے کہ رسالتمآبؐ ان تمام کرامات کو کیوں یکسر بھول گئے؟ جو خداوند نے آپؐ کو عنایت کی تھیں مثال کے طور پر درخت اور پتھر کا آپؐ پر سلام کرنا، (۱) سچے خواب اور دوسرے امور جن کا مؤرخین نے ذکر کیا ہے۔

ب۔ قرآن میں ارشاد فرمایا: "و قال الذین کفروا لولانزل علیہ القرآن جملۃ واحدۃ کذلک لنثبت بہ فؤادک" (سورہ فرقان، آیت ۳۲) یعنی جو لوگ کافر ہوگئے انہوں نے کہا کیوں قرآن ایک مرتبہ نازل نہیں ہوا ہم نے ایسا کیا تاکہ تمہارے دل کو مستحکم کریں۔

۱۔ سیرۃ ابن ہشام ج۱ ص ۲۳۵-۲۳۴

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک اور مقام پر فرماتا ہے۔ "قل نزلہ روح القدس من ربک بالحق لیثبت الذین آمنوا و ھدی و بشری للمسلمین"۔ (سورہ نحل، آیت ۱۰۲) یعنی کہہ دو اسے روح القدس نے تمہارے پروردگار کی طرف حق کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ مومنین کو ثابت رکھے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور بشارت ہو۔

اور فرماتا ہے۔ "انی علی بینۃ من ربی"۔ (سورہ انعام، آیت ۵۷) یعنی میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں۔

نیز فرماتا ہے۔ "قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا و من اتبعنی"۔ (سورہ یوسف، آیت ۱۰۸) یعنی کہہ دو یہ میرا راستہ ہے کہ میں خدا کی طرف بلاتا ہوں، میں اور میری اتباع کرنے والے دونوں مضبوط دلیل پر ہیں۔

ان آیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ نبوت اور نزول قرآن مومنین کی ثابت قدمی کے لئے تھا اور اسی طرح رسول خداؐ کے دل کو مستحکم اور مطمئن کرنے کے لئے اور یہ بات ان لوگوں کے قول کے بالکل برخلاف ہے جنہوں نے کہا ہے کہ آنحضرتؐ کو ایک خاتون یا ایک عیسائی کی باتوں سے اطمینان قلب حاصل ہوا جبکہ روشن ہے کہ حضرت خدیجہ (س) یا ورقہ کی بات میں کوئی دلیل یا برہان ہی نہیں تھا۔ اس صورت میں کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی اکرمؐ یہ کہیں کہ یہ میرا راستہ ہے۔ میں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، میں اور میرے پیروکار صاحب بصیرت ہیں۔

۵۔ ورقہ، نسطور، عداس، بحیرا اور دیگران

یہاں پر ورقہ، نسطور، عداس، بحیرا اور دوسرے افراد (جن کے ناموں کا پہلے ذکر ہو چکا ہے) کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے، اس کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت ہے۔ روایات میں ورقہ کا ذکر آیا ہے اور اسی کی باتوں کو ہی محور قرار دیا گیا ہے خصوصاً بخاری کی روایت اور دوسرے غیر شیعہ مآخذ میں جو ان کے نزدیک موثق ہیں، میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

الف۔ نسطور اور بحیرا

یہ دو راہب ہیں جن سے آنحضرتؐ کے اپنے چچا حضرت ابو طالبؑ کے ساتھ بچپن میں شام اور بصریٰ کے سفر کے حوالے سے بعض باتیں منسوب کی گئی ہیں۔ مثلاً یہ کہ نسطور اور بحیرا نے نبی اکرمؐ کی نبوت کی بشارت دی اور آنحضرتؐ کو مکے واپس لے جانے کی تلقین کی۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

اگر بحیرا یا نسطور بصریٰ میں تھے اور یہ بصریٰ سرزمین شام میں صوبہ دمشق کے ایک ضلع حوران کا ایک قصبہ تھا تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ (س) نے مکہ سے شام تک کا یہ طویل سفر کیسے طے کیا؟ یا کب انہوں نے بحیرا کو خط لکھا جبکہ انہی کے بقول حضورؐ کی بعثت کے دوسرے دن ہی حضرت خدیجہ (س) اور حضرت علیؑ اسلام لے آئے تھے اور آپؐ کے ساتھ دونوں نے نماز پڑھی جبکہ وہ آپؐ کی نبوت پر ایمان رکھتے تھے؟ کیا اس زمانے میں ہوائی جہاز تھے یا خدیجہ (س) نے ہواؤں کے دوش پر سفر کیا یا وہ طی الارض کرتی تھیں؟ ہمیں سمجھ نہیں آتی۔ شاید وہ مکے کے قریب منتقل ہوگئے ہوں تاکہ جب حضرت خدیجہ (س) کو مشورہ کی ضرورت پڑے وہ آسانی کے ساتھ آکر ان کے ساتھ مشورت کر سکیں اور اس واقعے کے بعد ان کا کہیں بھی ذکر نہیں ملتا کیونکہ ان دونوں کا مشن پورا ہو چکا تھا۔

ب۔ عداس

کیا یہ وہی شخص نہیں ہے جس نے بعثت کے دس سال بعد حضرت ابو طالبؑ کی وفات کے بعد طائف میں نبی اکرمؐ کے دست مبارک پر کلمہ شہادت پڑھا تھا؟ اس کے قصے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پہلے رسولؐ اللہ کو نہیں پہچانتا تھا۔ اس کا قصہ آئندہ ہم بیان کریں

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

گے۔ روایات تصریح کرتی ہیں کہ عداس کا جواب وہی ورقہ والا جواب تھا۔ اسی طرح کہا گیا ہے کہ وہ بھی ورقہ کی طرح عمر رسیدہ راہب تھا اس کے ابرو اس کی آنکھوں پر آ پڑے تھے اور کانوں سے اونچا سنتا تھا وغیرہ۔ اور حضرت خدیجہ (س) نے جن دوسرے افراد سے سوالات کئے تھے وہ بھی انہی صفات کے حامل تھے البتہ بیچارے ورقہ کو بہرہ بتانے کے بجائے نابینا بیان کیا گیا ہے۔

آخر میں ایک اور سوال باقی ہے اور وہ یہ کہ ان مذکورہ افراد ورقہ، بحیرا اور نسطور کی آنحضرتؐ کی نبوت کی ابتداء میں ایمان لانے کی کوئی خبر ہی نہیں ہے یا یہ کہ انھوں نے آپؐ کی بعثت کو سمجھ لیا تھا اور مذکورہ روایات کی رو سے آنحضرتؐ نے اپنی نبوت کی سند ان سے ہی حاصل کی تھی؟

جیساکہ عداس والی روایت کہتی ہے کہ جب حضرت خدیجہ (س) عداس کے پاس سے واپس آئیں تو دیکھا کہ جبرئیلؑ سورہ قلم کو آپؐ کے لئے پڑھ رہے ہیں۔ حالانکہ یہ بات بھی مفسرین کی رائے کے خلاف ہے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب مشرکین نے رسول خداؐ پر دیوانگی اور جنون کا الزام لگایا تھا۔ (۱) بدیہی ہے کہ واقعہ خفیہ دعوت کے خاتمے اور رسالت کے آشکار ہونے پر پیش آیا تھا۔

ج۔ ورقہ

یہ لوگ نبی اعظم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی نبوت کے ثبوت میں ورقہ کو ایک موثر کردار کا حامل قرار دیتے ہیں علاوہ ازیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول خداؐ نے ورقہ کے بارے میں ایک ایسی بات کہی ہے جو اس کے جنت میں ہونے پر دلالت کرتی ہے لیکن خود آنحضرتؐ کے اس کلام کے بارے میں ان کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔

۱۔ الدر المنثور ج۶ ص ۲۵۰ اور سیرۃ حلبیۃ ج۱ ص ۲۴۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک روایت میں ہے کہ "لاتسبوا ورقة فانی رایت له جنة، او جنتین" یعنی ورقہ کو گالی نہ دو میں نے اس کے لئے ایک یا دو جنتوں کو دیکھا ہے۔ یا ایک اور روایت کے مطابق فرمایا "رایته فی ثیاب بیض" یعنی کہ میں نے اسے سفید لباس میں دیکھا ہے۔ ایک اور روایت کہتی ہے کہ "لقد رایت القس (یعنی ورقة) فی الجنة و علیه ثیاب الحریر" یعنی میں نے اس پادری (ورقہ) کو جنت میں ریشمی لباس میں دیکھا ہے۔ تیسری روایت کہتی ہے کہ "ابصرته فی بطنان الجنة و علیه ثیاب السندس" یعنی میں نے اسے بہشت کے درمیان میں دیکھا ہے اور اس نے عمدہ ریشمی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ چوتھی روایت یوں بیان کرتی ہے کہ "قد رایته علیه ثیاباً بیضاً و احسبه لو کان من اهل النار لم تکن علیه ثیاب بیض" (۱) یعنی میں نے اسے سفید لباس میں دیکھا ہے اور میں گمان کرتا ہوں کہ اگر وہ دوزخی ہوتا تو سفید لباس میں نہ ہوتا۔

ابن مندۃ نے اسے اصحاب میں سے شمار کیا ہے۔ زین عراقی نے اسے سب سے پہلا مسلمان ذکر کیا ہے اور بلقینی بھی اسی بات کی طرف مائل ہوا ہے۔ (۲)

وحی کے آغاز سے مربوط روایات جو مورد بحث ہیں میں گزر چکا ہے کہ اس نے پیغمبر اسلامؐ کی تصدیق کی اور آپؐ کو نبی قرار دیا۔ اور آپ کی مدد کرنے کا وعدہ بھی کیا لیکن موت نے

۱۔ ان مطالب کے حصول کیلئے ان مآخذ کی طرف رجوع کریں: مستدرک الحاکم ج ۲ ص ۶۰۹، ذھبی کی تلخیص مستدرک اسی صفحہ کے حاشیہ پر کہ دونوں نے مسلم اور بخاری کی شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے حدیث کو صحیح کہا ہے۔ سیرة مغلطای ص ۱۵ از حاکم، المصنف ج۵ ص ۳۲۳، مصعب الزبیری کی نسب قریش ص ۲۰۷، البدایة و النہایة ج۳ ص ۹ الروض الانف ج۱ ص ۲۷۵، سیرة حلبیة ج۱ ص ۲۵۰، اسدالغابة ج۵ ص ۸۹، الاصابة ج۳ ص ۶۳۵ وغیرہ۔

۲۔ شرح بہجة المحافل ج۱ ص ۴۷ اور ارشاد الساری ج۱ ص ۶۴

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسے مہلت نہ دی۔

یہ وہ باتیں ہیں جو اس کے متعلق کہی گئی ہیں۔ لیکن اس کے مقابلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ:

۱۔ ابن عساکر کہتا ہے کہ "میں کسی کو نہیں جانتا جو یہ کہتا ہو کہ وہ اسلام لے آیا تھا"۔ (۱)

۲۔ ابن جوزی بیان کرتا ہے کہ "وہ عہد جاہلیت میں مرنے والا آخری شخص تھا اور اسے "حجون" میں سپرد خاک کیا گیا پس وہ مسلمان نہیں تھا"۔ اسی طرح اس کے علاوہ دوسروں نے بھی یہی بات کہی ہے۔ (۲)

۳۔ ابن عباس کا بیان ہے کہ "وہ عیسائیت میں دنیا سے گیا"۔ (۳)

۴۔ اسے موت نصرانیت پر آئی حالانکہ وہ بعثت کے بعد چند سالوں تک زندہ رہا۔ اس صورت میں یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ بہشت میں داخل ہو؟ جو امور اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ آنحضرتؐ کی نبوت کے چند سال بعد تک زندہ رہا، ان میں سے ایک وہ ہے جسے معدود افراد نے نقل کیا ہے کہ جب حضرت بلالؓ کو اذیتیں دی جاتی تھیں تو اس کا وہاں سے گزر ہوتا تھا اس نے ایذاء دینے والوں کو اس کام سے منع کیا لیکن انھوں نے اس کی بات نہ مانی۔ اس وقت اس نے کہا خدا کی قسم اگر وہ اسے قتل کر دیں تو میں اس کی قبر پر گریہ و فریاد کروں گا۔ (۴) اور جیساکہ مشہور ہے کہ حضرت بلال کو ایذائیں پہنچانے کا واقعہ

۱۔ الاصابة ج۳ ص ۶۳۳

۲۔ الاصابة ج۳ ص ۶۳۳، دحلان کی سیرة نبویة ج۱ ص ۸۴-۸۳ اور سیرة حلبیة ج ۱ ص ۲۵۰

۳۔ سیرة حلبیة ج۱ ص ۲۵۰ اور الاصابة ج۳ ص ۶۳۳

۴۔ حلیة الاولیاء ج۱ ص ۱۴۸، مصعب نسب قریش ص ۲۰۸، ارشاد الساری ج۱ ص

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اعلانیہ دعوت کے بعد کا ہے۔

پس بعض افراد کا یہ کہنا کیسے درست ہوسکتا ہے کہ وہ رسالت سے پہلے اور نبوت کے بعد فوت ہوا ہے؟ (۱)

ہمیں معلوم ہے کہ بعثت کے دوسرے دن حضرت علیؑ اور حضرت خدیجہ (س) مسلمان ہو جاتے ہیں اور آنحضرتؐ کی دعوت پر ان کے ہمراہ نماز قائم کرتے ہیں۔ پھر ورقہ کیوں چند برس تک اپنی عیسائیت پر باقی رہا۔

علاوہ ازیں بعض افراد نے بخاری اور دوسروں کی روایت سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ آنحضرتؐ پر سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت "سورہ مدثر" تھی انھوں نے "قم فانذر" کے جملے سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ بعثت اور نبوت دونوں ایک ساتھ تھیں۔ (۲)

۵۔ کتاب "الامتاع" اور دوسری کتب میں مذکور ہے کہ ورقہ بعثت کے چوتھے سال یا پے درپے وحی آنے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہوا۔ (۳)

۶۔ واقدی سے منقول ہے کہ وہ قتال و جنگ کا حکم آنے کے بعد فوت ہوا۔ (۴)

ص ۶۷، فتح الباری ج۱ ص ۲۶ کہ ابن اسحاق سے نقل کیا ہے اور ج۸ ص ۵۵۴، دحلان کی سیرۃ نبویۃ ج۱ ص ۸۴ اور ۱۳۵، سیرۃ حلبیۃ ج۱ ص ۲۵۲، الاصابۃ ج۳ ص ۶۳۳ اور رجوع کریں ابن اثیر کی نہایۃ ج۱ ص ۲۶۶، ابن کثیر کی سیرۃ نبوی ج۱ ص ۸۴ وغیرہ۔

۱۔ سیرۃ نبویہ دحلان کی ج۱ ص ۸۴ وغیرہ

۲۔ سیرۃ حلبیۃ ج۱ ص ۲۵۱

۳۔ سیرۃ حلبیۃ ج۱ ص ۲۵۰ اور ۲۵۲ از کتاب الخمیس از صحیحین (مسلم و بخاری)، دحلان کی سیرۃ نبویۃ ج۱ ص ۸۴

۴۔ ارشاد الساری ج۱ ص ۶۷

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور یہ حکم ہجرت کے بعد آیا تھا۔

ان باتوں کی بنیاد پر ورقہ کیسے جنت میں جا سکتا ہے یا اعلیٰ ریشم کے لباس میں ملبوس ہو سکتا ہے؟ وہ کیسے بہشت میں جا سکتا ہے جبکہ دین اور اسلام کے حامی حضرت ابوطالبؑ دوزخ کے حوض آتش میں ہوں؟

ان سب باتوں کے علاوہ ہمیں رسولؐ اللہ کا تردد سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ نے اسے ایک جنت میں دیکھا تھا یا دو جنتوں میں، اور آپؐ نے یہ کیوں فرمایا کہ "میرا خیال ہے کہ اگر وہ اہل دوزخ ہوتا تو سفید لباس میں نہ ہوتا" یعنی آپؐ نے یہ فراموش کر دیا تھا کہ پہلے خود ہی فرمایا تھا کہ اسے ریشمی لباس میں ملبوس بہشت میں دیکھا ہے یا یہ کہ آپؐ کی ورقہ کے بارے میں معرفت میں کمال پیدا ہوگیا تھا یا ورقہ نے زیادہ مقام تقرب پا لیا تھا؟

آخری بات یہ ہے کہ اس کے حق میں اپنے اقوال کی موجودگی کے باوجود کسی مسلمان نے کیوں یہ دعویٰ نہیں کیا کہ وہ سب سے پہلا مسلمان تھا نہ حضرت علیؑ اور حضرت خدیجہ (س) اور نہ کسی اور؟ اور کیوں اسے اصحاب میں سے شمار نہیں کیا؟

وہ کیسے کہتے ہیں کہ وہ عیسائیت کی حالت میں فوت ہوا اگر یہ درست ہو تو پھر کیسے وہ عیسائی جنت میں داخل ہوگیا؟

یہ چند جواب طلب سوالات تھے لیکن ان کا جواب کہاں ہے؟

jabir.abbas@yahoo.com

دیگر اعتراضات

گذشتہ سوالات، روایات کے اوپر وارد ہونے والے کثیر اعتراضات میں سے مشتے از خروارے کے طور پر بعض نمونے تھے اس بارے میں اور بہت سے سوالات ہیں جو جواب کے طالب ہیں۔

مثال کے طور پر یہ کہ جب حضرت خدیجہ (س) نے اپنا دوپٹہ اتارا اور آنحضرتؐ کو اپنی قمیص کے نیچے بدن کے ساتھ کر لیا تو فرشتہ چلا گیا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس زمانے میں پردہ کرنا خواتین پر واجب تھا حالانکہ وہ تو ان کے قول کے مطابق ہجرت کے بعد اور حضرت خدیجہ (س) کی وفات کے بعد مدینے میں واجب ہوا تھا۔ اس صورت میں حضرت خدیجہ (س) نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ اگر انہوں نے سر برہنہ کیا تو فرشتہ چلا جائے گا؟

اور کیا فرشتہ کا خواتین کی طرف نگاہ ڈالنا ممنوع ہے؟ کیا اس کے اندر بھی انسان کی طرح قوہ شہویہ موجود ہے؟ جس کی وجہ سے اسے بھی نا محرم کی طرف نظر ڈالنے سے گریز کرنا پڑے؟ اور یہ کہ حضرت خدیجہ (س) کو یہ باتیں کہاں سے معلوم ہوئیں؟

ایک اور سوال یہ ہے کہ بعض روایات کے مطابق فرشتے نے آنحضرتؐ کو خبر دی کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو کچھ آپؐ دیکھ رہے ہیں یہ شعر یا جنون نہیں ہے پس اس کے باوجود آپؐ کیوں پریشان رہے؟ اور کیوں خدیجہ اور ورقہ کے دلاسے کی ضرورت پڑی؟ اس طرح کے اور بھی بہت سے سوالات ہیں جن کا ان کے پاس کوئی مفید اور قانع کرنے والا جواب نہیں ہے۔

نبوت پر ایک اور ضرب

موضوع بحث کی مناسبت سے یہ بھی بیان کرتے چلیں کہ آنحضرتؐ کے بارے میں کہی گئی گذشتہ تمام باتیں گویا کافی نہ تھیں لہذا انہوں نے یہ بھی اضافہ کیا کہ نبی اکرمؐ کا شیاطین جن میں ایک دشمن تھا جس کا نام "ابیض" تھا اور وہ آنحضرت کے سامنے جبرئیلؑ کی شکل میں ظاہر ہوا کرتا تھا اور شاید یہ وہی شیطان تھا جس کے خلاف اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی مدد کی اور آخرکار وہ مسلمان ہوگیا جیسا کہ یہ کہتے ہیں۔ (۱) یہ بھی کہا گیا کہ آپ کا یہ

۱۔ سیرۃ حلبیۃ ج۱ ص ۲۵۴ اور رجوع کریں احیاء علوم الدین ج۳ ص ۱۶۱ اس کے حاشیے میں مسلم سے نقل کرتا ہے۔ الغدیر ج۱۱ ص ۹۱ وہ مسلم سے نقل

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

شیطان جو اسلام لے آیا تھا وہ آپ کی رگوں میں خون کی طرح سرایت کر چکا تھا۔ (۱) نبی اکرم ہمیشہ خداوند سے دعا کرتے تھے کہ وہ اس شیطان کو آپ سے دور کرے پھر جب وہ مسلمان ہوگیا تو پھر آپ نے وہ دعا ترک کر دی۔ (۲)

اسی طرح یہ بھی روایت کرتے ہیں کہ آپ نے صبح کی نماز لوگوں کے ساتھ پڑھی اور اپنے ہاتھوں سے اپنے سامنے سے کوئی چیز ہٹانے لگے کیونکہ شیطان آپ کے سامنے آگ پھینک رہا تھا تاکہ آپ کو نماز سے روکے۔ (۳)

ہمیں اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ یہ سب کچھ دشمنان دین کا کیا دھرا ہے ان کا ہدف یہ تھا کہ اس طرح دین اور نبوت کے اندر شکوک و شبہات کا دروازہ کھول دیں۔ بعض مسلمانوں نے تو ان چیزوں کو خلوص نیت، اور پاکیزہ انداز سے تدبر اور تامل کئے بغیر قبول بھی کر لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے درگذر فرمائے۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اس واقعے کے مقابلے میں یہ لوگ آنحضرت سے حضرت عمر کے بارے میں ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: "مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے شیطان نے تمہیں کسی وادی سے گزرتے نہ دیکھا مگر یہ کہ وہ اس وادی کو چھوڑ کر دوسری وادی میں چلا گیا"۔ (۴) نیز آپ نے فرمایا:

کرتے ہیں، المواہب اللدنیہ ج۱ ص ۲۰۲ مشکل الآثار ج۱ ص ۳۰، حیات الصحابۃ ج۲ ص ۶۱۲ وہ مسلم و مشکاۃ کے ص ۲۸۰ سے نقل کرتے ہیں۔

۱ و ۲۔ مشکل الآثار ج۱ ص ۳۰

۳۔ المصنف ج۲ ص ۲۳ اور بخاری مطبوعہ ۱۳۰۹ ج۱ ص ۱۳۶ اور ج۲ ص ۱۴۳ کی طرف رجوع کریں۔

۴۔ صحیح مسلم ج۷ ص ۱۱۵، بخاری مطبوعہ ۱۳۰۹ ج۲ ص ۱۴۳ اور ۱۸۸، مسند احمد ج۱ ص ۱۷۱، ۱۸۱ اور ۱۸۷۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

"ان الشیطان لیخاف منک یا عمر" (۱) یعنی اے عمر شیطان تم سے ڈرتا ہے اور اسی طرح آپ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ "عمر کے اسلام لانے کے بعد شیطان ان کے سامنے نہیں آیا مگر یہ کہ وہ اوندھے منہ زمین پر گرا"۔ (۲) مجاہد سے اس بارے میں نقل ہوا ہے کہ ہم سنتے تھے اور روایت بیان کرتے تھے کہ حضرت عمر کے دور خلافت میں شیاطین جکڑے ہوئے تھے جب وہ قتل ہوئے تو وہ بکھر گئے۔ (۳)

اور یہ کہ حضرت عمر نے کئی دفعہ شیطان سے کشتی لڑی اور ہر بار اسے زمین پر گرایا۔ (۴)

یہ تھے حضرت عمر اور یہ تھی ان کے مقابلے میں شیطان کی حالت۔ اور وہ تھی ان کے نزدیک اسلام کے عظیم پیغمبرؐ اور شیطان کے مقابلے میں آپ کی حالت ان کے ہاں ایسی بیہودہ باتیں کرنے والوں کی اہمیت ہے وہ اپنی سادگی کی بنا پر ایسی باتوں کو اسلام کے دشمنوں اور دین کے تاجروں سے قبول کر لیتے ہیں البتہ ان کا یہ عمل سادگی کی بجائے ان کی نادانی سے زیادہ قریب ہے۔ شاید ان میں سے بعض افراد کا مقصد یہ ہو کہ وہ حضرت ابوبکر جو تخت خلافت پر بیٹھنے کے بعد کہتے ہیں "کہ ان کے لئے ایک شیطان ہے جو اس پر عارض ہوتا

۱۔ صحیح الترمذی کتاب ۴۶ باب ۱۷ اور فیض القدیر از ترمذی و احمد و ابن حبان سے نقل کیا ہے۔

۲۔ فیض القدیر ج۲ ص ۳۵۲ از طبرانی' ابن مندہ و ابونعیم' الاصابۃ ج۴ ص ۳۲۶ مذکورہ افراد سے

۳۔ منتخب کنز العمال حاشیہ مسند احمد ج۴ ص ۳۸۶-۳۸۵ ابن عساکر سے نقل کیا ہے' حیات الصحابہ ج۳ ص ۶۳۷ المنتخب سے نقل کیا ہے۔

۴۔ حیات الصحابۃ ج۳ ص ۶۳۶ از مجمع الزوائد (ج۷ ص ۷۱) طبرانی سے نقل کیا ہے۔ بعض نے ان کے کچھ طرق کی تصحیح کی ہے نیز ابونعیم سے "الاوائل" کے ص ۱۳۱ سے نقل کیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہے" کوئی مثال پیدا کریں لیکن ایسی مثال جو اس کا ہم پلہ نہ ہو چنانچہ اس کام کے لئے اسلام کے عظیم پیغمبرؐ کا انتخاب کیا گیا اور آپ کو اس کا نظیر ٹھہرایا گیا۔ پس "انا للہ و انا الیہ راجعون"۔ (عرب اس جملے کو بہت بڑی مصیبت کے وقت اور تسلی کی خاطر کہتے ہیں)۔

آغاز وحی کی حقیقی صورت حال

جس چیز پر ہمیں اطمینان ہے وہ یہ ہے کہ جب نبی اکرمؐ غار حرا میں تھے تو آپؐ پر وحی نازل ہوئی۔ اللہ تعالی کی اس عزت افزائی اور اکرام پر آپؐ خوش و خرم اور مسرور حالت میں اپنے اہل خانہ کے پاس واپس آئے۔ آپ اپنے دوش پر آنے والی بھاری اور عظیم ذمہ داری سے مطمئن تھے جیساکہ ابن اسحاق نے نقل کیا ہے اور اسی طرح مذکورہ روایات میں سے آخری روایت، اگرچہ غلط کلمات کا بھی اس میں اضافہ کیا گیا ہے، بھی اسی مطلب پر دلالت کرتی ہے۔ آپؐ کے گھر والے بھی آپؐ کی خوشی میں شریک ہوگئے اور آپؐ پر ایمان لے آئے اور یہی مطلب اہلبیتؑ سے نقل ہوا ہے۔

زرارہ نے حضرت امام صادقؑ سے سوال کیا کہ جو کچھ خدا کی طرف سے پہنچا اس کے بارے میں رسولؐ اللہ کو یہ خوف لاحق کیوں نہ ہوا کہ شاید وہ شیطانی وسوسوں کا شاخسانہ نہ ہو؟ آپؑ نے جواب دیا۔ "ان اللہ اتخذ عبداً رسولاً انزل علیہ السکینۃ و الوقار فکان الذی یاتیہ من قبل اللہ مثل الذی یراہ بعینہ"۔ (۱) یعنی بے شک اللہ تعالی نے اپنے ایک بندے کو بطور رسول منتخب کیا اور اس پر وقار اور سکون نازل کیا اور جو کچھ خداوند کی طرف سے ان تک پہنچا وہ ان کے لئے ایسے تھا جیسے خود انھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو۔

اسی طرح امامؑ سے کسی اور نے پوچھا کہ انبیاء کس طرح سمجھتے تھے کہ وہ رسول ہیں؟

۱۔ التمہید فی علوم القرآن ج۱ ص ۴۹ از عیاشی (ج۲ ص ۲۰۱)، بحارالانوار ج۸ ص ۲۶۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

انھوں نے فرمایا: "کشف عنہم الغطاء"۔ (۱) یعنی اللہ ان کی آنکھوں کے سامنے سے پردے ہٹا دیتا ہے اور وہ حقائق تک پہنچ جاتے ہیں۔

علامہ طبرسی کہتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ اپنے رسول پر وحی نہیں بھیجتا مگر روشن اور واضح دلائل و براہین کے ساتھ جو اس بات پر دلالت کریں کہ جو کچھ اس کی طرف وحی کی گئی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اسے پھر کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوتی وہ دوسروں سے نہیں ڈرتا اور پریشانی و اضطراب میں مبتلا نہیں ہوتا"۔ (۲)

عیاض کہتے ہیں کہ "یہ بات درست نہیں ہے کہ شیطان فرشتے کی شکل میں آپؐ پر ظاہر ہو اور مسئلے کو آپؐ پر مشتبہ بنا دے ایسا نہ ابتدائے رسالت میں ہو سکتا ہے نہ بعد میں اور اس بات کی دلیل خود آپؐ کا معجزہ ہے۔ بلکہ پیغمبر اکرمؐ نے کبھی بھی وحی لانے والے فرشتے کے بارے میں شک نہیں کیا کہ کیا وہ حقیقی بھیجا جانے والا اور خدا کی طرف سے ہے یا کوئی اور۔ اور یہ امر یا تو اس بدیہی علم کے ذریعے ممکن ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے لئے خلق کیا یا پھر واضح اور بیّن دلیل کے طریقے سے جو اس نے آپؐ کے سامنے ظاہر کی ہو۔ تاکہ خدا کا صداقت اور عدالت پر مبنی کلام اتمام کو پہنچے۔ "لامبدل لکلمات اللہ" یعنی خدا کے کلمات میں کوئی رد و بدل نہیں کر سکتا۔ (۳)

جھوٹ اور بناوٹی باتیں کیوں؟

گزشتہ باتوں کی روشنی میں ہمارے نظریے کے مطابق ان تمام جھوٹی اور جعلی باتوں کی

۱۔ التمہید ج۱ ص ۵۰ اور بحارالانوار ج۱۱ ص ۵۶

۲۔ مجمع البیان ج۱۰ ص ۳۸۳ اور التمہید ج۱ ص ۵۰ اس نے مجمع البیان سے نقل کیا ہے۔

۳۔ التمہید ج۱ ص ۵۰ نے رسالۃ الشفاء ص ۱۱۲ سے نقل کیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اہم ترین وجوہات یہ ہیں۔

۱۔ مسئلہ وحی ان اہم ترین امور میں سے ہے جن پر دین کے حقائق اور اس کی تعلیمات پر اعتقاد کا انحصار ہے۔ وحی انسان کو احکام شریعت، روش زندگی، اعتقادات، غیبی اخبار اور زندگی کے بارے میں انبیاء اور رسل اور آئمہ و اوصیاءؑ پر اعتقاد کی ضرورت کو تسلیم کرنے پر راضی کرنے کے لئے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی طرح انسان کو اس رسول کی عصمت، اس کے تمام اقوال و کردار اور رفتار و سلوک کی درستی کا قائل بنانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

بنابرایں جب خود آنحضرتؐ وحی میں شک کریں کیونکہ (نعوذ باللہ) آپؐ عینی مشاہدے کے باوجود فرشتے اور شیطان یا وسوسے اور حقیقت میں فرق نہ کر سکے۔ تو دوسرے افراد بدرجہ اولی اس میں شک کر سکتے ہیں اور اس پر عدم اعتقاد کا اظہار کر سکتے ہیں کیونکہ وہ اپنے حواس خمسہ کے ذریعے اس بارے میں کوئی اطلاع پیدا نہیں کر سکتے۔

حجۃ الاسلام بلاغی نے بعض اہل کتاب سے نقل کیا ہے کہ ان میں سے بعض افراد نے مسلمانوں کو اس بات پر کہ "شیطان محمد کا ساتھی ہے" سخت تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور اس بات کے ثبوت کے لئے انہوں نے بعض مفسرین کے اس قول کو بطور دلیل پیش کیا ہے کہ ایک جن شیطان، رسولؐ اللہ کا دشمن تھا اور وہ جبرئیل کی شکل میں آپؐ پر ظاہر ہوتا تھا اور اس کا نام ابیض تھا۔ (۱)

ان تمام باتوں کے بعد ہم اسلام کے عظیم الشان پیغمبرؐ کے اپنے پروردگار کے ساتھ رابطہ اور اتصال میں شکوک و شبہات ایجاد کرنے میں دشمنان اسلام کی مسلسل کوششوں کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں۔ آغاز وحی کے واقعات کی مناسبت سے جو کچھ بھی جعل کیا

۱۔ الہدیٰ الی دین المصطفیٰ ج۱ ص ۱۶۹ از کتاب "الہدایہ فی الرد علی اظہار الحق" سے نقل کیا ہے اور السیف الحمیدی ج ۳ ص ۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

جا سکتا تھا انھوں نے کیا اور جھوٹ و افتراء کثرت کے ساتھ آپؐ سے منسوب کئے گئے۔ اسی طرح ان واقعات میں جہاں بس چلا وہاں تحریف کر دی یا ان واقعات اور کرداروں کو اپنی غلط اور فاسد خواہشات و اہداف کے مطابق بنا کر پیش کیا کیونکہ یہ وقایع اس زمانے سے مربوط ہیں جس میں ان پر دسترسی پیدا کرنا بہت بعید تھا اور جب اس میں وہ ناکام ہوگئے تو انھوں نے اس قسم کی باتوں کا سہارا لیا کہ پیغمبر اکرمؐ کی تمام کامیابیوں کا سبب آپؐ کی اعلیٰ صلاحیتیں، نبوغ، گہری سوچ و فکر، مختلف زبانوں سے استفادہ کرنے کی استعداد اور وقت سے فائدہ اٹھانے کی مہارت وغیرہ تھیں نہ کہ آپؐ کا، خالق حقیقی تبارک و تعالیٰ سے ارتباط اور اتصال۔

اس بنیاد پر ہم نبی اکرمؐ کی ذات اقدس سے بعثت کے وقت ان غیر معقول واقعات کو منسوب کرنے میں اہل کتاب کو مورد الزام ٹھہرا سکتے ہیں۔ کم از کم ہم یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے دوسروں کو ایسی فضولیات بکنے کی تشویق اور تحریک دلائی ہے۔

۲۔ ان جعلی اور بناوٹی باتوں سے یہ تعبیر اخذ ہوتا ہے کہ گویا ہمارے پیارے نبیؐ اپنی نبوت کے اثبات اور اپنی وحی کی تصدیق کے لئے اہل کتاب کے مرہون منت ہوں اور ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ایسے امور میں جن کی پہچان ان کے بغیر نا ممکن ہے ان کے علم کی وسعت اور معلومات میں قابلیت کا اعتراف کرے۔ یہ کردار ورقہ، عداس، بحیرا، ناسخ اور نسطور کے لئے تراشا گیا جو سب کے سب اہل کتاب تھے۔

۳۔ ہمارے لئے یہ بات نا قابل فہم ہے کہ کیوں کر صرف ہمارے پیغمبرؐ ان مشکلات اور مصائب میں مبتلا ہوئے اور جبرئیلؑ کے برے سلوک سے دوچار ہوئے؟ یہاں تک کہ بعض لوگوں نے تصریح کی ہے کہ ایسے حالات گذشتہ انبیاء میں سے آغاز وحی کے وقت کسی ایک کے ساتھ بھی پیش نہیں آئے تھے اسی لئے اس مسئلے کا شمار پیغمبر اکرمؐ سے مختص امور میں ہوتا ہے۔ (۱)

لیکن جب ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ کئی نا معقول امور اہل کتاب کی جانب سے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعض مسلمانوں میں سرایت کر گئے ہیں یہاں تک کہ ان کی تاریخ، فقہ اور عقائد کا حصہ بن گئے ہیں تو یہ مشکل حل ہو جاتی ہے۔

لہذا اب کوئی عجیب محسوس نہیں ہوگا اگر ہم اس قصے کے مشابہ امور کو عہدین یعنی تورات اور انجیل میں بھی مشاہدہ کریں۔ ان دو کتابوں میں آیا ہے کہ دانیال ڈر گئے اور زمین پر گر پڑے، زکریا پریشان ہوگئے اور ان پر خوف طاری ہوگیا، یوحنا خواب میں مردے کی طرح ہوگیا، عیسیٰ کا چہرہ متغیر ہوگیا، پطرس بیہوش اور گم سم ہوگیا اور اسی طرح کے واقعات حضرت یعقوبؑ اور حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ پیش آئے۔ (۲)

لیکن اس سے ہماری یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ ہم پیغمبرؐ پر وحی کی سنگینی کا انکار کریں جو کہ ایک جداگانہ موضوع ہے (۳) بلکہ ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم آنحضرتؐ کے ڈر اور خوف، پریشانی اور اضطراب کو قبول نہیں کرتے اور ان کے پہاڑ سے نیچے چھلانگ لگانے کے ارادے، یا اپنی دیوانگی سے پریشانی یا سابقہ روایات میں حضرت جبرئیلؑ کے حوالے سے مروی باتوں کے منکر ہیں۔ ظاہری طور پر بھی سامنے آتا ہے کہ یہ سب باتیں اہل کتاب کی طرف سے متقی محدثین یا دوسرے الفاظ میں بے وقوف افراد میں سرایت کر گئی ہیں جیساکہ اس

۱۔ بہجة المحافل ج۱ ص ۶۲، فتح الباری ج۸ ص ۵۵۲، ارشاد الساری ج۱ ص ۶۳ اور سیرة حلبیة ج۱ ص ۲۴۲

۲۔ ان مطالب کے لئے بلاغی کی کتاب "الهدی الی دین المصطفیٰ" ج۱ ص ۱۴ کی طرف رجوع کریں۔

۳۔ ارشاد الٰہی ہے "انا سنلقی علیک قولاً ثقیلا" محقق سید مہدی روحانی کے مطابق اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو حق کی دعوت دینا اور انہیں اپنی عادات و اطوار کو ترک کرنے کے لئے کہنا تاکہ ان کا تزکیہ کیا جائے، سنگین ترین اور دشوار ترین امور میں سے ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

طرح کے دوسرے موارد میں دلائل کی روشنی سے ایک محقق اور نقاد شخص پر یہ امر واضح ہو جاتا ہے۔

ب۔ آپ عہدین (تورات و انجیل) میں دیکھ سکتے ہیں کہ شیطان نے انبیاء اور غیر انبیاء حتیٰ ان کے عقیدہ کے مطابق خدا کے بیٹے پر بھی تصرف کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ روح (فرشتہ) حضرت مسیح کو چالیس دن تک صحراء لے گیا تاکہ شیطان کی طرف سے اس کا امتحان لے اور اس کی آزمائش کرے۔ اس وقت شیطان حضرت مسیح کو پہاڑ کی بلندی پر لے گیا، تمام آباد ممالک کو ایک لحظے میں انہیں دکھایا اور کہا: کہ تم مجھے سجدہ کرو میں یہ تمام سلطنت تمہیں عطا کروں گا ... الخ۔ (۱)

ایک اور مقام پر مذکور ہے کہ جب ابلیس نے تمام امتحانات حضرت مسیح سے لے لئے تو اس وقت کچھ مدت کے لئے وہ ان سے جدا ہوگیا۔ (۲)

پولس الرسول کہتا ہے کہ میرے بارے میں کثیر اطلاعات کی وجہ سے اپنے آپ کو تکبر سے بچانے کے لئے میں نے ایک کانٹا اپنے جسم میں چبھو دیا تاکہ اس کے ذریعہ شیطان مجھے نقصان نہ پہنچائے کیونکہ میں اوپر نہیں جانا چاہتا تھا اس لئے میں نے تین بار بارگاہ الٰہی میں تضرع و زاری کی تاکہ وہ میری جان چھوڑ دے۔ (۳)

ایک اور جگہ پر کہتے ہیں کہ اسی لئے ہم نے ارادہ کیا کہ میں خود اور پولس ایک مرتبہ یا دو مرتبہ آئیں لیکن شیطان آڑے آگیا۔ (۴)

۱۔ انجیل متی الاصحاح ۴، فقرۃ ۱۳-۳ اور الہدیٰ الی دین المصطفیٰ ج۱ ص ۱۷۰ کہ جس نے انجیل سے نقل کیا ہے۔

۲۔ الہدیٰ الی دین المصطفیٰ ج۱ ص ۱۷۱ از انجیل لوقا ۱۳

۳۔ کورنتوش دوم فصل ۱۲، بند ۹-۷

۴۔ تسالونیک اول فصل۲ بند۱۸ اور الہدیٰ الی دین المصطفیٰ ج۱ ص ۱۷۲ کہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسی طرح انجیل بیان کرتی ہے کہ حضرت مسیح نے پطرس کو شیطان سے تعبیر کیا ہے۔ (۱) اور اس طرح کے دیگر مطالب کے ذکر کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اس حوالے سے کتاب "الهدیٰ الی دین المصطفیٰ" (ج۱ ص ۱۴۳-۱۶۹) کیطرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

۵۔ ان سب باتوں سے ہٹ کر کوئی بعید نہیں ہے کہ ان فضولیات اور بکواسات کو جعل کرنے میں ان کا مقصد نبی اعظمؐ کی عزت و کرامت کی اہمیت میں کمی کرنا اور لوگوں کے دلوں میں ان کے بلند و بالا مقام و منزلت پر لطمہ وارد کرنا ہو اور وہ یہ بتانا چاہتے ہوں کہ آپؐ بھی ایک معمولی انسان تھے۔ اس بات کی بہترین دلیل آپ کو سادہ ترین افراد کا نیاز مند ظاہر کرنا ہے۔ یہاں تک کہ وہ عورتیں ہی کیوں نہ ہوں جو آپؐ کو حق و ہدایت کی طرف راہنمائی کریں۔ واضح سی بات ہے کہ یہ امر آپؐ کی کم عقلی کی نشاندہی کرتا ہے کیونکہ آپؐ کو اپنی راہنمائی کے لئے جیسے ایسے افراد کی ضرورت پڑتی ہے جو آپؐ سے بہتر سوچتے ہیں اور آپؐ سے بہتر کام انجام دیتے ہیں۔

ہم نے کتاب کے مقدمے میں بعض ایسے ممکنہ مسائل کی طرف اشارہ کیا اور وہاں پر کہا ہے کہ ظاہری طور پر یہ سب کچھ ان سیاستدانوں کی کارستانی ہے جو بنی ہاشم کو مغلوب کر کے میدان سے خارج کرنا چاہتے تھے جیساکہ معاویہ نے پیغمبر گرامی اسلامؐ کے نام کو محو کرنے کے لئے قسم کھائی تھی اور اس طرح دیگر اموی حضرات اور ان کے مددگار و انصار۔

اسی طرح عبداللہ بن زبیر جیسے افراد جس نے ایک عرصے تک آنحضرتؐ پر صلوات و درود بھیجنے کو ممنوع قرار دے دیا تھا اس بہانے کہ آپؐ کے خاندان والے برے ہیں جب آپؐ کا نام آتا ہے تو وہ غرور کرنے لگتے ہیں۔ (۲)

جس نے انجیل متی الاصحاح سے نقل کیا ہے۔

۱۔ انجیل متی فصل۱۶ بند۲۳ اور الهدیٰ الی دین المصطفیٰ ج۱ ص ۱۴۱

۲۔ اس کے مآخذ کا ذکر حلف الفضول کے بحث میں گذر چکا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۶۔ زبیریوں کا امویوں سے مقابلہ تھا اور ادھر وہ بنی ہاشم کے عزت و شرف کو دیکھ کر ان سے دشمنی اور حسد کرتے تھے۔

اس وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ ورقہ کے واقعے میں اہم ترین راوی زبیری ہیں یا ان کے چیلے چانٹے ہیں مثلاً عروۃ بن زبیر جسے معاویہ نے حضرت علیؑ کے بارے میں گھٹیا اور غلط احادیث گھڑنے کے لئے خرید رکھا تھا۔ اور اسماعیل بن حکیم، خاندان زبیر کا غلام ہے۔ اسی طرح وھب بن کیسان کو دیکھیں۔ خود ام المومنین حضرت عائشہ، عبداللہ بن زبیر کی خالہ تھیں۔ دوسری طرف ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت خدیجہ بنت خویلد بن اسد، ورقہ بن نوفل بن اسد اور زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد کی آپس میں گہری رشتہ داری ہے اور ان کا خاندانی تعلق واضح ہے۔ جب ہم ان تمام شواہد کا ملاحظہ کرتے ہیں تو ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر بن عوام بن خویلد بن اسد کے رشتہ داروں اور بزرگوں کا اور مجموعی طور پر تمام زبیریوں کا تحریک اسلام کے آغاز میں کلیدی کردار ہونا چاہیے تھا کیونکہ اگر وہ نہ ہوتے تو پیغمبرؐ خود کشی کر لیتے یا کم از کم اپنی نبوت کو کشف نہ کر سکتے۔

جب زبیریوں کے ایسے روشن کارنامے ہوں اور ان کی تاریخ یوں درخشندہ ہو اس وقت امویوں کو حضرت عثمان کی خلافت پر فخر نہیں کرنا چاہیے اور اسی طرح بنی ہاشم کو حضرت ابوطالبؑ کے کردار اور ان کے بیٹے حضرت علیؑ کی اسلام کے لئے خدمات پر ناز نہیں کرنا چاہیے۔

پس اس صورت حال کے پیش نظر انہیں دعا کرنا چاہیے تھا کہ ورقہ نصرانی تھا اور انجیل کو زبان عبرانی میں خوب لکھتا تھا ... اور آخر تک وہ باتیں جو اس کے بارے میں کہی گئی ہیں، کہنی چاہیے تھیں۔

نتیجہ

حاصل کلام یہ ہے کہ بنی امیہ نے اس قسم کے خود ساختہ فسانوں اور من گھڑت واقعات سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اپنے بڑے بڑے اہداف کو پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے اسی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

طرح زبیریوں نے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ البتہ اس سے اہل کتاب نے بھی اپنا مخصوص حصہ حاصل کیا۔ ان چیزوں سے ان سب کے اغراض و مقاصد پورے ہوتے تھے چنانچہ وہ ان اہداف کی تکمیل کے لئے اکٹھے ہوگئے۔ پس ان میں سے ہر ایک اپنا اپنا مفاد حاصل کرنے کی جدوجہد کیوں نہ کرتا؟ اور وہ اس قسم کی فضولیات اور بے بنیاد باتوں کی حوصلہ افزائی کیوں نہ کرتے؟

اللہ تعالیٰ ہمیں قول و فعل کی لغزشوں سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دوسری فصل

خفیہ دعوتِ اسلام

jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پہلا مسلمان

سب سے پہلے جس نے اسلام قبول کیا، اور رسولؐ اللہ کی تصدیق و نصرت اور پیروی کی وہ امیر المومنین، امام المتقین علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے۔ اللہ کا سلام و درود ہو ان پر اور ان کی صلب سے آنے والے معصوم اماموں پر۔

حضرت امیر المومنین علیؑ کے سب سے پہلے مسلمان ہونے پر علامہ امینیؒ نے اپنی عالی قدر کتاب الغدیر (جلد ۳ صفحہ ۲۲۴ سے ۲۳۶ تک) میں کئی بڑے بڑے اصحاب، تابعین اور دوسرے بزرگان کے اقوال نقل کئے ہیں اور دسیوں غیر شیعہ مآخذ کا ذکر کیا ہے جو سب اس بات کو واضح اور اس کی تائید کرتے ہیں کہ امیر المومنین علیؑ ہی اولین مسلمان تھے۔ یہاں پر ہم ان میں سے کچھ راویوں کے نام ذکر کرتے ہیں:

۱) خود حضرت علی علیہ السلام
۲) امام حسن علیہ السلام
۳) امام باقر علیہ السلام
۴) عمر بن خطاب
۵) سلمان فارسی
۶) انس بن مالک
۷) ابن عباس
۸) ابوذر غفاری
۹) مقداد بن عمرو
۱۰) خباب بن ارت
۱۱) جابر بن عبداللہ انصاری
۱۲) ابو سعید خدری
۱۳) حذیفہ بن یمان
۱۴) عبداللہ بن مسعود
۱۵) ابو ایوب انصاری
۱۶) خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۷) عمرو بن عاص

۱۸) سعد بن ابی وقاص

۱۹) زید بن ارقم

۲۰) محمد بن ابی بکر

۲۱) جریر بن عبداللہ بجلی

۲۲) بریدہ اسلمی

۲۳) عفیف کندی

۲۴) ابو رافع

۲۵) ابو مرازم

۲۶) ہاشم مرقال

۲۷) عبداللہ بن حجل

۲۸) ابو عمرہ بشیر بن محصن

۲۹) عبداللہ بن خباب بن الارت

۳۰) عبداللہ بن بریدہ

۳۱) مالک اشتر

۳۲) عدی بن حاتم

۳۳) محمد بن حنفیہ

۳۴) طارق بن شہاب احمسی

۳۵) عبداللہ بن ہاشم مرقال

۳۶) عمرو بن حمق

۳۷) سعید بن قیس ہمدانی

۳۸) عبداللہ بن ابو سفیان

۳۹) کعب بن زہیر

۴۰) ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب

۴۱) فضل بن ابی لہب

۴۲) ابو الاسود دئلی

۴۳) جندب بن زہیر

۴۴) مالک بن عبادہ

۴۵) زفر بن یزید بن حذیفہ اسدی

۴۶) نجاشی بن حارث بن کعب

۴۷) عبداللہ بن حکیم

۴۸) عبدالرحمن بن حنبل

۴۹) عامر شعبی

۵۰) حسن بصری

۵۱) قتادہ

۵۲) ابن شہاب زہری

۵۳) محمد بن منکدر

۵۴) ابو حازم سلمہ بن دینار

۵۵) ربیعہ بن عبدالرحمن

۵۶) محمد بن السائب کلبی

۵۷) جنید بن عبدالرحمن

۵۸) محمد بن اسحاق

۵۹) ولید بن جابر . . . . .

www.ziaraat.com jabir.abbas@yahoo.com Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

علیؑ کی اسلام میں سبقت

یہ سب ان روایات جو نبی اکرمؐ سے نقل ہوئی ہیں، خود امیرالمومنین کے کلمات، اصحاب و تابعین کے اقوال اور ان کے اشعار کے علاوہ ہیں بلکہ بعض نے تو اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ (۱)

سارے موارد کا شمار اور حساب کرنا کسی بھی محقق کے لئے شاید مشکل ہو۔ اس لئے یہاں پر ہمارے لئے ان کی مختصر مثالیں ذکر کرنا کافی ہے تاکہ یہ ان مفید اور بے شمار مطالب کی طرف ایک اشارہ ہو جن سے محترم قارئین علامہ امینی کی (۲) کی کتاب کی طرف رجوع کر کے بیشتر آگاہی پیدا کر سکتے ہیں۔

نبی اکرمؐ سے صحیح سند کے ساتھ منقول احادیث میں سے ایک یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "اولکم وروداً علی الحوض اولکم اسلاماً علی ابن ابیطالب". (۳) یعنی سب سے پہلے حوض پر جو شخص مجھے ملے گا وہ وہی ہے جو سب سے پہلے مسلمان ہوا یعنی علی ابن ابیطالبؑ۔

آپؐ نے ایک اور مقام پر فرمایا: "انہ لاول اصحابی اسلاماً او اقدم امتی سلما". (۴)

۱۔ رجوع کریں: الصواعق المحرقہ فصل اول باب نہم اور کتاب معرفۃ الحاکم ص ۲۲

۲۔ الغدیر ج۳ ص ۲۴۳-۲۲۰ اور ج۱ ص ۱۶۲-۱۵۸

۳۔ مستدرک الحاکم ج۳ ص ۱۳۶ اس نے اس روایت کو صحیح جانا ہے۔ خطیب کی تاریخ بغداد: ج ۲ ص ۸۱ الاستیعاب حاشیہ الاصابہ ج۳ ص ۲۸ اور ان کتابوں کی طرف رجوع کریں۔ ابن ابی الحدید: شرح نہج البلاغہ، سیرہ حلبیہ، دحلان کی سیرہ نبویہ، مناقب خوارزمی اور الغدیر ج۳ ص ۲۲۰ گذشتہ مدارک منقول۔ نیز الاحاد والمثانی (خطی نسخہ کوپرلی لائبریری نمبر ۲۳۵)۔

۴۔ الغدیر ج۳ ص ۹۶-۹۵ از مسند احمد (ج۵ ص ۲۶) سے، الاستیعاب ج۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یعنی میرے اصحاب میں حضرت علیؑ پہلا مسلمان ہے یا میری امت میں علیؑ سب سے پہلے اسلام لائے۔

نیز آنحضرتؐ سے منقول ہے کہ آپؐ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: "ھذا اول من آمن بی و ھذا اول من یصافحنی یوم القیامۃ، و ھذا الصدیق الاکبر". (۱) یعنی یہ وہ ہیں جو سب سے پہلے مجھ پر ایمان لائے اور قیامت کے دن سب سے پہلے مجھ سے مصافحہ کریں گے یہ ہیں صدیق اکبر۔

ایک اور جگہ پر آپؐ نے ارشاد فرمایا: "ھذا اول من آمن بی و صدقنی و صلی معی".
(۲) یعنی سب سے پہلے مجھ پر ایمان لائے، میری تصدیق کرنے اور میرے ساتھ نماز پڑھنے والا شخص یہ ہے۔

ص ۳۶ اور ان کتب کی طرف رجوع کریں: المنتق، جمع الجوامع، الریاض النضرۃ، المرقاۃ، کنز العمال، سیرۂ نبوی (دحلان)، سیرہ حلبیہ، مستدرک الحاکم ج۳، مجمع الزوائد ج۹ ص ۱۰۲ از طبرانی از ابن اسحاق۔ مجمع الزوائد والے نے کہا ہے کہ یہ روایت مرسل صحیح ہے طبرانی اور احمد نے بھی اسی کو استخراج کیا ہے۔ اسی طرح الھیثمی (ج۹ ص ۱۰۱) نے کہا ہے اس کے سلسلہ روایت میں خالد بن طھمان ہے جس کی توثیق ابوحاتم نے کی ہے اور باقی راوی ثقہ ہیں۔

۱۔ الغدیر ج۲ ص ۳۱۳ کہ وہ طبرانی اور بیہقی سے نقل کرتے ہیں۔ نیز رجوع کریں العدنی، مجمع الزوائد، کفایۃ الطالب، اکمال کنز العمال اور اس بارے میں مزید منابع کا ذکر واقعہ غار میں ابوبکر کے صدیق کا لقب پانے کے حوالے سے گفتگو میں کریں گے اور فرائد السمطین ج۱ ص ۳۹

۲۔ معتزلی کی شرح نہج البلاغہ ج ۱۳ ص ۲۲۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نیز آپؐ نے فرمایا: "ان اول من صلی معی علی". (۱) یعنی جس نے سب سے پہلے میرے ساتھ نماز پڑھی وہ علیؑ ہیں۔

امیر المومنینؑ کے صریح بیانات

خود حضرت علیؑ نے مختلف حوالوں سے اس بات کی تصریح کی ہے اور اپنے بارے میں وہ خود فرماتے ہیں کہ رسولؐ اللہ کے ساتھ نماز پڑھنے میں کسی نے بھی ان سے سبقت نہیں لی اور آپ ہی رسول کے ہاتھ پر سب سے پہلے اسلام لائے ہیں اور آپؑ امت میں رسول اللہ کے علاوہ کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جس نے آپ سے پہلے خدا کی عبادت کی ہو اور یہ کہ آپ نے دوسروں سے سات سال پہلے نمازیں پڑھی ہیں۔

آخری جملے سے شاید ان کی مراد یہ ہو کہ انھوں نے بعثت سے تین سال پہلے آپؐ کے ساتھ عبادت کی کیونکہ نبوت کی راہ ہموار کرنے والے واقعات کا آغاز ہو چکا تھا اور ان کے ساتھ بعثت کے بعد خفیہ دعوت کے تین یا پانچ سال کا اضافہ کیا ہو یا شاید انھوں نے بعثت سے قبل ہی سات سال رسولؐ اللہ کے ہمراہ بندگی کی ہو مگر یہ کہ صحیح بات شاید ابن طریق سے منقول یہ روایت ہو۔ "صلت الملائکة علی و علی علی سبع سنین". (۲) یعنی ملائکہ نے مجھ پر اور علی پر سات سال تک درود بھیجا۔

جیساکہ خود علیؑ یہی بات معاویہ کو لکھتے ہیں اور اپنے کلمات میں اس حقیقت کا متعدد موقعوں پر تکرار بھی کرتے ہیں۔ (۳)

۱۔ الغدیر ج۳ ص ۲۲۰ از فرائد السمطین باب ۴۷ جس میں چار ذرائع سے منقول ہے

۲۔ اربلی کی کشف الغمة ج۱ ص ۳۳۳

۳۔ امیرالمومنین کے بارے میں ان مطالب کے لئے رجوع کریں الغدیر ج۳ ص ۲۱۳، ۲۲۱ و ۲۲۲، ج۱۰ ص ۱۵۸-۱۶۳ اور ج۲ ص ۲۵-۳۰ اور ۳۱۳ از شرح نہج

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک دلیل اور

جنگ صفین اور دیگر مختلف مواقع پر دشمنوں کے مقابلے میں حضرت علیؑ اور ان کے حامی اصحاب و تابعین کا اس قدر کثرت سے اس فضیلت کے ذریعے استدلال کرنا اور اس مسئلے کو بہت زیادہ اہمیت دینا خود اس مطلب پر روشن دلیل ہے۔ ہم ان کے دشمنان میں سے کسی ایک شخص کو بھی نہیں جانتے جس نے ان کی اس فضیلت کا انکار کیا ہو یا اس میں شبہ ایجاد کیا ہو یا ان فضائل کو کسی دوسرے شخص سے منسوب کیا ہو۔ حالانکہ اس مسئلے میں ان کے لئے بہت سے محرکات بھی موجود تھے۔ مزید برایں ان کے دشمن تو رسولؐ اللہ بلکہ خود اللہ تعالیٰ پر بھی جھوٹ باندھنے سے نہیں رکتے تھے جب بھی انہیں کوئی موقعہ ملتا اور وہ دیکھتے کہ ان کا جھوٹ کسی ایک کے لئے بھی قابل قبول ہوگا تو وہ موقع نہیں گنواتے تھے اور جھوٹ بولنے میں دیر نہیں لگاتے تھے لیکن اس بارے میں اتفاق نظر اس قدر زیادہ تھا کہ وہ کوئی فریب اور دھوکا نہیں دے سکتے تھے۔ یہ سب اس امر کی علامت ہے کہ یہ مسئلہ سب کے نزدیک مسلمہ اور متفق علیہ تھا اور اس سے انکار کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

البلاغہ ج۱ ص ۵۰۳، ۳۰۳، ۲۸۳ اور ج۲ ص ۱۰۲ نیز ابوداود سے صحیح اسناد کے ساتھ۔ خطیب کی تاریخ بغداد ج۳ ص ۲۲۳، مجمع الزوائد ج۹ ص ۱۰۲ جس میں ابویعلی، احمد، البزار اور طبرانی، الاوسط میں نقل کرتے ہیں، فرائد السمطین باب ۳۸، نصر بن مزاحم کی وقعۃ صفین ص ۳۵۵، ۳۶۰، ۱۳۲، ۱۰۰ اور ۱۶۸، جمھرۃ الخطب ج۱ ص ۱۲۸ اور ۵۳۲، ۳۲۸، جمھرۃ الرسائل ج۱ ص ۵۳۲، مروج الذھب ج۲ ص ۵۹، تذکرۃ سبط ابن الجوزی ص ۱۱۵، مطلب السؤل ص ۹۱، المحاسن و المساوی ج۱ ص ۳۶، تاریخ القرمانی حاشیہ الکامل ج۱ ص ۲۱۸ نیز الغدیر ج۱۰ ص ۳۲۲ میں دوسرے مصادر کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہم اس مسئلے کے اتفاق کو بیان کرنے کے لئے بطور نمونہ فقط ایک واقعہ نقل کرتے ہیں جو سعد بن ابی وقاص کے ساتھ پیش آیا وہ علیؑ سے جدا ہوگیا تھا اس قصے کی طرف ہم احد کے واقعات میں اشارہ کریں گے، اور بقیہ شواہد کو ترک کرتے ہیں جن کی تعداد بہت زیادہ ہے۔

سعد نے ایک شخص کو علیؑ کو دشنام دیتے ہوئے سنا وہ کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا اے مرد! تم کیوں علیؑ کو گالیاں دے رہے ہو؟ کیا تم نہیں جانتے وہ سب سے پہلا مسلمان ہے؟ کیا وہ وہی نہیں ہے جس نے رسولؐ اللہ کے ہمراہ سب سے پہلے نماز پڑھی؟ کیا وہ لوگوں میں سب سے اعلم نہیں ہے؟ ..... ۔ (۱) اسی طرح مقداد، مسلم اول یعنی علیؑ سے خلافت چھیننے پر قریش کے اوپر اظہار تعجب کیا کرتے تھے۔ (۲)

حرف آخر

ہمارا خیال ہے کہ اس بارے میں جو کچھ ہم بیان کر چکے ہیں وہ کافی ہوگا اس موضوع سے مزید آگاہی اور بیشتر معلومات کے لئے اس موضوع پر لکھی جانے والی کتب کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ گذشتہ باتوں کی روشنی میں ناصبیوں اور حاسدوں کے اقوال پر کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا جن کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ کسی نہ کسی طریقے سے فضائل علیؑ کو محو کیا جائے ہر چند جھوٹ اور فریب کے ذریعے ہی کیوں نہ ہو۔ حد یہ ہے کہ ابن کثیر کہتا ہے کہ "بہت سی روایات کے مطابق علیؑ سب سے پہلے مسلمان تھے لیکن ان میں سے کوئی

۱۔ حیاۃ الصحابہ ج۲ ص ۵۱۴/۵۱۵ اور مستدرک الحاکم ج ۳ ص ۵۰۰ مولف اور ذہبی نے تلخیص المستدرک کے حاشیہ کے اسی صفحہ پر حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

۲۔ الغدیر ج۹ ص ۱۱۵ از تاریخ یعقوبی ج۲ ص ۱۴۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

روایت بھی صحیح نہیں ہے"۔ (۱)

نہیں ابن کثیر! تم نے حقیقت اور تاریخ کے ساتھ صحیح معنوں میں خیانت کی ہے اور اپنے اندر موجود بغض و کینے کو تم نہیں چھپا سکے جس نے آخرکار تمہیں جھوٹ بولنے اور ایک ایسی چیز سے انکار کرنے پر ابھارا جو روز روشن کی طرح واضح اور بدیہی ہے۔

خدیجہ کو اولین مسلمان قرار دینا

سابقہ رائے کے مقابلے میں ایک اور نظریہ بھی موجود ہے اور وہ یہ کہ حضرت خدیجہ (س) نے اسلام لانے میں سب پر سبقت کی اور وہ سارے لوگوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئیں۔ کچھ افراد نے اس پر اجماع اور اتفاق کا ادعا بھی کیا ہے۔ (۲)

لیکن یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ پیغمبر اکرمؐ علیؑ اصحاب اور تابعین سے کثیر تعداد میں روایات موجود ہیں جو کہتی ہیں کہ علیؑ مومن اول تھے یا یہ کہ وہ امت میں سب سے پہلے یا لوگوں میں سب سے پہلے اسلام لے آئے۔ (۳) اور اس قول کی بنا پر یہ بات

۱۔ البدایہ و النہایۃ ج۷ ص ۳۳۵

۲۔ رجوع کریں سیرہ حلبیہ ج۱ ص ۲۶۷ فی تہذیب الاسماء و اللغات ج۲ ص ۱۸۲ کہ اس میں ثعلبی سے نقل کیا ہے کہ اس پر اتفاق نقل کیا گیا ہے اور ابن اثیر نے کہا ہے مخلوق خدا میں سے ان کے سب سے پہلا اسلام لانے پر مسلمین کا اجماع ہے، دحلان کی سیرہ نبویہ ج۱ ص ۹۰ اور اسعاف الراغبین نور الابصار کا حاشیہ ص ۱۴۸

۳۔ دحلان کی سیرۃ نبویہ ج۱ ص ۹۱، سیرہ حلبیہ ج۱ ص ۲۶۸، مناقب المغازلی اور مناقب خوارزمی ص ۲۰-۱۸، الغدیر ج۳ ص ۲۳۶-۲۲۰ اس میں بہت سی وضاحتیں ذکر ہیں اور تاریخ بغداد ج۴ ص ۲۳۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نہیں کی جا سکتی کہ "امت" اور "عوام" سے مراد صرف مرد حضرات ہیں یا دوسرے قول (جس کا ذکر آئے گا) کی بنا پر یہ کہنا مشکل ہے کہ ان سے مراد بچے ہیں۔

ابوبکر کی اسلام میں سبقت

گذشتہ مطالب کی روشنی میں ہم جان سکتے ہیں کہ علیؑ کے علاوہ کسی اور کے بارے میں سبقت اسلام کا دعویٰ خلفاء راشدین اور حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد جعل کیا گیا ہے اور کوئی بعید نہیں ہے کہ معاویہ کے دور میں ایسا کیا گیا ہو کیونکہ اس نے اپنے ما تحت شہروں کے تمام حکام کو لکھا تھا کہ حضرت علیؑ کے فضائل کے مقابلے میں انہی کے مشابہ فضائل دوسرے اصحاب کے لئے بھی بنائے جائیں۔ (۱)

حضرت ابوبکر کے سب سے پہلے اسلام لانے کی روایت ان افراد سے منسوب کی گئی ہے:

۱) ابن عباس ۲) شعبی ۳) ابوذر ۴) عمرو بن عبسۃ ۵) ابراہیم نخعی اور ۶) حسان بن ثابت، حسان سے یہ اشعار منسوب کئے گئے ہیں۔

اذا تذکرت شجواً من اخی ثقۃ
فاذکر اخاک ابابکر بما فعلا

خیر البریۃ اتقاھا و اعدلھا
الا النبی و اوفاھا بما حصلا

والثانی الصادق المحمود مشھدہ
و اول الناس منھم صدق الرسلا

عاش حمیداً لامر اللہ متبعاً
بھدی صاحبہ الماضی و ما انتقلا (۲)

۱۔ النصائح الکافیہ لمن یتولی معاویہ ص ۴۳-۴۲ کی طرف رجوع کریں

۲۔ دیوان حسان ص ۲۹ (مطبوعہ یورپ)

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۔ جب تم اپنے مورد اعتماد بھائی کے غم و اندوہ کو یاد کرو تو اپنے بھائی ابو بکر کے کاموں کو یاد کرو جو اس نے انجام دیئے۔

۔ کہ وہ لوگوں میں سب سے بہترین، پرہیزگار ترین اور عادل ترین تھا سوائے نبی کے اور جو کچھ اسے حاصل ہوا اس معاملے میں وفادار ترین رہا ہے۔

۔ وہ دوسرا سچا خوش رفتار و گفتار ہے اور پیغمبر کی تصدیق کرنے والوں میں پہلا ہے۔

۔ اس نے اچھی زندگی گزاری، حکم خدا کی پابندی کے ساتھ اپنے یار کے وسیلے سے اس نے ہدایت پائی اور اس سے نہ پھرا۔

ہماری رائے کے مطابق ابو بکر کے سب سے پہلے مسلمان ہونے کے سلسلے میں ان لوگوں سے منسوب قول بنی امیہ کی خوشنودی کے لئے بعد میں گھڑا گیا ہے۔ البتہ بعید نہیں ہے کہ حسان کے شعر بھی بنائے گئے ہوں کیونکہ یہ نہیں ہوسکتا کہ حسان ایسی بات کرے جو امت بالخصوص اصحاب کے نزدیک مسلمات میں سے ہو جیساکہ آخری دو شعروں سے صاف پتہ چل رہا ہے کہ یہ بھرتی کئے گئے ہیں اور ساخت کے اعتبار سے بھی نا مربوط ہیں۔ (۱) بسا اوقات کہا جاتا ہے کہ یہ دو شعر خود حسان، اس کی شاعری، اس کے طرز اور انداز بیان سے بیگانہ ہیں۔ علاوہ ازیں مندرجہ ذیل موارد بھی اس بات کی نا درستی پر دلالت کرتے ہیں۔

۱۔ پہلے گزر چکا ہے کہ ابن عباس، شعبی اور ابوذر تو یہ کہتے ہیں کہ امیرالمومنین علی علیہ السلام مسلم اول ہیں۔ اسکافی کہتا ہے (۲) کہ علیؑ کے بارے میں ان کی یہ حدیث

۱۔ مثلاً آپ تیسرے شعر میں لفظ "متہم" کو ملاحظہ کریں اور چوتھے شعر میں اس کلمہ "متبعاً بھدی" کو دیکھیں اور "و ما انتقلا" پر غور کریں یہ سب انداز بیان کی کمزوری کی نشانیاں ہیں۔

۲۔ رجوع کریں الغدیر اور شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱۳ نیز کتاب العثمانیہ کے آخری حصہ کی طرف

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سند کے لحاظ سے اس حدیث کی نسبت جو ابو بکر کے حق میں ان سے منسوب کی گئی ہے اقوی اور مشہور تر ہے۔

رہی ابوذر اور عمر بن عبسہ کی روایت، تو اس کی حالت مخدوش ہے کیونکہ وہ یہ بیان کرتی ہے کہ ابوذر اور عمرو بن عبسہ دونوں اسلام کا چوتھائی حصہ ہیں اور بلال ابو بکر سے پہلے اسلام لا چکے تھے اس میں علی علیہ السلام اور حضرت خدیجہ (س) کا بالکل ذکر ہی نہیں آیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ بلال، علیؑ اور خدیجہ (س) سے بھی پہلے ایمان لایا حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے پس اگر علیؑ، خدیجہ (س)، بلال اور عمرو بن عبسہ پہلے اسلام لانے والے ہیں تو ابو بکر کا اسلام کہاں جائے گا؟

۲۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ہم کسی بھی شخص کو نہیں دیکھتے جس نے اصحاب، تابعین اور امیر المومنین علیؑ کے ان متعدد استدلالات پر کوئی اعتراض کیا ہو جو انھوں نے علیؑ کے مسلم اول ہونے پر معاویہ کے سامنے پیش کئے کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ تم غلط کہتے ہو کیونکہ سب سے پہلے ایمان لانے والے تو حضرت ابو بکر ہیں۔ پس انھوں نے اپنی دلیل کو کہاں چھپا رکھا تھا اور وہ کیوں حقیقت پر پردہ ڈالتے تھے؟

بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ نہ خود حضرت ابو بکر نے اپنے لئے یہ بات کہی ہے اور نہ ان کے یار و انصار اور چاہنے والوں نے یہ استدلال کیا کہ وہ سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں جبکہ انہیں ایسی فضیلت کی شدید ضرورت بھی تھی خصوصاً سقیفہ میں، کیونکہ اس دن جن فضائل کو انھوں نے بطور استدلال پیش کیا وہ ان کا عمر رسیدہ ہونا اور پیغمبرؐ کا یار غار ہونا تھا اس کے سوا وہ کچھ بیان نہ کر سکے جیسا کہ وہاں حضرت عمر اور دوسروں نے اس دن دلائل دیئے۔ (۱) ہم اگلے دلائل کی طرف حدیث غار میں اشارہ کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

۱۔ مستدرک الحاکم ج۳ ص ۶۶، سنن بیہقی ج۸ ص ۱۵۳، الغدیر ج۵ ص ۳۶۹، ج۷ ص ۹۲ اور ج۱۰ ص ۷ اور ۱۳ جو بہت سے حوالوں سے نقل ہوا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۲۔ درج ذیل دلائل کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکر بعثت کے کئی سال بعد اسلام لائے البتہ ہم انہی باتوں کو پیش کریں گے جو ان کے لئے قابل قبول ہیں۔

الف۔ کہا گیا ہے کہ جب وہ مسلمان ہوئے تو نبی اکرمؐ نے ان کا نام صدیق (۱) رکھا جبکہ یہ واقعہ معراج کے بعد کا ہے جب حضرت ابو بکر نے آپؐ کی تصدیق کی اور کفار قریش نے آپؐ کو جھٹلایا۔ (۲) یا ہجرت کے موقع پر غار میں آپؐ نے یہ لقب انہیں دیا (یہ دونوں باتیں بھی صحیح نہیں ہیں جیساکہ غار کے واقعے میں اس پر بحث کی جائے گی) اور انہی کے نظریے کے مطابق معراج کا واقعہ بعثت کے بارہ سال بعد رونما ہوا اگرچہ ہمارا نظریہ اس کے خلاف ہے۔

ب۔ بعض افراد نے یہ روایت کی ہے کہ وہ معراج کے واقعے کے بعد اسلام لے آئے اور اس دن ان کا نام صدیق رکھا گیا۔ (۳) یا ایک خود ان کے قول کے مطابق معراج کا واقعہ ہجرت سے تھوڑا سا پہلے واقع ہوا۔

ج۔ طبری (جیساکہ علامہ امینی نے کہا ہے صحیح سند کے ساتھ) نقل کرتا ہے کہ محمد بن سعید نے کہا کہ میں نے اپنے باپ سے پوچھا کیا تم میں سے ابو بکر پہلے اسلام لائے؟ اس نے جواب دیا نہیں اس سے پہلے پچاس سے بھی زیادہ افراد مسلمان ہو چکے تھے۔ (۴) پس اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے خفیہ دعوت اور آنحضرتؐ کے "دار الارقم" سے نکلنے کے

کنزالعمال ج۸ ص ۱۳۹ از ابن ابی شیبہ اور ج۳ ص ۱۴۰ نیز غار کے واقعے میں بھی بہت سے مآخذ کا ذکر کریں گے۔

۱۔ سیرہ حلبیہ ج۱ ص ۲۷۳ اور دحلان کی سیرہ نبویہ ج۱ ص ۸

۲۔ سیرہ حلبیہ ج۱ ص ۲۷۳

۳۔ مجمع الزوائد ج۱ ص ۷۶ جو طبرانی کی کتاب الکبیر سے منقول ہے۔

۴۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۶۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بعد اسلام قبول کیا کیونکہ آپ وہاں سے اس وقت باہر نکلے جب مسلمانوں کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی جیساکہ وہ بھی یہی کہتے ہیں اس بارے میں آئندہ گفتگو کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

د۔ ہم آئندہ واقعہ غار کے اواخر میں بیان کریں گے کہ ابو قحافہ کہتے ہیں کہ ابوبکر سے پہلے ابن مسعود اور چند دوسرے لوگ ایمان لا چکے تھے۔ بلکہ ابن مسعود حضرت عمر سے پہلے ایمان لائے تھے جیساکہ نووی نے "تہذیب الاسماء و اللغات" میں ذکر کیا ہے۔

ھ۔ منقول ہے کہ جب آنحضرتؐ مقام رسالت پر مبعوث ہوئے تو حضرت ابوبکر یمن گئے ہوئے تھے حضرت ابوبکر خود کہتے ہیں کہ جب میں مکہ پہنچا تو پیغمبر اکرمؐ مبعوث ہو چکے تھے قریش کے سردار میرے پاس آئے، آگے چل کر حضرت ابوبکر کہتے ہیں کہ انھوں نے کہا اے ابوبکر ہمارے لئے ابو طالب کا یتیم بڑی مصیبت اور آفت بن گیا ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کر رکھا ہے۔ اگر تم نہ ہوتے (یا تیرا ہمیں انتظار نہ ہوتا) تو ہم کبھی اقدام کرنے میں تاخیر نہ کرتے۔ اب تم آگئے ہو تم ہماری امید ہو اور اس کام کے لئے مناسب بھی ہو۔ (۱)

ابو ہلال شعبی سے اور اس نے اپنے مشائخ سے جن میں سے ایک "جریر" ہیں، ایک طویل روایت میں ذکر کیا کہ "ابوبکر نے کہا: جب میں مکہ پہنچا تو قریش کے سردار بہت خوش ہوئے اور انھوں نے سمجھا کہ میری آمد سے انھیں کامیابی حاصل ہوجائیگی وہ میرے اردگرد جمع ہوگئے اور ابوطالب کی شکایت کرتے ہوئے کہنے لگے اگر پیغمبرؐ کو ابوطالب کی حمایت حاصل نہ ہوتی تو ہم تمہارا انتظار نہ کرتے۔ میں نے پوچھا تمہارے دین کی مخالفت میں کون لوگ اسکی پیروی کر رہے ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا ابوطالب کی اولاد۔ (۲)

۱۔ الصواعق المحرقہ مطبوعہ ۱۳۲۴ ص ۱۴۸، سیرہ حلبیہ ج۱ ص ۲۷۵، دحلان کی سیرۃ نبویہ ج۱ ص ۸۹ اور تاریخ الخمیس ج۱ ص ۲۸۷

۲۔ عسکری کی الاوائل ج۱ ص ۱۹۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ابن اسحاق سے نقل کیا گیا ہے کہ اس نے کہا: ابوبکر نے نبی اکرمؐ سے ملاقات کی اور کہا: اے محمدؐ! جو قریش کہتے ہیں کہ وہ درست ہے؟ کیا تم نے ہمارے خداؤں کو ترک کر دیا ہے؟ ہمارے افکار کو بیوقوفی پر محمول کرتے ہو؟ اور ہمارے آباء کو کافر سمجھتے ہو؟ اس کے بعد وہ ابوبکر کے اسلام کا ذکر کرتا ہے۔ (۱)

مقدسی کی روایت اسی مطلب کی تائید کرتی ہے وہ کہتا ہے کہ بعض راویوں کا نظریہ ہے کہ ابوبکر تجارت کی غرض سے شام گئے ہوئے تھے ایک راہب نے انھیں پیغمبرؐ کے ظہور کی خبر دی اور انھیں آپؐ کی اطاعت کا حکم دیا جب وہ مکے واپس آئے اور انہوں نے سنا کہ رسول اللہ لوگوں کو خدا کی طرف بلا رہے ہیں تو اس وقت وہ اسلام لے آئے۔ (۲)

اسی طرح اس امر کی تائید مؤرخین کی اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ابوبکر نے پیغمبرؐ سے کہا: تم اب قوم کی محافل و مجالس میں نہیں ہو وہ تم پر الزام لگاتے ہیں کہ تم ان کے باپوں اور ماؤں کو برا سمجھتے ہو۔ اس موقع پر آنحضرتؐ نے انھیں اسلام کی دعوت دی اور وہ ایمان لے آئے۔ (۳)

یہ تمام مذکورہ باتیں اس چیز کی نشاندہی کرتی ہیں کہ حضرت ابوبکر خفیہ دعوت کے اختتام کے بعد جس کا عرصہ تین سے پانچ سال کا تھا اسلام لے آئے۔ ان کا قبول اسلام دعوت ذوالعشیرہ اور اعلان نبوت نیز کفار کے آباء اور ماؤں کی تکفیر کے بعد تھا۔ یعنی قریش کی اس تجویز کے بعد کہ ابو طالب اپنے بیٹے کو اس امر سے ہاتھ اٹھانے پر راضی کریں یا ایک اور بیٹا لے کر محمدؐ کو قریش کے حوالے کر دیں۔ ابوبکر اور قریش کے درمیان ہونے والی

۱۔ بیہقی کی دلائل النبوہ ج۱ ص ۴۱۷-۴۱۶؛ ابن کثیر کی سیرت نبویہ جلد ۱ ص ۴۴۳-۴۴۲

۲۔ البدء و التاریخ ج۵ ص ۷۷

۳۔ البدایہ و النہایۃ ج۳ ص ۳۰-۲۹ اور ابن کثیر کی سیرت نبویہ ج۱ ص ۴۳۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

گفتگو اور ابو طالب کی طرف سے پیغمبر اکرمؐ کی کھلم کھلا حمایت کے تمام واقعات ان کے مسلمان ہونے سے پہلے کے ہیں البتہ اگر انہیں حضرت ابو بکر کا انتظار نہ ہوتا تو وہ کسی اقدام سے گریز نہ کرتے۔ یہ سب کچھ اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر کا اسلام بعثت کے چوتھے یا پانچویں سال تک (اگر اس سے زیادہ نہ ہو تو) موخر رہا۔ ابو القاسم کوفی کہتا ہے کہ "ابو بکر نے بعثت کے ساتویں سال اسلام قبول کیا"۔ (۱)

ممکن ہے اس کی یہ بات صحیح ہو یا قریب بہ صحت ہو کیونکہ اگر ہم سابقہ روایات کو معتبر سمجھیں تو وہ یہ بتاتی ہیں کہ پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ مشرکین کی سخت مخالفتیں، حضرت ابوطالب کی طرف سے نبی اکرمؐ کی حمایت اور پچاس سے زیادہ افراد کے مسلمان ہونے کے بعد حضرت ابو بکر نے اسلام قبول کیا ہے، یہ احتمال بھی موجود ہے کہ یہ پچاس اشخاص وہ ہوں جو اسلام کی اعلانیہ دعوت کے بعد مسلمان ہوئے ہوں۔

یہاں سے واضح ہوتا ہے کہ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ حضرت ابو بکر سب سے پہلے مسلمان تھے اور اگر کوئی اس قسم کی بات کرتا ہے تو فضول اور بیہودہ ہے، دعویٰ بلا دلیل ہے اور ان بے بنیاد باتوں میں سے ہے جو بعد میں تراشی گئی ہیں۔

توافق کی ناکام کوشش

بعض افراد کا کہنا ہے کہ یہ کہنا قرین احتیاط ہے کہ آزاد مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابو بکر، بچوں میں حضرت علیؑ، عورتوں میں حضرت خدیجہ (س)، آزاد شدہ غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ اور غلاموں میں حضرت بلال نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ (۲)

۱۔ الاستغاثہ ج۲ ص ۳۱

۲۔ سیرت الحلبیۃ ج۱ ص ۲۷۵ دحلان کی سیرت نبویہ ج۱ ص ۹۰ نزہۃ المجالس ج۲ ص ۱۳۷ نیز البدایہ و النہایۃ ج۳ ص ۱۷، ۲۶ اور ۲۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضرت علیؑ کے مسلم اول ہونے پر جو دلائل قائم کئے گئے ہیں ان کی روشنی میں ایسی بات کرنا فضول ہے اور ان کا یہ کہنا کہ علی علیہ السلام بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے ہیں درج ذیل دلائل کی بنا پر نا قابل قبول اور عجیب بات ہے۔

۱۔ حضرت علیؑ اور دوسروں سے نقل ہوا ہے کہ وہ سب سے پہلے مرد ہیں جنھوں نے اسلام کی دعوت پر لبیک کہا یعنی وہ اس وقت ایک بالغ مرد تھے اور بلوغ کا معیار صرف عمر نہیں ہے جیساکہ کہا گیا ہے کہ عمرو بن عاص اپنے بیٹے عبداللہ سے صرف بارہ سال بڑا تھا۔ (۱) اور "الراشد باللہ" نو سال کی عمر میں کنیز کے ساتھ ہمبستر ہوا اور اس کی وجہ سے کنیز حاملہ ہوگئی۔ (۲)

البتہ حضرت علیؑ کی عمر کے بارے میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں حافظ عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، کلبی، حسن بصری، اسکافی اور بہت سے مورخین ان کی عمر بارہ سے سولہ سال کے درمیان ذکر کرتے ہیں اور کچھ حضرات نے آپ کی عمر اس سے بھی زیادہ بتائی ہے جیساکہ ان کی ولادت کے تذکرے میں یہ بات گزر چکی ہے۔

۲۔ بہت سے افراد نے بیان کیا ہے کہ بلوغ کا مسئلہ ہجرت کے بعد جنگ خندق کے دوران ابن عمر کو جنگ سے واپس کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں پیش آیا لیکن اس سے پہلے دینی وظائف اور اسلام کی طرف دعوت کا معیار وہی ادراک اور سوجھ بوجھ تھا۔ (۳)

اگر امیر المومنین علی علیہ السلام، ایمان کی دعوت کو قبول کرنے کے اہل نہ ہوتے تو نبی اعظم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم قطعاً انھیں اسلام کی دعوت نہ دیتے اور نہ ان کے قبول اسلام کو قبول کرتے۔

۱۔ ابن قتیبۃ کی المعارف ص ۱۲۵ مطبوعہ احیاء التراث العربی سال ۱۳۹۰ ھ

۲۔ سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۲۶۹

۳۔ اسعاف الراغبین حاشیہ نور الابصار کے ساتھ ص ۳۹ اور سیرۃ حلبیۃ ج ۱ ص ۲۶۹

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۳۔ حضرت علیؑ کو اسلام کی دعوت دی گئی جبکہ وہ ابھی بچے تھے۔ اس بات سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ یہ ان کا امتیاز خاص تھا یہ ان کے وصی پیغمبرؐ ہونے کی دلیل ہے کیا حضرت عیسیٰؑ نے گہوارے میں کلام نہیں کیا اور کیا حضرت یحییٰؑ کو بچپن میں "حکم" عطا نہیں ہوا؟ جیسے قرآن نے نہایت صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے؟

۴۔ اگر مسئلہ ویسا ہی ہو جیسے وہ کہتے ہیں تو پھر رسول اکرمؐ کا یہ قول کہ "انہ اول من اسلم او اولکم اسلاما" یعنی علیؑ سب سے پہلے فرد ہیں جو اسلام لائے یا تم میں سے سب سے پہلے مسلمان ہوئے بے معنی ہو کر رہ جائے گا جبکہ آپؐ کے قول مبارک کا مفہوم یہ ہے کہ علیؑ اسلام کے قبول کرنے میں عورتوں، مردوں، غلاموں اور آزاد لوگوں پر سبقت لے گئے ہیں۔

۵۔ آخری بات یہ ہے کہ یہ خود ساختہ تقدس مآبی صرف متاخرین کے ہاں پیدا ہوئی ہے۔ ہم نے نہیں دیکھا کہ کسی نے امیرالمومنینؑ، اصحاب اور تابعین کی دلیل کا یہ جواب دیا ہو۔ ان کا تقویٰ اس قدر نہیں تھا جتنا حضرت ابو بکر کے فضائل کے حوالے سے ان غیور لوگوں میں موجود ہے۔

www.zainabia.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com

ان کا ہدف

شاید ان مختلف روایات سے اس قسم کا نتیجہ اخذ کرنے میں ان تقدس مآب لوگوں کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہو کہ دوسروں کا اسلام حضرت علیؑ کے اسلام سے افضل ہے کیونکہ دوسروں کا اسلام عقل و فکر اور تدبر کی بنیاد پر تھا جبکہ علیؑ کا اسلام تقلیدی تھا اور غور و فکر کے بغیر، جس طرح کہ بچوں کی حالت ہوتی ہے۔

نوٹ:

گفتگو کی مناسبت سے اس نکتے کی طرف اشارہ کرتے چلیں کہ عمر بن خطاب، بلوغ کا معیار "بالشت" کو قرار دیتے تھے جو شخص چھ بالشت کا ہو جاتا اس پر احکام شرع کو جاری

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کرتے تھے اور جو اس سے ایک انگلی بھی چھوٹا ہوتا تھا اس پر احکام جاری نہیں کرتے تھے اور ابن زبیر کی رائے بھی یہی تھی۔ (۱)

اس کے بعد عباسیوں نے بھی یہی طریقہ کار اختیار کیا عباسی راہنما ابراہیم نے ابو مسلم خراسانی کو حکم دیا کہ خراسان میں ہر اس مجرم کو قتل کر دو جس کا قد پانچ بالشت ہو۔ (۲)

ہم اس نکتے پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتے اس کا نتیجہ ہم قاری پر چھوڑتے ہیں تاکہ وہ اپنے ضمیر اور شعور کے مطابق فیصلہ کرے۔

موازنہ اور ہدف

مناسب ہے کہ یہاں پر ہم بعض افراد کے اس قول پر روشنی ڈالیں کہ نبی اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے کہا کہ میں تمہیں لات و عزیٰ کو ترک کرنے یا ان کا انکار کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ (۳)

۱۔ المصنف ج۱۰ ص ۱۶۸ اور حضرت عمر کے بارے میں الغدیر کی طرف رجوع کریں الغدیر ج۶ ص ۱۶۱ وہ کنز العمال (ج۳، ص ۱۱۶) ابن ابی شیبہ، عبد الرزاق، مسدد اور ابن منذر کی کتاب "الاوسط" سے نقل کرتے ہیں۔

۲۔ رجوع کریں راقم کی کتاب حیاۃ الامام الرضا ص ۱۲۲ کی طرف وہ ان مدارک سے نقل کرتے ہیں۔ تاریخ طبری مطبوعہ لیدن ج۹ ص ۱۹۷۴ اور ج۱۰، ص ۲۵ کامل ابن اثیر ج۴ ص ۲۹۵ البدایۃ و النہایۃ ج۱۰ ص ۲۸ اور ۶۴ الامامۃ و السیاسۃ ج۲ ص ۱۱۴ النزاع و التخاصم (مقریزی) ص ۴۵ عقد الفرید مطبوعہ دارالکتاب ج۴ ص ۴۷۹ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۳ ص ۲۶۷ اور ضحی الاسلام ج۱ ص ۳۲

۳۔ سیرت حلبیہ ج۱ ص ۲۶۸ اور دحلان کی سیرت نبویہ ج۱ ص ۹۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہمیں یہ یقین ہے کہ یہ حضور اکرمؐ کی حدیث نہیں ہو سکتی کیونکہ حضرت علیؑ پہلے سے ہی بتوں پر ایمان نہیں رکھتے تھے جو آنحضرتؐ انہیں بتوں کو ترک کرنے کی دعوت دیتے۔ (۱) یہ بات کیسے ممکن ہے کہ جبکہ انھوں نے پیغمبر اکرمؐ کے دامن میں پرورش پائی اور آپؐ سے ہی توحید اور تمام فضائل سیکھے؟

اب اس قول اور حضرت ابو بکر کے بارے میں اس قول کا آپس میں موازنہ کریں کہ حضرت ابو بکر نے کبھی بھی بتوں کو سجدہ نہیں کیا تھا حالانکہ اسلام قبول کرتے وقت وہ چالیس سال یا اس سے بھی زیادہ عمر کے تھے۔

پس حضرت ابو بکر بتوں کو سجدہ نہ کرنے کے لحاظ سے رسول اکرمؐ کی طرح ہوئے لیکن ہمیں معلوم نہیں ان کے اپنے آبائی دین کو ترک کرنے کی وجہ کیا تھی اور کیوں یہ مسئلہ اصحاب و تابعین کے زمانے میں شہرت نہ پا سکا؟ اور مدتوں پنہاں رہا یہاں تک کہ آخری زمانے میں متاخرین نے اس کا انکشاف کیا؟ اصحاب اور ان کے رقیبوں سے یہ بات کیسے پوشیدہ رہی یہاں تک کہ خود خلیفہ اور ان کے مددگاروں نے سقیفہ کی محفل میں اسے کس طرح فراموش کر دیا اور خلافت پر ان کا حق جتانے کے لئے خلیفہ یا انھوں نے اسے دلیل کے طور پر کیوں پیش نہ کیا جبکہ انھوں نے اپنی بزرگ سالی اور اس قسم کے دیگر امور کو بطور دلیل پیش کیا جو کسی مرض کی دوا نہ بن سکتے تھے اور ان کا کوئی بھی فائدہ نہ تھا؟

حضرت ابو بکر کی دعوت پر مسلمان ہونے والے

کہا جاتا ہے کہ بڑے اصحاب کی ایک تعداد حضرت ابو بکر کی دعوت اسلام پر لبیک کہتے ہوئے ان کے ہاتھوں دائرہ اسلام میں داخل ہوئی۔ مثال کے طور پر طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، عبد الرحمن بن عوف، ابو عبیدہ جراح، خالد بن سعید بن عاص، ابوذر، عثمان بن عفان، ابو سلمہ بن عبدالاسد اور ارقم بن ابی ارقم۔ (۲)

جاحظ کہتا ہے کہ حضرت ابو بکر کی دختر اسماء نے کہا: جب سے میں نے اپنے باپ کو

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پہچانا میں نے انھیں دیندار پایا، جس دن انھوں نے اسلام قبول کیا اس دن واپس لوٹے تو ہمیں اسلام کی دعوت دی اور ہم نے بھی اسے قبول کر لیا اور ان کے اکثر ہم نشینوں نے بھی اسلام قبول کر لیا۔ (۳) لیکن یہ تمام باتیں درج ذیل دلائل کی وجہ سے مشکوک قرار پاتی ہیں۔

۱۔ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابوبکر نے ارقم کے گھر سے نکلنے، نبی اکرمؐ اور قریش کے درمیان کشمکش میں شدت پیدا ہونے اور پیغمبر اسلامؐ کی حمایت میں ابو طالب کے اٹھ کھڑے ہونے کے بعد اسلام قبول کیا جبکہ ان میں سے بیشتر افراد جن کے ناموں کا اوپر ذکر ہوا، خفیہ دعوت کے دوران دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ مثال کے طور پہ زید بن حارثہ اسلام لانے والے دوسرے شخص تھے اور اسی دوران خالد بن سعید بن عاص، سعد بن ابی وقاص، عمر بن عبسہ، عتبہ بن غزوان اور مصعب بن عمیر اسلام لے آئے تھے۔ (۴) البتہ ارقم بن ابی ارقم اسلام لانے والے ساتویں شخص تھے۔ (۵) اور حضرت ابوذر کے قبول اسلام کا قصہ بہت معروف ہے انہوں نے حضرت علیؑ کے واسطے سے رسول گرامیؐ کے ہاتھوں پر اسلام کا کلمہ پڑھا۔ ان کے قبول اسلام کا واقعہ ہم جلد ہی بیان کریں گے۔ اسی طرح جعفر بن ابی طالب، بلال، خباب بن الارت اور زبیر بن عوام کتاب "نقض العثمانیہ"

۱۔ مقریزی کی کتاب الامتاع ص ۱۶

۲۔ رجوع کریں البدایہ و النہایۃ ج۳ ص ۲۹ سیرۃ حلبیہ ج۱ ص ۲۷۶ دحلان کی سیرت نبویہ ج۱ ص ۹۳ تہذیب الاسماء و اللغات ج۲ ص ۱۸۲ ذہبی کی تاریخ الاسلام ج۲ ص ۴۸

۳۔ معتزلی کی شرح نہج البلاغہ ج۱۳ ص ۲۷۰ اور عثمانیہ الجاحظ ص ۳۱

۴۔ تاریخ یعقوبی ج۲ ص ۲۳۲ اور سیرۃ ابن ہشام ج۱ ص ۲۶۴ وغیرہ

۵۔ الاصابہ ارقم کی سوانح عمری ج۱ ص ۲۸

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں اسکافی کے بقول ان افراد نے حضرت ابو بکر سے پہلے اسلام قبول کیا۔ (۱) مقدسی کی رائے کے مطابق زبیر چوتھا یا پانچواں مسلمان تھا۔

۲۔ علاوہ ازیں خود ابا یقظان، خالد بن سعید بن عاص کا خیال تھا کہ اس نے ابو بکر سے پہلے اسلام قبول کیا۔ (۲) اس بنا پر خالد کے بارے میں بیہقی نے جو روایت کی ہے کہ اس نے خواب میں آگ دیکھی پھر اس نے ابو بکر سے ملاقات کی وہ انھیں نبی اکرمؐ کے پاس لے گئے اور وہاں انھوں نے اسلام قبول کیا۔ (۳) اس کا اعتبار باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ خود ابو یقظان اس کی تکذیب کرتے ہیں اور اس کے منکر ہیں نیز ہر شخص دوسروں کی نسبت اپنے آپ سے زیادہ آگاہ ہوتا ہے۔

رہی بات حضرت عثمان کی تو انھوں نے شرط لگائی کہ نبی اکرمؐ حضرت رقیہ کی شادی اس سے کر دیں تو وہ ایمان لے آئیں گے۔ حضور اکرمؐ نے ان کی شرط پوری کر دی تو وہ اسلام لے آئے۔ (۴)

مدائنی عمر بن عثمان سے روایت کرتا ہے کہ حضرت عثمان نے کہا کہ وہ اپنی خالہ اروی بنت عبد المطلب کی عیادت کے لئے گئے ہوئے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ

۱۔ شرح نہج البلاغہ ج۱۳ ص ۲۲۴ الغدیر ج۳ ص ۲۴۱ اور العثمانیہ کے آخر میں ص ۲۸۶ جہاں اسکافی کا کلام نقل ہوا ہے

۲۔ البدء و التاریخ ج۵ ص ۹۶

۳۔ مستدرک الحاکم ج۳ ص ۲۴۸ البدایہ و النہایۃ ج۳ ص ۳۲ طبقات ابن سعد ج ۴ ص ۶۸-۶۴ الاستیعاب ج۱ ص ۴۳۲-۴۰۱ الاصابۃ ج۱ ص ۴۰۶ علاوہ ازیں مذکورہ روایت دلالت نہیں کرتی کہ اس کا اسلام لانا ابو بکر کے ہاتھوں پر واقع ہوا بلکہ یہ اس کے برخلاف دلالت کرتی ہے۔

۴۔ مناقب آل ابیطالب ج۱ ص ۲۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وآلہ وسلم وہاں تشریف لے آئے وہ ان کی طرف کھچنے لگے جبکہ اس دن آپ سے ایک خاص شان ٹپک رہی تھی اس کے بعد رسول خداؐ اور ان کے درمیان بات چیت ہوئی۔ گفتگو کے دوران آنحضرتؐ نے قرآن مجید کی بعض آیات ان کے سامنے تلاوت کیں اس کے بعد آپؐ وہاں سے تشریف لے گئے۔ حضرت عثمان کہتے ہیں کہ میں بھی اٹھ کھڑا ہوا اور آپؐ کے پیچھے چل دیا میں نے اپنے آپ کو آنحضرتؐ تک پہنچایا اور کلمہ پڑھا۔ (۱)

اب رہا مسئلہ سعد بن ابی وقاص کے اسلام قبول کرنے کا تو اس کا سبب یہ تھا کہ انھوں نے خواب دیکھا کہ ہر طرف اندھیرا ہے اور ایک چاند نور افشانی کر رہا ہے وہ خود کہتے ہیں کہ میں اس نور کے پیچھے گیا اچانک میں نے دیکھا مجھ سے پہلے علی اور زید اس چاند تک پہنچے ہوئے ہیں ایک اور روایت کے مطابق زید اور ابو بکر وہاں پہنچے ہوئے تھے۔ بعدازاں مجھے خبر ملی کہ رسول اللہ خفیہ طور پر اسلام کی دعوت دے رہے ہیں۔ میں نے آپؐ سے "اجیاد" کے مقام پر ملاقات کی اور دائرہ اسلام میں داخل ہوگیا اور پھر اپنی ماں کے پاس واپس آگیا ... ۔ (۲)

طلحہ کے اسلام قبول کرنے کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ بصری میں تھے۔ انھوں نے وہاں کے ایک راہب سے یہ خبر سنی کہ اس مہینے میں ایک نبی بنام "احمد" نے ظہور کیا ہے۔ جب وہ مکے پہنچے تو سنا کہ لوگ کہہ رہے ہیں محمد بن عبداللہ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کے بعد وہ ابو بکر کے پاس گئے اور ان سے پوچھا انھوں نے بھی سارا ماجرا بیان کیا پھر انھیں وہ رسول خداؐ کے پاس لے گئے اور اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد ان دونوں کو نوفل بن خویلد نے پکڑ کر رسی سے باندھ دیا اسی وجہ سے انھیں "قرینین" کہا جاتا ہے (۳)

۱۔ الاستیعاب ج۳ ص ۲۲۵

۲۔ البدء و التاریخ ج۵ ص ۸۵-۸۴

۳۔ مستدرک الحاکم ج۳ ص ۳۶۹ البدء و التاریخ ج۵ ص ۸۲ البدایۃ و النہایۃ ج۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یعنی ایک دوسرے کے ہمدم۔

جیساکہ ظاہر ہوا یہ روایت اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ وہ حضرت ابو بکر کی دعوت پر اسلام لے آئے بلکہ اس کے مخالف معنی پر زیادہ واضح طور پر دلالت کرتی ہے۔ چنانچہ یہ لوگ ایک اور روایت نقل کرتے ہیں کہ طلحہ خود رسول خداؐ کی خدمت میں گیا اور مسلمان ہو گیا۔ (۱) البتہ ابو بکر اور طلحہ کو قرینین کہنے کے بارے میں ہم جلد بیان کریں گے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے اور یہ اس حدیث کی ایک اور کمزوری ہے۔

۳۔ اسکافی نے یہاں جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو بکر اپنے باپ کو مسلمان بنانے میں ناکام رہے باوجود اس کے کہ وہ ایک ہی گھر میں تھے اسی طرح اپنے اکلوتے بیٹے عبد الرحمن کے حوالے سے بھی کامیاب نہ ہو سکے اور یہ دونوں فتح مکہ تک اپنے شرک پر باقی رہے۔ اسی طرح وہ اپنی بہن ام فروہ اور اپنی بیوی نملۃ یا قتیلۃ بنت عبد العزیٰ کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے سے عاجز رہے اور اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بیوی سے جدا ہوئے یعنی ہجرت کے چند سال بعد۔ آیت یہ تھی: "و لاتمسکوا بعصم الکوافر" (سورہ ممتحنہ، آیت ۱۰) یعنی کافر عورتوں کی عصمت (عقد و پیمان) سے تمسک نہ کرو۔

اسکافی اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے یہ کس طرح ممکن ہے کہ حضرت ابو بکر، سعد، زبیر، طلحہ، عبد الرحمن اور دوسروں پر تو غالب ہوں حالانکہ وہ ان کے ہم سن تھے نہ ساتھی لیکن ربیعہ کے بیٹوں عتبہ اور شیبہ، جو ان کے دوست اور ان سے بڑے تھے اور ان کے ظریف و لطیف کلمات سے مانوس تھے (جیساکہ ان کے مددگار کہتے ہیں) کو وہ مسلمان نہ کر سکے؟ وہ کیوں کر "جبیر بن مطعم" کو مسلمان نہ کر سکے جبکہ ان کے بقول اس نے ان

ص ۲۹ بیہقی کی دلائل النبوۃ ج۱ ص ۴۱۹

۱۔ البدء و التاریخ ج۵ ص ۸۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی تربیت کی، انھیں تعلیم دی، انھیں قریش اور عربوں کے انساب کا علم سکھایا نیز قریش کے بارے میں نہایت اہم اور اعلی معلومات اور باتیں بتائیں۔

اس طرح عمر بن خطاب نے کیوں کر اس وقت ان کے ہاتھوں اسلام قبول نہ کیا جبکہ وہ ان کے دوست تھے اور وہ حالات اور شباہت کی لحاظ سے ان سے قریب ترین شخص تھے؟

اگر تم اپنے ضمیر سے پوچھو اور انصاف کا دامن تھامو تو دیکھو گے کہ ان لوگوں نے خود پیغمبر اکرمؐ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا اور انہی کی دعوت پر اسلام کے گرویدہ ہوئے۔ (۱)

۳۔ اسماء کی ذکر شدہ روایت کے مطابق وہ اور ابو بکر کا خاندان اولین مسلمانوں میں سے تھے ابن ہشام نے حضرت ابو بکر کی دو بیٹیوں اسماء اور عائشہ کا شمار ان افراد میں سے کیا ہے جو اسلام کے اوائل میں اسلام لے آئیں۔ یعنی ان کا شمار اسلام کے سابقین میں سے ہوتا ہے۔ (۲)

نووی اور بعض دیگر افراد کی بھی یہی رائے ہے کہ حضرت عائشہ نے اٹھارہ افراد کے بعد اسلام قبول کیا اور ان کی بہن اسماء سترہ اشخاص کے بعد دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں۔ (۳)

لیکن اس بات کے قائلین نے یہ نہ سوچا کہ ان کی پہلی باتوں سے اس بات کی

۱۔ معتزلی کی شرح نہج البلاغہ ج۱۳ ص ۲۷۱ میں اسکافی سے نقل ہوا ہے۔ البتہ اسکافی پر یہ اعتراض نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت نوح کی بیوی اور بیٹا بھی مومن نہیں تھے کیونکہ اس کی مراد یہ ہے کہ عمومی قرائن اس بات کی علامت ہیں کہ ابوبکر میں برہان قائم کرنے کی صلاحیت اور شائستگی موجود نہ تھی جس کے ذریعے وہ کسی کو مسلمان بناتے۔

۲۔ سیرہ ابن ہشام ج۱ ص ۲۷۱

۳۔ تہذیب الاسماء و اللغات ج۲ ص ۳۲۹ و ۳۵۱ از تاریخ ابن ابی خیثمۃ از ابن اسحاق الاصابہ ج۴ ص ۲۲۹ فقط اسماء کے حوالے سے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تکذیب ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ بعثت کے وقت اسماء کی عمر زیادہ سے زیادہ چار سال بنتی ہے اور حضرت عائشہ کی عمر بھی ہماری رائے کے مطابق اسی کے قریب ہی تھی۔ (۱)

لیکن خود ہی لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ بعثت کے پانچ سال بعد پیدا ہوئیں اس بارے میں انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ گفتگو کریں گے۔ پس وہ دونوں اٹھارہ مسلمانوں کے بعد کیسے ایمان لانے والیاں ہو سکتیں ہیں جبکہ مخفی دعوت کے اختتام پر مسلمانوں کی تعداد چالیس تک پہنچ گئی تھی؟ رہی بات حضرت ابوبکر کے دوستوں، احباب اور خاندان کی تو اس کے متعلق ہم پہلے گفتگو کر چکے ہیں ان کی خاندان میں سے صرف ان کے بیٹے محمد باقی رہ جاتے ہیں جو بعثت کے ۲۲ سال بعد پیدا ہوئے یعنی رسول گرامیؐ کے وصال سے کچھ دن پہلے۔

ابوبکر کے رول پر زور کیوں؟

اس راز سے جاحظ یوں پردہ اٹھاتا ہے، کہ " ... اس لئے وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر کی دعوت پر اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد ان لوگوں سے زیادہ ہے جو تلوار کے ساتھ ایمان لے آئے۔ یہاں انھوں نے افراد کی تعداد کو ملحوظ نظر نہیں رکھا بلکہ یہ بات افراد کی قدر و منزلت کے لحاظ سے کی گئی ہے کیونکہ شوریٰ کے پانچ ارکان نے ان کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا جو سب کے سب خلافت کی صلاحیت رکھتے تھے اور امامت و رہبری میں علیؑ کے ہم پلہ اور رقیب متصور کئے جاتے تھے۔ یہ حضرات تمام لوگوں سے زیادہ تھے۔ (۲)

۱۔ مقدسی، حضرت عائشہ کا شمار ان لوگوں میں کرتا ہے جنھوں نے بعثت کے ابتدائی سالوں میں خفیہ دعوت کے دوران ارقم کے گھر منتقل ہونے سے پہلے اسلام قبول کیا۔ وہ کہتا ہے کہ اس وقت حضرت عائشہ چھوٹی بچی تھی۔ رجوع کریں البدء و التاریخ ج۴ ص ۱۴۶ پر۔

۲۔ جاحظ العثمانیہ ص ۳۲-۳۱ اور شرح نہج البلاغہ ج ۱۳ ص ۲۷۱-۲۷۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہاں جناب حافظ! آپ کی بات صحیح ہے۔ حضرت ابو بکر سے جو توقعات تھیں وہ ان سے بھی آگے بڑھ گئے یہاں تک کہ وہ رسولؐ اللہ پر بھی سبقت لے گئے اور آپؐ ان جعلی اور بناوٹی فضائل میں ان کے ساتھ برابری نہ کر سکے۔ ہم نہیں جانتے کہ جبرئیل نے کیوں غلطی کی اور ابو بکر کی بجائے رسولؐ پر وحی نازل کیوں کی؟

یہاں جو کچھ اس موضوع پر بیان کیا گیا وہی کافی ہے کیونکہ اس حوالے سے تمام متعلقہ اقوال کو بیان کرنا بہت زیادہ کوشش اور طویل فرصت کا متقاضی ہے۔

کیا عمیر بن ابی وقاص اولین مسلمانوں میں سے تھے؟

یہاں پر ابن ہشام لکھتا ہے کہ عمیر ابن ابی وقاص اسلام کے سابقین میں سے تھے۔ (۱) لیکن یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ انہی لوگوں کا قول ہے کہ عمیر جنگ بدر میں سولہ سال کی عمر میں شہید ہوگئے۔ پس بعثت کے وقت ان کی عمر ایک سال بنتی ہے۔ (۲) اس صورت میں وہ کس طرح اسلام میں سبقت لینے والوں میں سے ہو سکتے ہیں؟

ابو قحافہ کا قبول اسلام

ایک روایت میں آیا ہے کہ جب آنحضرتؐ چالیس سال کی عمر میں نبوت کے مقام پر مبعوث ہوئے تو حضرت ابو بکر نے اڑتیس سال کی عمر میں آپؐ کی تصدیق کی اور جب وہ چالیس سال کے ہوئے تو انھوں نے کہا: "رب اوزعنی ان اشکر نعمتک التی انعمت علی و علی والدی" (۳) یعنی اے پروردگار مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر

۱۔ سیرۃ ابن ہشام ج۱ ص ۲۷۲

۲۔ تہذیب الاسماء و اللغات ج۲ ص ۳۹ اور الاصابہ ج۳ ص ۳۶

۳۔ فتح القدیر ج۵ ص ۱۱۸ اور الغدیر ج۷ ص ۳۲۷ جس میں فتح القدیر سے اور

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر نازل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کے والدین تمام اولاد سمیت دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ روایت درج ذیل دلائل کی روشنی میں درست نہیں ہے۔

۱۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت ابو بکر بعثت کے چند سال بعد ایمان لے آئے اور اس وقت ان کی عمر ۴۵ برس کے قریب تھی۔

۲۔ ابو قحافہ نے آٹھویں ہجری (یعنی فتح مکہ کے سال) میں اسلام قبول کیا اور ان کی ماں نے بعثت کے ساتویں سال اسلام کا کلمہ پڑھا۔ (جیساکہ وہ کہتے ہیں) حضرت ابو بکر کی اولاد کا مسئلہ بھی واضح ہے یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے جنگ بدر یا احد میں اپنے باپ (ابو بکر) کو مقابلے کے لئے للکارا۔ پس یہ بات کیسے کی جا سکتی ہے اللہ تعالیٰ نے بعثت کے دو سال بعد اسلام کی نعمت انھیں اور ان کے والدین کو عطا کی اور انھوں نے خدا سے دعا کی کہ انھیں اس نعمت پر شکر ادا کرنے کی توفیق عنایت فرمائے؟

دعوت کے مراحل

بعض لوگوں کے نظریے کے مطابق دعوت کے چار مراحل گزرے ہیں۔

۱۔ خفیہ دعوت کا مرحلہ جو تین یا پانچ سالوں پر مشتمل تھا۔

۲۔ فقط زبان سے اور طاقت و قوت بازو کے بغیر دعوت کا مرحلہ جو ہجرت تک جاری رہا۔

۳۔ تلوار کی مدد سے اسلام کی دعوت کی مدد کا مرحلہ یہ مرحلہ صلح حدیبیہ تک جاری رہا۔

۴۔ اسلام کے راستے میں رکاوٹ بننے والے ہر فرد سے جنگ و قتال کا مرحلہ خواہ مذکورہ

الکشاف ج۳ ص ۹۹ سے نقل ہوا ہے۔ تفسیر قرطبی ج۲ ص ۱۹۴-۱۹۳

الریاض النضرۃ ج۱ ص ۴۷ مرقاۃ الاصول ص ۱۲۱ تفسیر الخازن ج۴ ص ۱۳۲

تفسیر النسفی تفسیر خازن با حاشیہ ج۴ ص ۱۳۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لوگ بت پرست اور مشرک ہوں یا دوسرے گروہ۔ اس بنا پر دعوت کی بنیاد استوار ہوئی اور حکم جہاد وجود میں آیا۔ (۱)

خفیہ مرحلہ

جب سے رسول اکرمؐ مبعوث ہوئے اسلام کی تبلیغ در پردہ جاری رہی جو بھی مسلمان ہوتا وہ اپنے اسلام کو مخفی رکھتا تھا اور وہ اسلامی تعلیمات کو کھلم کھلا انجام نہیں دیتے تھے۔

پہلے تین سال تک تبلیغ کو مخفی رکھنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ آنحضرتؐ کو اپنی جان کا خطرہ تھا بلکہ آپؐ کی دعوت کے مستقبل کی حفاظت پیش نظر تھی مبادا مسلح جنگ تک نوبت آ جائے اور اسلام کو ابتدا ہی میں کچل دیا جائے۔ اس مقصد کے لئے آپؐ کو مختلف قبائل سے مومنین کے مختلف گروہ تشکیل دینے کی ضرورت تھی جو اس عقیدے کے حامل اور اس کی حفاظت کرنے والے ہوں تاکہ اسلام کے دشمن ان کا جلد صفایا نہ کر سکیں۔

چنانچہ آنحضرتؐ کا ہدف یہ تھا کہ توانائیاں ضائع نہ ہوں، کوششیں بے سود ثابت نہ ہوں اور مومنین کے متفرق ہونے اور آخرکار ان کی ہلاکت کی نوبت نہ آئے۔ اسی طرح دعوت کا یہ مرحلہ خدا اور آنحضرتؐ کی رسالت پر ایمان لانے والوں کی نظریاتی اور معنوی تربیت اور آنے مشکلات اور مصائب کے لئے انہیں آمادہ کرنے کے لئے تھا۔

چونکہ رسول اکرمؐ ایک جامع تبدیلی لانا چاہتے تھے اور ایک ہمہ گیر تحریک کی انہیں قیادت کرنا تھی اس لئے انہیں اپنی قوتوں کو جمع کرنے کا ضرور موقعہ ملنا چاہیے تھا جن کے ذریعے اتنے بڑے اور عظیم ہدف کا حصول ممکن نہ ہوتا۔ اور یہ قوتیں بھی اپنے آپ کو موثر صورت میں باقی رکھ سکتیں اور اس ذریعے سے مقاصد کی تکمیل ہوتی۔

۱۔ بوطی کی فقہ سیرۃ ص ۹۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نبی اکرمؐ اور دار الارقم

کہا گیا ہے کہ جب مسلمانوں کی تعداد تیس تک پہنچ گئی تو ان کے درمیان اسلام کو مخفی رکھنا نہایت مشکل ہوگیا۔ بعض مسلمان اسلامی فرائض اور احکام کی ادائیگی کے لئے مکے سے باہر دروں اور پہاڑوں میں چلے جاتے اور بعض مشرکین بھی ان کی تاک لگا کر بیٹھ جاتے اور انہیں اذیت و آزار پہنچاتے تھے جس کے نتیجے میں انفرادی جھڑپیں رونما ہوتی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ کچھ مسلمان نماز کی ادائیگی کے لئے مکے کے باہر ایک درے میں گئے ہوئے تھے اس دوران کفار قریش کا ایک گروہ ان کی تاک میں تھا اور ان کا پیچھا کر رہا تھا۔ جب مسلمان نماز میں مشغول ہوگئے تو وہ گروہ ظاہر ہوا اور مسلمانوں کے ساتھ لڑائی پر اتر آیا۔ ان کے عمل کو برا بھلا کہا اور گتھم گتھا ہو گئے۔ راوی کے بقول سعد بن ابی وقاص نے اونٹ کی ہڈی سے ایک مشرک پر وار کر کے اسے زخمی کر دیا اور یہ پہلا خون تھا جو اسلام کی راہ میں بہایا گیا۔ (۱)

لیکن زبیر (یعنی ابن بکار) نے کہا ہے کہ طلیب پہلا وہ شخص ہے جس نے اسلامی تاریخ میں نبی اکرمؐ کی خاطر ایک مشرک کو سب سے پہلے زخمی کیا کیونکہ جب اس نے سنا کہ "عوف بن صبرۃ السہمی" رسولؐ اللہ کو دشنام دے رہا ہے تو اس نے اونٹ کی ہڈی اٹھا کر اس کے سر پر دے ماری اور اسے مجروح کر دیا۔ (۲) ایک اور موقع پر دو مشرکوں نے نماز کی خاطر درے کی طرف جانے والے دو مسلمانوں کا تعاقب کیا پھر ان کے درمیان لڑائی جھگڑا ہوا۔ (۳)

۱۔ تاریخ طبری ج۲ ص ۶۲ سیرۃ ابن ہشام ج۱ ص ۲۸۲ البداء و النہایۃ ج۳ ص ۳۷ سیرۃ حلبیہ ج۱ ص ۲۸۳ دحلان کی سیرۃ نبویہ ج۱ ص ۹۹

۲۔ الاصابہ ج۲ ص ۲۳۳

۳۔ البلاذری ج۱ ص ۱۱۷

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

گویا یہ چھوٹے چھوٹے واقعات اس بات کا موجب بنے کہ حضور اکرمؐ نے اپنے اصحاب کی خفیہ سرگرمیوں اور اپنی دعوت کا مرکز ارقم کے گھر کو قرار دیا، (۱) جو صفا پر واقع تھا تاکہ وہ مشرکین کی نظروں سے دور عبادات اور دیگر احکام بجا لا سکیں اور نماز کی بجا آوری کے لئے دروں میں نہ جاتے پھریں۔

وہ گھر آپؐ کی سرگرمیوں اور تحریک کا مرکز بنا رہا اور آپؐ ایک ماہ تک وہاں سے باہر نہ نکلے (۲) اور کہا گیا ہے کہ جب تک مسلمانوں کی تعداد چالیس تک نہ پہنچ گئی آپؐ وہاں سے خارج نہ ہوئے (۳) بعض نے اس سے بیشتر اور بعض نے کم تر عدد کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد آپؐ وہاں سے نکلے اور پھر اسلام کی دعوت صلائے عام کے درجے پر آ گئی یوں آنحضرتؐ نے دعوت کے نئے مرحلے کا آغاز کیا جو سخت ترین، خطرناک ترین، مشکل ترین اور مصائب و آلام سے لبریز مرحلہ تھا۔

البتہ بعض محققین نے احتمال دیا ہے کہ رسول خداؐ صرف ایک بار یا چند بار ارقم کے گھر گئے لیکن سیاسی ہاتھوں نے اس مسئلہ میں تحریف کر دی تاکہ ارقم کے گھر کو شعب ابی طالب کا ہم پلہ ثابت کریں اور یہ بات اس خاص سیاسی سوچ رکھنے والوں کے ہاتھوں بعید نہیں ہے جس کا ہم نے گذشتہ صفحات پر ذکر کیا اور اس سے آپ کو آگاہ کیا ہے۔

۱۔ الاصابہ ج۱ ص ۲۸ اور الاستیعاب الاصابہ کا حاشیہ ج۱ ص ۱۰۷ کے مطابق وہ ساتواں مسلمان تھا۔ یا یہ کہ دس مسلمانوں کے بعد مسلمان ہوا۔

۲۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ (ص) وہاں چار سال تک رہے۔ رجوع کریں سیرۃ حلبیہ ج۱ ص ۲۸۳ دحلان سیرہ نبویہ ج۱ ص ۹۹

۳۔ الاصابہ ج۱ ص ۲۸ سیرہ حلبیہ ج۱ ص ۲۸۵ دحلان کی سیرہ نبویہ ج۱ ص ۹۹ الاصابہ کا حاشیہ الاستیعاب ج۱ ص ۱۰۸

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قریش اور رسولؐ اللہ دعوت کے خفیہ مرحلہ کے دوران

مشرکین ابتداء سے ہی رسول اکرمؐ کی نبوت کے مسئلے سے واقف تھے لیکن شروع میں انھوں نے اسے کوئی زیادہ اہمیت نہیں دی کیونکہ شاید ان کے خیال میں یہ مسئلہ اتنا اہم نہیں تھا مگر یہ کہ پہلے مرحلے میں صرف ایک قبیلے کے امتیاز کا مسئلہ ضرور تھا لیکن وہ خبروں سے بتدریج باخبر ہوتے رہتے تھے اور کہتے تھے کہ عبد المطلب کا لڑکا آسمانوں کی باتیں کرتا ہے۔

حضرت ابوذرؓ کا قبول اسلام

خفیہ دعوت کے دوران حضرت ابوذر چوتھے یا پانچویں شخص ہیں جو اسلام لے آئے۔ (۱)

جب حضرت ابوذر کو بعثت نبوی کی خبر ملی تو انھوں نے تحقیق کے لئے اپنے بھائی کو مکہ بھیجا وہ واپس لوٹا مگر ان کا دل مطمئن نہ ہوا۔

حضرت ابوذر خود مکے کی طرف روانہ ہوئے انھوں نے سوچا کہ مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ کسی سے رسول خداؐ کے بارے میں کھل کر سوال نہ کیا جائے۔ حضرت علیؑ نے انھیں مسجد الحرام کے احاطے میں لیٹے ہوئے دیکھا اور سمجھ لیا کہ یہ کوئی اجنبی (مسافر) ہے انھیں اپنے گھر لے گئے اور تین دن تک انھیں اپنا مہمان بنائے رکھا اس دوران میں ان سے کچھ نہ پوچھا۔ تین دن کے بعد حضرت ابوذر نے حضرت علیؑ سے رسولؐ اللہ کے بارے میں سوال

۱۔ بیہقی دلائل النبوہ ج۱ ص ۴۸۵ طبقات ابن سعد ج۴ حصہ اول ص ۱۶۳ حلیۃ الاولیاء ج۱ ص ۱۵۷ مستدرک الحاکم ج۳ ص ۳۴۲ الاستیعاب حاشیہ الاصابہ ج۱ ص ۲۱۳ الاصابہ ج۴ ص ۶۳ اسدالغابہ ج۵ ص ۱۸۶ الغدیر ج۸ ص ۳۰۸-۳۰۹ جس میں بعض مذکورہ مآخذ اور شرح صغیر مناوی ج۵ ص ۴۲۳ سے نقل کرتے ہیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کیا۔ حضرت علیؑ انھیں آپ کی خدمت میں مخفی طور پر لے گئے وہ اس طرح کہ ان سے کہا کہ وہ چپکے سے پیچھے پیچھے چلے آئیں اور اگر کوئی خطرہ محسوس کریں تو کسی کام میں مشغول ہو جائیں یا اپنے جوتے درست کرنے لگ جائیں۔

حضرت ابوذر ایمان لانے کے بعد مسجد الحرام گئے اور وہاں بلند آواز سے کہا "اشہد ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ"۔ مشرکین ان پر ٹوٹ پڑے اور انھیں اتنا مارا کہ آپ زمین پر بے حس و حرکت ہوکر گر پڑے۔ اس کے بعد حضرت عباس بیچ میں آگئے اور انھوں نے مشرکین کو مزید مارنے سے روکا اور کہا کیا تم نہیں جانتے کہ وہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے اور تمہارا تجارتی راستہ شام کی طرف ہے؟ کفار نے انھیں چھوڑ دیا لیکن دوسرے دن پھر ابوذر نے گذشتہ دن والا عمل دہرایا اور عباس نے انھیں نجات دلائی۔ (۱) اس بارے میں اور بھی روایات موجود ہیں جن کے بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

حضرت ابوذر مار کھانے کے بعد آنحضرتؐ کے پاس گئے اور کہا یا رسولؐ اللہ قریش نے مجھے مارا ہے میں جب تک ان سے انتقام نہیں لوں گا انھیں نہیں چھوڑوں گا۔ اس کے بعد وہ پیغمبرؐ سے رخصت ہوئے اور "عسفان" میں قیام پذیر ہوگئے وہاں پر جب غلہ لے کر قریش کے قافلے گزرتے تو وہ "ثنیۃ غزال" کی گھاٹی میں انھیں ڈراتے۔ اونٹ ڈر کر بھاگتے اور اپنے اوپر لدا ہوا سامان نیچے گرا دیتے۔ اس کے بعد جب وہ غلے کو اٹھانا چاہتے تو

۱۔ یہ اس واقعہ کا خلاصہ ہے جو بخاری مطبوعہ ۱۳۰۹ ج ۲ ص ۲۰۶-۲۰۴ پر بیان ہوا ہے۔ اسی طرح رجوع کریں البدایہ و النہایہ ج۳ ص ۳۳ حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۱۵۹ مستدرک الحاکم ج۳ ص ۳۳۹ الغدیر ج۸ ص ۳۱۰-۳۰۹ جس میں بعض گذشتہ مصادر سے نقل کرتے ہیں۔ صحیح مسلم ج۷ ص ۱۵۶ طبقات ابن سعد ج۴ پہلا حصہ ص ۱۶۲-۱۶۱ نیز ۱۶۵-۱۶۴ الاصابہ ج۴ ص ۶۳ الاستیعاب حاشیہ الاصابہ ج۴ ص ۶۳ اور ابونعیم دلائل النبوۃ ج۲ ص ۸۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

حضرت ابوذر اپنی قوم سے کہتے کہ کسی کو بھی ایک دانہ اٹھانے نہ دیں مگر یہ کہ وہ "لا الہ الا اللہ" کہے وہ بھی اس پاک کلام کو پڑھتے اور اپنی بوریاں اٹھا لیتے۔ (۱)

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ "ابوذر ایک بہادر اور شجاع انسان تھا وہ اکیلا ہی راہزنی کرنے جاتا تھا وہ صبح کے وقت ایک درندے کی طرح قافلوں پر جھپٹ پڑتا کبھی سوار ہو کر اور کبھی پیادہ ... روایت کے مزید الفاظ یہ ہیں کہ وہ قریش کے قافلوں کو روک لیتا اور انھیں کہتا کہ جب تک "لا الہ الا اللہ و محمد رسول اللہ" نہیں کہو گے تمھاری اجناس کو واپس نہیں دوں۔ وہ پیغمبر اکرمؐ کی ہجرت اور جنگ بدر و احد کی جنگوں تک یونہی کرتا رہا اس کی بعد مدینے چلا گیا اور وہاں سکونت اختیار کر لی"۔ (۲)

قبیلہ غفار کے نصف حصے نے حضرت ابوذر کے ہاتھوں اسلام قبول کیا اور باقیوں نے وعدہ کیا کہ وہ آنحضرتؐ کی مدینہ ہجرت کے وقت اسلام لے آئیں گے۔ (۳) حضرت ابوذر دور جاہلیت میں بھی خدا پرست تھے وہ "لا الہ الا اللہ" کہتے تھے اور بتوں کی پرستش نہیں کرتے تھے ان کے بارے میں کہا گیا ہے کہ انھوں نے پیغمبر اکرمؐ کی بعثت سے چند سال قبل نماز پڑھی۔ (۴)

۱۔ طبقات ابن سعد ج۴ پہلا حصہ ص ۱۶۴

۲۔ طبقات ابن سعد ج۱ پہلا حصہ ص ۱۶۵ نیز ذہبی کی تاریخ الاسلام ج۲ ص ۱۰۰

۳۔ طبقات ابن سعد ج۴ حصہ اول ص ۱۶۳ اور ذہبی کی تاریخ الاسلام ج۲ ص ۱۰۰ پر رجوع کریں

۴۔ طبقات ابن سعد ج۴ ص ۱۶۳ حلیۃ الاولیاء ج۱ ص ۱۵۷ یہاں پر ہماری ایک اور کتاب "دراسات و بحوث فی التاریخ و الاسلام" میں ابوذر سے متعلقہ گفتگو کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ابوذر کے قبول اسلام کے واقعے سے حاصل ہونے والے نتائج

۱۔ حضرت ابوذر کا بتوں کی پوجا نہ کرنا، فقط اس لئے تھا کہ یہ عمل انسانی عقل اور پاکیزہ فطرت کے منافی ہے بشرطیکہ بیرونی عوامل اس کے قلب و بصیرت پر پردے نہ ڈال چکے ہوں۔

قرآن نے بھی بت پرستی کے خلاف جدوجہد میں اور خدا کی طرف توجہ دلانے کے لئے عقلوں کو بیدار کرنے اور فطرتوں کو متوجہ کرنے سے زیادہ کوئی کام انجام نہیں دیا جو شخص بھی قرآن کی آیات کا ملاحظہ کرے وہ دیکھے گا کہ قرآن نے فطرت کی طرف رجوع اور عقل کے فیصلوں کو بہت زیادہ اہمیت دی ہے۔ اسلام اس حوالے سے حتمی فیصلہ کرنے کا اختیار عقل اور فطرت کو دیتا ہے۔

۲۔ حضرت علیؑ کا مخفی طریقہ کار تاکہ مشرکین ان کی حرکات و سکنات کی طرف متوجہ نہ ہوں اور ان کا ابوذر کو آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچانے کا انداز ان کے حسن بصیرت اور حسن تدبیر پر دلالت کرتا ہے حالانکہ وہ اس وقت ایک نوجوان تھے یہ امر ان کے دوسرے تجربہ کار افراد پر برتری کی تائید کرتا ہے۔ اسی طرح حضرت ابوذر جو ایک دانا اور سمجھدار انسان تھے، کا حضرت علیؑ کے قول پر اعتماد اور ان کی دعوت پر ان کا مہمان بن جانا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؑ میں ایسی حکمت اور بصیرت دیکھ لی تھی جو انہوں نے دوسروں میں نہ پائی تھی اگرچہ عمر کے لحاظ سے ان میں اور دوسروں میں بہت زیادہ فرق تھا۔

علیؑ ایک طرف تو حضرت ابوذر کو خطرے سے بچانا چاہتے تھے اور دوسری طرف خفیہ دعوت کے راز کو بھی محفوظ رکھنا چاہتے تھے البتہ دوسری بات زیادہ اہم تھی کیونکہ فرد پر دعوت حق کو قربان نہیں کیا جا سکتا البتہ دعوت پر فرد کو قربان کیا جا سکتا ہے۔ البتہ یہ قربانی اس وقت دی جائے جب اس کی ضرورت ہو اور اس کے بغیر چارہ نہ ہو ورنہ بعض صورتوں میں فائدے کی بجائے زیادہ نقصان اٹھانا پڑتا ہے یا کم از کم یہ کام توانائی ضائع کرنے کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مترادف ہوتا ہے جس کی ان کو کسی وقت شدید ضرورت پڑ سکتی ہے۔

۳۔ قریش نے حضرت ابوذر کے ساتھ جو سلوک کیا اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ان کے اور رسول اللہ کے درمیان کشمکش تھی کیونکہ اس وقت چپقلش کا آغاز نہیں ہوا تھا بلکہ قریش نے حضرت ابوذر کے اقدام کو ایک قسم کا چیلنج، اپنی عزت و بزرگی پر تجاوز اور اپنی تحقیر سمجھا اس کے علاوہ ان کے پاس مذکورہ عمل کی معقول توجیہہ موجود نہ تھی۔

۴۔ حضرت ابوذر کے اس طرح قریش سے انتقام نے ان پر ذہنی دباؤ ڈالا اور انہیں بتایا کہ وہ دوسروں کے ساتھ اپنی مرضی کا سلوک نہیں کر سکتے کیونکہ دوسروں کے پاس بھی قریش پر دباؤ ڈالنے کے موثر ذرائع موجود ہیں جن کے مقابلے میں ان کے پاس کوئی چارہ کار اور حل نہیں ہے۔

۵۔ قبیلہ غفار اور اسلم کو اسلام کی دعوت دینے میں حضرت ابوذر کا کامیاب ہونا اور ان کو اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ اپنے فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے گندم کی بوریاں (قریش سے) چھین لیں۔ یہ بات ان کی بلند ہمتی، بصیرت اور عاقلانہ سوچ کی غمازی کرتی ہے اور یہ کہ انھوں نے آسمانی مشن کے ان برحق اہداف کا ادراک کر لیا تھا جن پر وہ ایمان لے آئے تھے۔ اسی طرح اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ وہ خود اس سلسلے میں اپنی ذمہ داریوں سے آگاہ تھے اور ان کو بطرز احسن عملی جامہ پہناتے تھے۔

۶۔ حضرت رسول اکرمؐ کے دعوائے نبوت کی صداقت کو جانچنے کے لئے حضرت ابوذر کی بھرپور کوششیں، اور اس مسئلے کی تحقیق کے لئے ان کا پہلے اپنے بھائی کو بھیجنا پھر خود چل پڑنا اور تین دن تک پیغمبر اکرمؐ کی تلاش میں رکنا، یہ سب ان کے اندرونی شوق کی وجہ سے تھا جو انہیں حق کی جانب اور اس پر عمل کرنے کے لئے کھینچ لایا تھا اور یہ امر ہمارے صالح علماء کی بات کی تائید کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ عقل ہی دفع ضرر اور حصول منفعت کے طریقوں کو سیکھنے کا حکم لگا سکتی ہے۔ بلکہ یہ ایک فطری مسئلہ ہے جو ہر انسان کی طبیعت میں رکھا گیا ہے۔ یہاں تک کہ کوئی بچہ آگ کی تپش کو محسوس کرے تو آپ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دیکھیں گے کہ وہ نہ صرف یہ کہ اس کے قریب جانے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ اس کی تمام تر کوشش یہ ہوگی کہ اپنے آپ کو اس سے دور رکھے۔

۷۔ حضرت ابوذر سے حضرت علیؑ کا رویہ اس حقیقت کی عکاسی کرتا ہے کہ یہ نوجوان جو ابھی ظاہری طور پر سن بلوغ کو بھی نہیں پہنچا تھا کیونکہ اس نے دس یا بارہ سال کی عمر میں دعوت اسلام پر لبیک کہا تھا، اس قدر خود اعتمادی اور اطمینان خاطر کا مالک تھا کہ وہ حضرت ابوذر کو اپنی مہمانی کی دعوت دیتا ہے اور مسلسل تین دن تک اس کی میزبانی کرتا ہے۔ پھر بھی بچہ ابوذر کو رسالتمآبؐ کی خدمت میں نہایت محتاط طریقے اور بڑی ہوشیاری کے ساتھ لے جاتا ہے اور اس سے تین دن تک یہ پوچھتا کہ اس نے کیوں سفر اختیار کیا مبادا وہ یہ محسوس نہ کرلے کہ اس کا میزبان تنگدست ہوگیا ہے یا اس سے تنگ آگیا ہے وہ چاہتا تھا کہ اس مدت میں ابوذر اس اجنبی شہر سے مانوس ہوجائے اور اطمینان کا سانس لے تاکہ وہ مزید سکون جسم و جان کے ساتھ اپنی غرض و غایت بیان کرسکے جس کی خاطر وہ اس شہر میں آیا تھا۔

۸۔ حضرت ابوذر کا برملا اسلام کا اظہار کرتے ہوئے اور اپنے آپ کو مار پیٹ اور اہانت کے لئے پیش کرنا ان کے اسلام پر افتخار اور دین کی راہ میں ایثار و قربانی کے لئے ان کی آمادگی اور ان کے سچے جذبات کی علامت ہے دوسری طرف اس امر سے حق کی دعوت کے مقابلے میں قریش کی دشمنی اور خشم کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس بات کو بھی فراموش کر دیتے ہیں کہ جس شخص کو وہ مار رہے ہیں وہ شاید شام کی طرف جانے والے ان کے تجارتی قافلوں کے لئے مشکلات کھڑی کر دے جس کے نتیجے میں ان کے لئے معاشی بد حالی پیدا ہو جائے۔ ہاں وہ یہ سب کچھ بھول جاتے ہیں اور ان کو مارنے کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں اور پھر اگر اسے چھوڑتے بھی ہیں تو انسانی جذبے کے تحت نہیں بلکہ اپنے مالی اور معاشی خطرات کے پیش نظر اس پر رحم کھاتے ہیں اور یہ بات قریش کی فکری سطح اور ان کی خود پسندی کو مکمل طور پر واضح کرتی ہے۔ انسان کے لئے انانیت اور خود پسندی سے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

زیادہ خطرناک اور کوئی چیز نہیں ہے یہ انسان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دیتی ہے تاکہ وہ حق کو نہ دیکھ سکے مگر بغض و کینہ کے ساتھ اور یوں وہ حق کے مشاہدے اور راہ مستقیم سے محروم رہتا ہے۔

آخر میں یہ عرض کرتے چلیں کہ ہم جلد ہی مشاہدہ کریں گے کہ قریش کے مقابلے میں حضرت ابوذر کے دلیرانہ اور بے باکانہ اور بے مثال اقدام کو دوسرے اصحاب مثلاً حضرت ابو بکر یا گاہے حضرت عمر کی نسبت دینے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ لیکن اس قسم کی کوششیں صحیح نہیں ہو سکتیں۔ اس بات کا شاید ہم مناسب موقعے پر تذکرہ کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تیسری فصل

اسراء اور معراج

www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina
jabir.abbas@yahoo.com

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسراء و معراج

نبی اکرمؐ کی بعثت کے بعد اور خفیہ دعوت کے دوران کا عرصہ جو تین یا پانچ سال پر مشتمل تھا، قرآن مجید کی تصریح کے مطابق قول اقوی کی رو سے اسراء اور معراج کا واقعہ پیش آیا۔ یعنی پہلے آپ کو بیت المقدس کی سیر کرائی گئی اور پھر وہاں سے آپ آسمانوں کی طرف لے جائے گئے۔ اس حوالے سے بہت ساری روایات بھی منقول ہیں۔

ان دو واقعات کی اکثر جزئیات کے بارے میں حتمی رائے دینا مشکل ہے مگر طویل اور عمیق بحث و تحقیق کے بعد کیونکہ اس واقعے اور اس کی تفاصیل میں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ راویوں اور قصہ گوؤں بلکہ دشمنان اسلام کی طرف سے بہت سی باتوں کا اضافہ کیا گیا ہے اور بعض باتوں میں تحریف کی گئی ہے تاکہ دین اسلام کا چہرہ داغدار کیا جائے اور اسے افسانوں اور خرافات کا مجموعہ ظاہر کیا جائے اس لئے ہم اختصار کے پیش نظر اس واقعے کی حقیقی تصویر کشی نہیں کر سکتے لہذا جہاں جہاں مناسب ہو اس کے بعض پہلوؤں کی طرف اشارہ کرنے پر ہی اکتفا کریں گے۔

اسراء اور معراج کی تاریخ

مشہور یہ ہے کہ اسراء اور معراج کا واقعہ ہجرت سے تھوڑا ہی عرصہ پہلے پیش آیا۔ بعض کے بقول چھ ماہ پہلے اور بعض کے نزدیک یہ واقعہ بعثت کے دسویں یا گیارہویں یا

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بارہویں سال پیش آیا اور کچھ لوگ اسے ہجرت کے بعد بھی سمجھتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض افراد کے نزدیک یہ واقعہ بعثت کے دوسرے سال وقوع پذیر ہوا۔ (۱) کچھ افراد کے خیال میں پانچویں سال اور بعض افراد کے نظریے کے مطابق بعثت کے تیسرے سال یہ واقعہ پیش آیا اور ہماری نظر میں یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

شاید ابن عساکر کا نظریہ بھی ہمارے قول کے قریب قریب ہو کیونکہ وہ کہتا ہے کہ "پیغمبر اکرمؐ کا مسجد اقصیٰ کی سیر کرنا بعثت کے پہلے سال واقع ہوا" جیساکہ ابن کثیر نے اس سے نقل کیا ہے۔ (۲) مغلطای چند اقوال نقل کرنے کے بعد کہتا ہے "کہا گیا ہے کہ اسراء کا واقعہ بعثت کے پانچ سال بعد وقوع پذیر ہوا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعثت کے ڈیڑھ سال بعد واقع ہوا اور عیاض کہتا ہے کہ بعثت کے پندرہ ماہ بعد رونما ہوا"۔ (۳)

ملا علی قاری کہتا ہے "نووی نے کہا ہے کہ اکثر قدماء و محدثین اور فقہاء کا یہ نظریہ ہے کہ معراج کا واقعہ بعثت کے سولہ ماہ بعد واقع ہوا۔ (۴)

ابن شہر آشوب نے کہا ہے کہ "بعثت کے نویں سال واقعہ معراج ہوا، اس کے بعد پنجگانہ نمازیں واجب ہوئیں" (۵) لیکن انہوں نے واضح طور پر اس کی تاریخ کو معین نہیں کیا ہے۔

۱۔ بحار الانوار ج۱۸، ص ۳۱۹ کتاب العدد سے منقول، دوسرے مختلف مآخذ میں زہری سے نقل کیا گیا ہے۔

۲۔ البدایہ و النہایہ ج۳ ص ۱۰۸

۳۔ سیرہ مغلطای ص ۲۷

۴۔ شرح الشفاء قاری ج۱ ص ۲۲۲

۵۔ ابن شہر آشوب کی مناقب ج۱ ص ۴۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دیار بکری کہتا ہے کہ "زہری نے پیغمبر اکرمؐ کے واقعہ معراج کی تاریخ کے بارے میں کہا ہے یہ کہ بعثت کے پانچ سال بعد پیش آیا۔ قاضی عیاض نے بھی اسی کی حکایت کی ہے نیز قرطبی اور نووی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے وقوع پذیر ہوا ہے"۔ (۱)

وہ شواہد جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ اسراء اور معراج کا واقعہ بعثت کے ابتدائی سالوں میں پیش آیا ہے مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ گزشتہ تمام اقوال خصوصاً نووی اور زہری وغیرہ کے بیانات۔

۲۔ ابن عباس سے منقولہ روایت کہ یہ واقعہ، بعثت کے دو سال بعد پیش آیا (۲) اور شاید یہ قول زہری اور دوسروں کے قول کے مخالف بھی نہ ہو البتہ یہ اس صورت میں ہے جب ابن عباس نے پہلے تین سالوں کو اس اعتبار سے شمار نہ کیا ہو کہ لوگوں کو ڈرانے کا حکم عام تین سال گزرنے کے بعد آیا تھا۔

۳۔ حضرت امیر المومنین علیؑ سے منقول ہے کہ واقعہ اسراء، مبعث کے تین سال بعد واقع ہوا ہے۔ (۳) یہ قول صحیح ترین اور معتبر ترین قول ہے۔ جیساکہ جلد واضح ہوجائے گا۔

۴۔ جو قول ابن عباسؓ، سعد بن مالک، سعد بن ابی وقاصؓ، امام صادقؑ اور عائشہ سے نقل ہوا ہے وہ اس مطلب پر بطور قطعی دلالت کرتا ہے اور وہ یہ کہ جب حضرت عائشہ نے رسول اکرمؐ کی اپنی بیٹی حضرت زہرا سیدۃ النساء سلام اللہ علیہا کو بکثرت چومنے پر سرزنش کی

۱۔ تاریخ الخمیس ج۱ ص ۳۰۷

۲۔ بحار الانوار ج ۱۸ ص ۳۱۹ اور ۳۸۱ از مناقب ابن شہر آشوب (ج۱ ص ۱۷۷) تاریخ یعقوبی ج۱ ص ۲۶ جس میں کہتا ہے کہ اسراء بعثت کے بعد اور انذار سے پہلے کا واقعہ ہے۔

۳۔ بحار الانوار ج۱۸ ص ۳۷۹ جس میں الخرایج و الجرایح سے نقل کیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تو آنحضرتؐ نے فرمایا: ہاں! عائشہ جب مجھے رات کو سیر کرائی گئی اور میں آسمان پر گیا تو جبرئیل مجھے بہشت کے اندر لے گیا اور مجھے تناول کرنے کے لئے ایک سیب دیا، میں نے اسے کھایا وہ میری صلب میں نطفے میں تبدیل ہوگیا جب میں واپس آیا تو خدیجہ سے ہمبستر ہوا اور فاطمہ اس نطفے کا حاصل ہے۔ وہ انسانوں کے درمیان ایک حور ہے میں جب جنت کا مشتاق ہوتا ہوں تو اسے چوم لیتا ہوں۔ (۱)

اور گذشتہ گفتگو میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ الزہرا سلام اللہ علیہا کی ولادت باسعادت بعثت کے پانچ سال بعد ہوئی تھی۔ پس اسراء و معراج اس تاریخ سے نو ماہ پہلے واقع ہونی چاہیئے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے دو سال پہلے واقع ہوئی ہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس نطفے کو اپنے مقام پر اس کے استقرار کی اجازت دی ہو۔

۵۔ سورہ بنی اسرائیل بعثت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے جس کے درج ذیل

۱۔ تاریخ بغداد ج۵ ص ۸۷ المواہب اللدنیہ ج۲ ص ۲۹ خوارزمی مقتل الحسین ص ۶۳-۶۴ ذخائر العقبی ص ۳۶ میزان الاعتدال ج۲ ص ۲۹۷ و ۱۶۰ مستدرک الحاکم ج۳ ص ۱۵۶ اور ذہبی کی تلخیص مستدرک مجمع الزوائد ج ۶ ص ۲۰۲ ینابیع المودۃ ص ۹۷ نزہۃ المجالس ج۲ ص ۱۶۹ مناقب المغازلی ص ۳۵۸ بحارالانوار ج۱۸ ص ۳۱۵، ۳۵۰، ۳۶۴، المحتضر ص ۱۳۵، علل الشرائع ص ۷۲ تفسیر القمی ص ۳۳۱، ۲۳۲ مرعشی کی ملحقات احقاق الحق ج۱۰ ص ۱-۱۱ جو سابقہ مآخذ میں سے بعض سے نیز محاضرات الاوائل ص ۸۸ سے منقول ہے نظم درر السمطین ص ۷۷، ارجح المطالب ص ۲۳۹ وسیلۃ المال ص ۷۸-۷۹ اعراب ثلاثین سورہ ص ۱۲۰ کنز العمال ج ۱۳ ص ۹۷ اور ج ۳ ص ۹۴ مفتاح النجاء ص ۹۸ (خطی) اخبار الدول ص ۸۷ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۸، ۲۵۳ اور ج۲ ص ۲۶ اور ۸۳۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دلائل ہیں۔

الف۔ بخاری اور دوسروں نے روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد "و لاتجہر بصلاتک و لاتخافت بہا" (اپنی آواز کو نماز میں نہ بلند اور نہ آہستہ رکھو) جو سورہ بنی اسرائیل میں ہے، مکے میں نازل ہوا اور اس وقت نازل ہوا جب آنحضرتؐ خفیہ دعوت کے دور سے گزر رہے تھے اس دور میں آنحضرتؐ اصحاب کے ساتھ نماز پڑھتے وقت قرآن کو بلند آواز سے پڑھتے تھے جب مشرکین اسے سنتے تو قرآن، اس کے بھیجنے والے اور لانے والے کو برا بھلا کہتے تھے۔ (۱)

محقق روحانی نے یہ جواب دیا ہے کہ شاید آپ اس وقت شعب ابی طالبؑ میں مخفی تھے لیکن ہم ان کی بات پر یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ شعب ابی طالبؑ میں وہ چھپے نہیں تھے بلکہ وہاں ان کا محاصرہ ہوا تھا بنابرایں لفظ خفاء سے تعبیر کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہ مسئلہ اوائل بعثت کا ہے۔ اور اس سورہ میں مشرکین کے عقائد و نظریات پر جو حملہ کیا گیا ہے وہ سورہ کے اوائل بعثت میں نزول کے منافی بھی نہیں ہے۔

ب۔ رسالہ "الواعی الاسلامی المغربیہ" (۲) میں کسی نے جو یہ بات کی ہے کہ سورہ بنی اسرائیل، سورہ حجر سے تین سورتوں کے بعد نازل ہوئی ہے۔ (۳) اور سورہ حجر نبوت کے مخفیہ دور میں نازل ہوئی ہے اس میں آیا ہے کہ "فاصدع بما تومر و اعرض عن

۱۔ صحیح بخاری مطبوعہ سال ۱۳۰۹ ج۳ ص ۹۹ الدر المنثور ج۴ ص ۲۰۶ جس میں صحیح بخاری، مسلم، احمد، ترمذی، نسائی، سعید بن منصور، ابن جریر، ابن ربی حاتم، ابن حبان، ابن مردویہ، طبرانی اور بیہقی سے نقل کیا گیا ہے۔

۲۔ شمارہ ۱۶۳ ص ۵۶

۳۔ رجوع کریں: الاتقان ج۱ ص ۱۱ اور تاریخ القرآن زنجانی ص ۳۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

المشرکین" (جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے ظاہر کرو اور مشرکین سے منہ پھیر لو) یعنی وہ امر جو دین کے اظہار اور آشکار ہونے کا سبب بنتا ہے۔

محقق روحانی نے یہاں پر پھر اشکال کیا ہے کہ یہ سورہ مشرکین اور نبی اکرمؐ کے درمیان جھگڑوں اور لڑائی کی حکایت کرتی ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ شاید یہ سورت بتدریج نازل ہوئی ہو، اس کا آغاز اوائل بعثت میں ہوا ہو اور اس کی تکمیل اس وقت ہوئی ہو جب پیغمبر اکرمؐ مشرکین کے ساتھ رودرو ہوئے اور ان کی طرف سے دھمکیاں دی گئیں۔

نیز سورہ بنی اسرائیل، کہف اور مریم کے بارے میں ابن مسعود کا قول بھی سورہ بنی اسرائیل کے شروع میں نازل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ "یہ قدیمی سورتیں ہیں جنہیں میں نے بہت پہلے یاد کر لیا تھا" (۱) اور ابن مسعود حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں شامل تھے، یہ اس وقت حبشہ سے مدینے ہجرت کر کے آئے جب آنحضرتؐ جنگ بدر کی تیاریاں کر رہے تھے۔ (۲)

۶۔ سورہ نجم جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس میں معراج کا تذکرہ بھی آیا ہے، اوائل بعثت میں اور بائیسویں اور تیئیسویں سورت کے بعد نازل ہوئی ہے اور اس کے بعد چونسٹھ سورتیں مکے میں نازل ہوئی ہیں۔ (۳)

جھوٹ اور خرافات پر مبنی افسانہ غرانیق کی بحث میں ان کے اس قول کا ذکر آگے چل کر ہوگا کہ یہ سورت ہجرت حبشہ کے صرف تین ماہ بعد نازل ہوئی ہے جبکہ ہجرت حبشہ بعثت کے پانچویں سال واقع ہوئی تھی۔

۱۔ صحیح البخاری مطبوعہ ۱۳۰۹ ج۳ ص ۹۶ الدر المنثور ج ۴ ص ۱۳۶ از بخاری و ابن الضریس و ابن مردویہ

۲۔ فتح الباری ج ۷ ص ۱۴۵

۳۔ رجوع کریں: الاتقان ج۱ ص ۱۰، ۱۱ اور ۲۵۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بلکہ اس بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ سب سے پہلی سورت تھی جو نبی اکرمؐ نے مومنین اور مشرکین سب پر آشکارا طور پر تلاوت کی۔ (۱) البتہ سورہ نجم کی آیات کے واقعہ معراج سے مربوط ہونے پر اعتراض کیا جا سکتا ہے۔

ان نکات کے علاوہ یہ بات بھی واقعہ معراج کے اوائل بعثت میں واقع ہونے کی تائید کرتی ہے کہ جب آنحضرتؐ معراج کی رات اوپر لے جائے گئے تو ملائکہ ایک دوسرے سے پوچھتے تھے کہ یہ مبعوث ہوگئے ہیں (۲) یہ اس حقیقت کی طرف نشاندہی کرتی ہے کہ واقعہ معراج آغاز بعثت میں وقوع پذیر ہوا نہ کہ دس یا بارہ سال گزرنے کے بعد کیونکہ اس وقت تک آپؐ کی نبوت کے چرچے اہل آسمان کے درمیان عام ہو چکے تھے اگرچہ یہ شہرت بعثت کے پہلے دنوں میں بھی ممکن ہے۔

اس مطلب کی ایک اور تائید بلکہ دلیل یہ ہے کہ اسراء کا واقعہ حضرت ابوطالب کی وفات سے پہلے ہوا تھا۔ بعض روایات بیان کرتی ہیں کہ اس رات حضرت ابوطالب نے رسول اللہ کو نہ پایا۔ مسلسل تلاش کرنے کے بعد انہیں پا لیا۔ اس کے بعد وہ ہاشمی خاندان کے افراد کو ہمراہ لے کر مسجد الحرام میں گئے اور حجر الاسود کے ساتھ کھڑے ہو کر اپنی تلوار نیام سے نکال کر تان لی اور ان سے بھی کہا کہ اپنی تلواریں نیام سے نکال لو پھر قریش کی طرف رخ کر کے فرمایا اگر میں آپؐ کو نہ پاتا تو تم سب کو قتل کر دیتا۔ قریش کہنے لگے ہمارے بارے میں بہت بڑے عمل کا ارتکاب کرتے۔ (۳)

ایک اور روایت بھی اسی بات کی تائید کرتی ہے وہ یہ ہے کہ "جبرئیل نے رسولؐ اللہ

۱۔ تفسیر المیزان ج۱۹ ص ۲۶

۲۔ مجمع الزوائد ج ۱ ص ۷۰-۶۹ البزار نیز المواہب اللدنیہ (ج۲ ص ۶) اور تاریخ الخمیس ج۱ ص ۳۱۰

۳۔ مناقب ابن شہر آشوب ج۱ ص ۱۸۰ اور بحارالانوار ج۱۸ ص ۳۸۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سے واپسی پر عرض کی کہ "خدا اور میری طرف سے حضرت خدیجہ کو سلام پہنچانا" (۱) اور حضرت عمر سے منقول ہے کہ رسول اکرمؐ نے فرمایا: کہ "میں خدیجہ کے پاس واپس لوٹ آیا جبکہ اس نے ابھی پہلو بھی نہیں بدلا تھا"۔ (۲)

یہ تمام امور دلالت کرتے ہیں کہ معراج النبیؐ کا واقعہ شیخ الابطح حضرت ابوطالبؑ اور ام المومنین حضرت خدیجہ (ع) کی وفات سے پہلے پیش آیا اور یہ دو عظیم ہستیاں بعثت کے دسویں سال اس جہان فانی سے رخصت ہوئیں پس یہ کس طرح ممکن ہے کہ معراج کا واقعہ بعثت کے گیارہویں یا بارہویں سال یا اس کے بعد کے سالوں میں پیش آیا ہو؟

قابل توجہ نکتہ

جب یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ اسراء اور معراج کا واقعہ بعثت کے تیسرے سال یعنی قبل اس کے کہ مسلمانوں کی تعداد چالیس تک پہنچے وقوع پذیر ہوا تو اس سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابوبکر کے اسلام لانے سے بہت پہلے پیش آیا کیونکہ وہ اس وقت ایمان لائے تھے جب مسلمانوں کی تعداد پچاس تک پہنچ چکی تھی، بلکہ ان کا قبول اسلام نبوت کے سال پنجم کے لگ بھگ تھا یعنی پیغمبر اکرمؐ اور قریش کے درمیان کشیدگی اور آمنا سامنا ہونے کے بعد۔ گویا وہ اس کشیدگی کے بعد سب سے پہلے مسلمان ہیں۔

جب اسراء اور معراج کا واقعہ حضرت ابوبکر کے اسلام قبول کرنے سے بہت عرصہ پہلے کا ہے تو پھر ان کے بارے میں صدیق کا لقب پانے کے حوالے سے جو کچھ کہا گیا ہے اسے قبول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جھوٹے "انہوں نے معراج کے واقعہ پر آنحضرتؐ کی

۱۔ بحارالانوار ج۱۸ ص ۳۸۵ جسے عیاشی نے زرارہ، حمران بن اعین اور محمد بن مسلم سے اور اس نے امام صادقؑ سے نقل کیا ہے۔

۲۔ تاریخ الخمیس ج۱ ص ۳۱۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تصدیق کی تو انھیں صدیق کا لقب دیا گیا"۔ (۱) اور نہ اس بات کو قبول کیا جاسکتا کہ "معراج پر جاتے وقت ایک فرشتے نے حضورؐ سے ابوبکر کی آواز میں بات چیت کی۔ (۲)

صحیح بات یہ ہے کہ اس فرشتے نے حضرت علیؑ کی صورت میں آنحضرتؐ سے گفتگو کی تھی۔ جیساکہ مناقب خوارزمی (ص ۳۷) میں آیا ہے اور محدثین نے اس قسم کی بعض روایات کے جھوٹے ہونے کی تصریح کی ہے۔ (۳)

اسی طرح اس نکتے سے ان تمام فضائل کی بھی تکذیب ہو جاتی ہے جو نبوت کے پہلے تین سالوں کے حوالے سے حضرت ابوبکر سے منسوب کئے جاتے ہیں۔

اسراء اور معراج خواب میں یا بیداری میں

بعض افراد معتقد ہیں کہ اسراء صرف روحانی امر تھا جو عالم خواب میں واقع ہوا وہ بطور دلیل حضرت عائشہ کی یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ "ما فقدت جسد رسول اللّٰہ (ص)" (۴)

۱۔ تاریخ الخمیس ج۱ ص ۳۱۵ المواہب اللدنیہ ج۲ ص ۳۰ مستدرک الحاکم اور ابن اسحاق

۲۔ المواہب اللدنیہ ج۲ ص ۳۰-۲۹

۳۔ رجوع کریں: الغدیر ج۵ ص ۳۰۳، ۳۲۳ و ۳۲۵ مولف ان جھوٹی روایات اور ان کی تکذیب کو ان کتابوں سے نقل کرتے ہیں۔ میزان الاعتدال ج۱ ص ۳۴۰ لسان المیزان ج۵ ص ۲۳۵ تہذیب التہذیب ج۵ ص ۱۳۸ علاوہ برایں سیوطی کی الموضوعات اور ابن حبان و ابن عدی نے بھی انہیں نقل کیا ہے۔

۴۔ تاریخ الخمیس ج۱ ص ۳۰۸ المواہب اللدنیہ ج۲ ص ۲ بحارالانوار ج۱۸ ص ۲۹۱ اور مناقب ابن شہر آشوب ج۱ ص ۱۷۷ میں ذکر ہوا ہے کہ "جہمیۃ" نے بھی نقل کیا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

یعنی رسولؐ اللہ کا جسم مجھ سے جدا نہ ہوا۔

نیز معاویہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اس نے کہا یہ ایک اچھا اور مناسب خواب تھا۔ (۱) اور انھوں نے یہی مضمون حسن بصری سے بھی نقل کیا ہے۔

لیکن صحیح نظریہ وہ ہے جو مذہب امامیہ اور اکثر مسلمین کا عقیدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ واقعہ اسراء النبیؐ روحانی بھی تھا اور جسمانی بھی۔ اسی طرح واقعہ معراج کے بارے میں بھی مسلمانوں کی اکثریت کا یہ نظریہ ہے کہ وہ روحانی اور جسمانی دونوں لحاظ سے واقع ہوا تھا اس بارے میں ہم درج ذیل امور کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

۱۔ قسطلانی کہتا ہے "جواب دیا گیا ہے کہ عائشہ نے جو بات کی ہے اس کا اس نے مشاہدہ نہیں کیا تھا کیونکہ اس وقت تک وہ مختلف اقوال کی رو سے یا تو پیغمبرؐ کی بیوی نہیں بنی تھیں اور ان کی اتنی عمر بھی نہیں تھی کہ وہ اس واقعے کا ادراک کر سکتیں یا یہ کہ اس وقت وہ پیدا ہی نہیں ہوئی تھیں۔ (۲) رہی بات معاویہ کی، تو کتاب کے مقدمے سے اس کی صورت حال واضح ہو جاتی ہے۔

۲۔ ارشاد الٰہی ہے: "سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی" (سورہ بنی اسرائیل، آیت ۱) یعنی "پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو مسجد الحرام سے مسجد الاقصیٰ تک رات کو سیر کرائی"۔

اسی طرح سورہ نجم میں آیا ہے (البتہ اس صورت میں جبکہ یہ آیات معراج کی طرف اشارہ کرتی ہوں اور ان کے اندر ضمائر پیغمبر اکرمؐ کی طرف لوٹتی ہوں نہ کہ جبرئیل کی طرف) "فکان قاب قوسین او ادنی فاوحی الی عبدہ ما اوحی" (سورہ نجم، آیت ۲۸) یعنی پس وہ

۱۔ بحارالانوار ج ۱۸ ص ۲۹۱ اور المقاصد اور اس کی شرح سے منقول اور تاریخ الخمیس ج۱ ص ۳۰۸

۲۔ المواہب اللدنیہ ج۲ ص ۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نزدیک ہوا وہ قوس کمان جتنا یا اس سے بھی نزدیک تر اور اللہ نے اپنے بندے پر جو وحی کی سو کی۔ "عبد" کا لفظ جسم اور روح دونوں پر اکٹھا اطلاق ہوتا ہے اگر ایسا واقعہ پیغمبر اکرمؐ کے ساتھ خواب کی حالت میں پیش آیا تھا تو آیت یوں فرماتی "بروح عبدہ و الی روح عبدہ"۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا دوسرا ارشاد ہے "ما زاغ البصر و ما طغی" (اس کی آنکھ منحرف نہ ہوئی اور نہ اس نے سرکشی کی) یہ قول بھی ظاہری آنکھ پر دلالت کرتا ہے۔ (۱)

مزید برآنکہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت اور سورہ نجم کی آیات بیان منت کے طور پر نازل ہوئی ہیں ان میں خدا کی حمد و ثناء بیان ہوئی ہے اور اس کی عجیب قدرت کا تذکرہ ہے اور یہ کسی لحاظ سے بھی پیغمبر اکرمؐ کے خواب دیکھنے سے مناسبت نہیں رکھتا کیونکہ غیر نبی حتیٰ کہ ایک فاسق بھی ایسا یا اس سے بھی زیادہ عجیب خواب دیکھ سکتا ہے۔

علاوہ ازیں عام لوگوں کی نظر میں خواب، اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت پر دلالت نہیں کرتا کیونکہ بسا اوقات اسے خیالات اور اوہام سے تعبیر کیا جاتا ہے پس اس صورت میں اسراء اور معراج کا مقصد فوت ہو جاتا ہے اور یہ واضح سی بات ہے۔ (۲)

۳۔ اگر نبی کریم کی سیر ایک اچھا اور شائستہ خواب ہو تو پھر اس میں معجزے کی بات ہی نہ ہوتی اور اس صورت میں مشرکین اور مخالفین اس کا انکار نہ کرتے اور مسلمانوں میں سے بھی کوئی اس کا انکار کر کے مرتد نہ ہوتا۔ اس بارے میں ہم آئندہ بحث کریں گے۔

۴۔ اگر یہ واقعہ صرف خواب ہوتا تو حضرت ابوطالب اور دوسرے ہاشمی انہیں تلاش نہ کرتے اور عباس انہیں اطراف میں آوازیں نہ دیتے جیساکہ بعض روایات میں آیا ہے تاکہ پیغمبر اکرمؐ اسے کسی طرف سے جواب دیتے۔

۱۔ اس استدلال کے حوالے سے رجوع کریں: بحارالانوار ج۱۸ ص ۲۸۶ از رازی المواہب اللدنیہ ج۲ ص ۴ اور تاریخ الخمیس ج۱ ص ۳۰۸

۲۔ رجوع کریں: تفسیر المیزان ج ۱۳ ص ۲۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

رسالت مآبؐ کے جسمانی و روحانی اسراء کا انکار کرنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ منکرین اس کو سمجھنے سے عاجز ہیں یا پیغمبرؐ کی کرامات کو محو کرنا مقصود ہے جیساکہ کتاب کے مقدمے میں اس کا ذکر گزر چکا ہے یا اس کا سبب یہ ہے کہ وہ اس پیچیدہ امر کی لوگوں کے سامنے وضاحت نہیں کر سکتے یا اسے انہیں نہیں سمجھا سکتے۔

اسراء اور معراج قرآن کی روشنی میں

ہم قرآن مجید کی اس آیت سے استناد کرتے ہوئے واقعہ اسراء پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "سبحان الذی اسری بعبده لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی الذی بارکنا حوله لنریه من آیاتنا" (سورہ بنی اسرائیل، آیت ۱) یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے رات کو اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی جس کے گرد ہم نے برکت مہیا کر رکھی ہے تاکہ ہم اپنی نشانیاں اسے دکھائیں۔ یہاں پر آیت صرف واقعہ اسراء پر دلالت کرتی ہے۔

لیکن معراج کے بارے میں قرآن نے صراحت کے ساتھ کوئی بات نہیں کی ہے۔ جس کا ذکر سورہ نجم کی آیات کی تفسیر کے حوالے سے سوائے اس کلام کے ہوا ہے۔ آیات یہ ہیں۔ "ذومرة فاستوی و ھو بالافق الاعلی ثم دنا فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی فاوحی الی عبده ما اوحی ماکذب الفواد ما رای" (سورہ نجم، آیت ۱۲-۶) یعنی جو بڑا زبردست ہے اور جب یہ (آسمان کے) اونچے (مشرقی) کنارے پر تھا تو وہ (اپنی اصلی صورت میں) سیدھا کھڑا ہوا پھر قریب ہوا اور آگے بڑھا۔ تب دو کمان کا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی قریب تھا۔ پھر خدا نے اپنے بندے کی طرف وحی بھیجی سو بھیجی۔ ان کے دلوں نے تکذیب نہ کی اس چیز کی جس کا اس نے مشاہدہ کیا۔ بشرطیکہ ہم یہ کہیں کہ ان آیات میں موجودہ ضمائر نبی اکرمؐ کی طرف لوٹتی ہیں نہ "ذو مرة" کی طرف جو جبرئیل ہیں جبکہ آیت کا ظاہر یہ ہے کہ ضمیر جبرئیلؑ کی طرف لوٹتی ہے لیکن امام رضاؑ سے منقول صحیح

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور معتبر سند والی روایت پہلے معنی پر دلالت کرتی ہے اور روایت خود اسی سورہ کی انہی آیات سے استشہاد اور استدلال کرتی ہے۔

قرآن کی یہ آیت بھی اس معنی پر دلالت کرتی ہے نیز ان کی وضاحت بھی کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ "و لقد رآہ بالافق المبین" (سورہ التکویر، ۲۳) یعنی بتحقیق اس نے اسے افق روشن پر دیکھا"۔

معراج کے مسئلے میں متعدد روایات نقل ہوئی ہیں بلکہ ان کا قطعی تواتر معراج کے بارے میں کسی قسم کی شک و تردد کی گنجائش باقی نہیں چھوڑتا لہذا ہم ان روایات کی بنیاد پر معراج پر بھی عقیدہ رکھتے ہیں۔

رہی بات سورہ بنی اسرائیل کی آیت اور معراج کو ثابت کرنے والی روایات میں تضاد کی کیونکہ آیت کے مطابق سیر کا اختتام مسجد الاقصیٰ پر ہوگیا تھا اور اس کے بعد کوئی سیر نہیں تھی تو یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ یہاں پر کیفیت اور مقصد کے لحاظ سے دو مختلف سفر درپیش تھے پہلے سفر کی انتہا مسجد اقصیٰ پر ہوئی لیکن آیت میں دوسرے سفر کے ذکر کی کوئی وجہ نہیں تھی۔

ایک سوال اور اس کا جواب

قرآن نے "اسراء" کی جس طرح تصریح کی ہے "معراج" کے بارے میں اس قسم کی تصریح کیوں نہیں کی؟

شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ "اسراء" حواس خمسہ کے قریب ہے اس لحاظ سے اس کی تصدیق بھی جلدی اور آسانی کے ساتھ ہو سکتی تھی لیکن اس کے باوجود اسراء کی تصدیق لوگوں کے لئے مشکل اور دشوار بن گئی چنانچہ وہ اس کا مذاق اڑا کر اور اسے برا بھلا کہہ کر اپنے بغض و کینے اور دل کی بھڑاس نکالتے تھے حالانکہ آپؐ نے راستے میں موجود قافلے کے بارے میں انہیں بتایا تھا اور یہ بھی کہ انہوں نے اپنا اونٹ گم کر دیا تھا نیز یہ کہ فلاں

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وقت اونٹنی کا پاؤں ٹوٹ گیا تھا بعد میں ان سب باتوں کی صداقت سب پر واضح ہوگئی تھی علاوہ ازیں نبی کریمؐ نے بیت المقدس کے بارے میں چھوٹی چھوٹی باتیں بھی انہیں بتائیں اور انہوں نے ان تمام باتوں کی درستی اور صداقت کو بھی جان لیا تھا وہ یہ بھی جانتے تھے کہ رسول اللہ نے اس سے پہلے بیت المقدس کو نہیں دیکھا تھا۔

اسی طرح جب آنحضرتؐ نے اسراء کے بارے میں انہیں بتایا تو بعض کمزور ایمان والے مسلمان مرتد ہوگئے (۱) حالانکہ یہ واقعہ پیغمبر اکرمؐ کے قاطع معجزات اور واضح براہین میں سے تھا پس جب اسراء کے بارے میں ان کا یہ حال تھا تو پھر اس وقت کیا حال ہوتا جب آنحضرتؐ انہیں ایسی خبر دیتے جو ان کے ذہنوں سے بعید تر اور بیگانہ تر ہوتی یعنی آپ آسمانوں کے سفر اور کائنات کے ان عجائبات کے بارے میں بتاتے جن کا آپ نے مشاہدہ کیا تھا۔

اس لئے ہماری رائے کے مطابق آنحضرتؐ نے اسراء اور معراج کی باتیں انہیں بتدریج بتائیں اس طرح کہ پہلے انہیں اسراء کی خبر دی لیکن معراج کی بات صرف اپنے مومن دوستوں کو بتائی جو اس کا ادراک اور اسے تحمل کر سکتے تھے۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ مناسب اوقات میں وقت کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے دوسرے لوگوں کو بھی اس سے آگاہ فرمایا۔

گذشتہ باتوں سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جب رسالتمآبؐ لوگوں کو ظلمات سے نور کی طرف لانے اور گمراہی سے نکال کر صراط مستقیم پر ڈالنے کے لئے آئے تھے تو

۱۔ عبدالرزاق المصنف ج۵ ص ۳۲۸ تفسیر ابن کثیر ج۳ ص ۲۱، اسے ابونعیم نے نقل کیا ہے منتخب کنزالعمال حاشیہ مسند احمد ج۴ ص ۳۵۳ حیاۃ الصحابہ ج ۳ ص ۴۳ جس میں بعض سابقہ حوالوں سے نقل ہوا ہے تاریخ الخمیس ج۱ ص ۳۰۸ اور ۳۱۵ اور المواہب اللدنیہ ج۲ ص ۳۰

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

واضح سی بات ہے کہ انھیں ایماندار لوگوں کی حفاظت کا بھی اہتمام کرنا چاہیے تھا اور انھیں ایسے مشکل مسائل میں نہیں ڈالنا چاہیے تھا جو ان کی سمجھ سے بالا تر تھے اور جہاں وہ انحراف کے خطرے سے بچاؤ کی توانائی بھی نہیں رکھتے تھے اور یہ بات واضح ہے کہ اگر آنحضرتؐ واقعہ معراج کو ایسے افراد کے سامنے بیان کرتے جو اسے سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھتے تھے اور اس کے تمام پہلوؤں کا ادراک نہ کر سکتے تھے اور نتیجتاً وہ مرتد ہو جاتے تو وہ معذور شمار ہوتے خصوصاً جب اس واقعے کی تصدیق کرنے کے لئے ایمان کے اعلیٰ درجات پر فائز ہونے کی ضرورت ہو۔

البتہ اسراء کے واقعے کی خبر مطلوبہ نتیجے کی حامل ہو سکتی تھی یعنی ایک خاص قسم کے معجزاتی پہلو تک پہنچا سکتی تھی اس کے علاوہ اس مسئلے کو سمجھانے کے لئے حسیاتی دلائل سے استدلال کرنا ممکن تھا۔ اس کا قبول کرنا معراج سے زیادہ آسان ہے اور اس کے لئے ایمان کے بلند درجے کی بھی ضرورت نہیں ہے چنانچہ اس صورت میں اس گروہ کے مرتد ہونے اور عناد برتنے کا کوئی بہانہ باقی نہیں رہتا۔

لاتدرکہ الابصار

بعض افراد نے قرآن کی درج ذیل آیات سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ نبی اکرمؐ نے معراج کے دوران اللہ تعالیٰ کا ظاہری آنکھوں سے نظارہ کیا۔ آیات یہ ہیں: "افتمارونہ علی ما یری و لقد راہ نزلۃ اخری عند سدرۃ المنتہی" (سورہ نجم، آیت ۱۲-۱۴) یعنی کیا جو کچھ اس نے دیکھا ہے اس پر تم اس سے جھگڑا کرتے ہو سچی بات یہ ہے کہ اس نے دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہی کے پاس اسے دیکھا۔

انھوں نے اسی بات کو ابن عباس سے بھی نقل کیا ہے بلکہ نقاش نے احمد بن حنبل سے یہ روایت کی ہے کہ انھوں نے کہا کہ میں ابن عباس کی روایت سے استناد کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ پیغمبرؐ نے ظاہری آنکھوں سے اسے دیکھا ہے، دیکھا ہے اس وقت تک

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اسے دہراتے رہے یہاں تک کہ ان کی سانس ٹوٹ گئی۔ (۱)

ہم یہاں پر حدیث رویت کے بارے میں بحث نہیں کرنا چاہتے ہمارے بزرگ اور جلیل القدر علماء نے اللہ تعالیٰ کو ظاہری آنکھوں سے دیکھنے کو اس طرح سے محال اور نا ممکن ثابت کیا ہے کہ کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔

ہمارے علماء نے خدا کی دنیا اور آخرت میں یا صرف آخرت میں رویت کے بارے میں "مجسمہ" کے دلائل کو علمی طریقے سے قطعی طور پر رد کیا ہے۔ اس مطلب سے بیشتر آگاہی کے لئے کتاب "دلائل الصدق" اور اس موضوع پر لکھی گئی دوسری کتب کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔

اس بارے میں ہم صرف اتنی بات کہنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ ابن عباس کی روایت ثابت نہیں ہے کیونکہ اس کے خلاف بھی خود ان سے روایت منقول ہوئی ہے۔ (۲)

نیز حضرت عائشہ سے روایت کی گئی ہے کہ جب "مسروق" نے ان سے پوچھا کہ اے ام المومنین! کیا محمدؐ نے اپنے رب کو دیکھا؟ تو انھوں نے جواب دیا: اس بات سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے ہیں جو بھی تم سے یہ کہے کہ آپؐ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے جھوٹ بولا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے یہ آیت تلاوت کی۔ (۳) "لاتدرکہ"

۱۔ تاریخ الخمیس ج۱ ص ۳۱۴

۲۔ ان سے منقول کثیر روایات کے لئے رجوع کریں الدر المنثور ج٦ ص ۱۲٦-۱۲۲ کی طرف

۳۔ المواہب اللدنیہ ج۲ ص ۴۳ از بخاری اور مسلم، تاریخ الخمیس ج۱ ص ۳۱۳ درالمنثور ج٦ ص ۱۲۴ از عبد بن حمید، ترمذی، ابن جریر، ابن منذر و ابن مردویہ

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

الابصار" یعنی آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں۔

مسلم کہتا ہے کہ حضرت عائشہ نے اضافہ کیا اور کہا کہ انھوں نے خود آنحضرت ؐ سے سوال کیا ہے اور آپ ؐ نے حضرت عائشہ کو یہ جواب دیا کہ میں نے خدا کو نہیں دیکھا صرف جبرئیل کو دیکھا ہے۔ (۱)

ایسی روایات بکثرت ملتی ہیں جو کہتی ہیں کہ سورہ نجم کی آیات میں رویت سے مراد رویت حضرت جبرئیل ؑ ہے اسی طرح ایسی روایات بھی کثیر تعداد میں ملتی ہیں جو کہتی ہیں کہ پیغمبر اکرم ؐ نے اپنے دل کے ذریعے رب کا مشاہدہ کیا نہ ظاہری آنکھ کے ساتھ۔ اس مطلب کے متلاشی شخص کے لئے کافی ہے کہ وہ ان کتب کی طرف رجوع کرے۔ الدر المنثور جلد ۶ صفحہ ۱۲۲ تا ۱۲۶، تاریخ الخمیس جلد ۱ صفحہ ۳۱۳ و ۳۱۴، المواھب اللدنیہ جلد ۲ صفحہ ۳۶ و ۳۷ ان کے علاوہ دیگر متعلقہ مآخذ بہت زیادہ ہیں۔

اگر ہم یہ نہ کہیں کہ آیات صریحاً یہ کہتی ہیں کہ مراد جبرئیل ہیں تو کم از کم آیات کا ظاہر یہی بتاتا ہے کیونکہ آیت کے اس جملے "علمہ شدید القوی" میں "شدید القوی" سے مراد حضرت جبرئیل ہیں پھر اس جبرئیل ؑ جس کی قوت کی اللہ نے اس آیت میں یوں تعریف کی ہے "ذی قوۃ عند ذی العرش مکین" (سورہ تکویر، آیت ۲۰) یعنی وہ صاحب قوت ہے اور مالک عرش کے پاس بلند رتبہ رکھتا ہے۔

دوسری جگہ لفظ "ذو مرۃ" کی تعریف یعنی مضبوط عقل و شعور اور محکم رائے رکھنے والا، (۲) سے کی گئی ہے اور آیت میں "فاستوی" سے مراد یہ ہے کہ وہ شدید طاقت والا ہے

۱۔ المواہب اللدنیہ ج۲ ص ۳۵ از مسلم

۲۔ بعض محققین نے یہ احتمال دیا ہے کہ اللہ تعالی کا جبرئیل کی بڑھ چڑھ کر تعریف کرنا جنوں کے مطیع ہونے کے مقابلے پر ہے کیونکہ وہ اتنے کمزور ہیں کہ انسان ان پر مسلط ہوسکتا ہے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اور وہی ذو مرۃ استوار اور مسلط ہوا جبکہ وہ افق اعلیٰ پر تھا۔

اسی طرح اس آیت میں فرمایا "ثم دنا" یعنی وہی جو عقل و فکر میں شدید تھا وہی افق میں پیغمبرؐ کے نزدیک ہوا اور اس پر نازل ہوا اور پھر اس نے نبی تک وحی پہنچائی۔ یہاں عبدہ کی ضمیر کے رب جلیل کی طرف لوٹنے میں اس لحاظ سے کوئی اشکال نہیں ہے کہ پہلے اس کا مرجع جس کی طرف ضمیر لوٹتی ہو مذکور نہیں کیونکہ اس کا مرجع واضح ہے جیساکہ علامہ طباطبائی نے بھی کہا ہے یا یہ کہ "اوحی الی عبدہ ما اوحی" میں موجود تمام ضمائر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہیں۔ پھر ارشاد ہوتا ہے: "ما کذب الفواد ما رای" یعنی جسے اس نے دیکھا اس کے دل نے اسے نہ جھٹلایا۔

اور جسے دیکھا گیا اس کی بات پہلے ہو چکی ہے یعنی وہی نزدیک ہونا، نازل ہونا اور جبرئیل کا افق اعلیٰ پر استقرار پیدا کرنا اس آیت میں خدا کی رویت پر کوئی چیز دلالت نہیں کرتی۔ یہ مطلب جو اس ارشاد الٰہی میں بیان ہوا ہے اور ہمارے اس دعوے کی دلیل بعد والی یہ آیت ہے۔ "ما زاغ البصر و ما طغی لقد رای من آیات ربہ الکبری" یعنی اس کی دید منحرف ہوئی نہ اس نے غلطی کی اس نے حقیقت میں اپنے پروردگار کی بہت بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کیا۔ (آیت فرماتی ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی آیات کا مشاہدہ کیا نہ ذات پروردگار کا)۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ "افتما رونہ علی ما یری" یعنی کیا تم پیغمبر سے اس بارے میں کہ اس نے جبرئیل کو دیکھا جھگڑا کرتے ہو؟ کیا یہ کوئی مسئلہ عقلی ہے کہ جس میں جدال اور بحث کی جائے؟ جو کچھ اس کی آنکھوں نے دیکھا ہے اسے وہ کیونکر جھٹلائے اور کہے کہ میں نے نہیں دیکھا جبکہ کفار رسول کے اوپر وحی اور فرشتوں کی رویت سے انکار کرتے تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "و لقد رآہ ..." اس میں ضمیر اسی کی طرف جاتی ہے جس کا مسلسل ذکر کیا گیا ہے "نزلۃ اخری" یعنی ایک اور نزول میں جو حضورؐ پر نازل ہوتے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

تھے وہ جبرئیلؑ ہی ہوتے تھے پس انہیں آپؐ نے اس کی شکل و صورت میں، دوسری مرتبہ "سدرۃ المنتہی" کے نزدیک دیکھا۔ سدرہ درخت کی ایک قسم ہے اور یہ دوسرا دیدار زمین پر ہی ہونا چاہیے ورنہ یہ کہنا ضروری تھا کہ دوسری مرتبہ اسے دیکھا پھر آسمان کی طرف لے جائے گئے یہاں تک کہ سدرہ تک پہنچے اور وہاں اسے دیکھا۔

ایسا نظر آتا ہے کہ یہ ملاقات زمین پر ہی انجام پاتی ہے (جیسا کہ بعض محققین کا نظریہ ہے) اور رسول خداؐ کی جبرئیلؑ کے ساتھ ملاقات کی جگہ درخت سدرہ کے پاس تھی اور اس درخت کے پاس جنۃ الماوی موجود ہے یعنی اس درخت کے آس پاس باغ و بستان پائے جاتے ہیں یا یہ کہ آخرت میں جنت اسی علاقے میں ہوگی۔

پس اس بنا پر واضح ہوگیا کہ آیات کا مطمع نظر پیغمبر اکرمؐ کا جبرئیل کو اس کی حقیقی شکل و صورت میں دو دفعہ دیکھنا ہے وہ بھی دو نزولوں میں اور یہی بات امام رضاؑ سے مروی ایک صحیح روایت میں بیان ہوئی ہے۔ اس میں آیا ہے کہ ابوقرہ نے عرض کیا کہ ہم یوں روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالی نے رویت اور تکلم کو دو نبیوں میں تقسیم کیا کلام حضرت موسیٰؑ کے حصے میں آیا اور رویت حضرت محمدؐ کے حصے میں آئی۔

امام رضاؑ نے فرمایا: "فمن المبلغ عن اللہ الی الثقلین من الجن و الانس لاتدرکہ الابصار و لایحیطون بہ علماً و لیس کمثلہ شیئی"؟ الیس محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم؟ قال: بلی"۔ یعنی کس نے یہ بات اللہ کی طرف سے جن و انس تک پہنچائی کہ آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں اس کا علمی احاطہ نہیں کیا جا سکتا اور اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے؟ کیا اسے حضرت محمدؐ نے نہیں پہنچایا؟ اس نے کہا: ہاں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک شخص تمام جنوں اور انسانوں کے پاس آئے اور کہے کہ وہ اللہ کی طرف سے آیا ہے اور بحکم الہی خدا کی طرف انہیں دعوت دے رہا ہے انہیں بتائے کہ آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں اس کا علمی احاطہ ممکن نہیں ہے وہ بے مثل ہے لیکن پھر کہے میں نے اپنی آنکھوں سے اس کا نظارہ کیا ہے اور علمی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لحاظ سے اس کا احاطہ کیا ہے اور وہ بشر کی صورت میں تھا؟ کیا تمھیں شرم نہیں آتی یہ کہتے ہوئے؟ کیا ملحدین اس بنا پر آپؐ کی طرف یہ نسبت نہیں دے سکتے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی بات کرتے ہیں پھر خود ہی اسی بات کی مخالفت کسی دوسری شکل میں کرتے ہیں۔

ابوقرہ نے کہا کہ قرآن فرماتا ہے کہ "و لقد رآہ نزلۃ اخری" یعنی ایک مرتبہ اور اسے دیکھا۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ بعد والی آیت کہتی ہے کہ آپؐ نے جس چیز کا مشاہدہ کیا وہ کیا تھا کیونکہ اس میں ارشاد ہوا ہے۔ "ما کذب الفواد ما رای" جسے اس نے دیکھا دل نے اس کی تکذیب نہ کی یعنی قلب محمدؐ نے تکذیب نہ کی اس چیز کی جس کا مشاہدہ ان کی آنکھوں نے کیا تھا اور اس کے ساتھ ہی جو کچھ انھوں نے دیکھا تھا اس کا ذکر کیا ہے۔ "لقد رای من آیات ربہ الکبری" یعنی اس نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کیا۔ آیات الٰہی اور ذات الٰہی جزا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "و لایحیطون بہ علما" یعنی اس کا علمی طور پر احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ اگر آنکھیں اس کا دیدار کر سکیں تو قطعاً علم نے اس کا احاطہ کر لیا اور اس کی معرفت کو حاصل کر لیا۔

ابوقرہ نے کہا کیا آپ روایات کو جھٹلاتے ہیں؟

امامؑ نے فرمایا: اگر روایات قرآن کی مخالفت میں ہوں تو میں ان کی تکذیب کرتا ہوں جس بات پر مسلمین کا اجماع ہے وہ یہ ہے کہ علم اس پر محیط نہیں ہو سکتا آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں وہ بے مثل اور بے مثال ہے۔ (۱)

اے ابوالحسن! اللہ کا سلام و درود ہو آپ پر، آپ کے آباء اور آپ کے پاک و پاکیزہ فرزندوں پر۔ آپ لوگ ہمیشہ اسلام کے محکم قلعے اسلام کا دفاع کرنے والے اور اسلام کی راہ میں قربانیاں دینے والے رہے ہیں۔ آپؑ ہی اندھیروں کے اجالے، قابل اطمینان پناہگاہ اور اہل دنیا پر خدا کی حجت ہیں۔

۱۔ اصول کافی ج ۱ ص ۷۵-۷۴

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سیر کی ابتداء مسجد سے

قرآن صراحتاً بیان کرتا ہے کہ سیر کا آغاز مسجد سے ہوا بعض روایات میں اس کی ابتداء ام ہانی کے گھر سے بتائی گئی ہے۔ علامہ طباطبائی نے احتمال دیا ہے کہ شاید دو بار سیر کرائی گئی جن میں سے ایک سیر کا آغاز ام ہانی کے گھر سے ہوا ہو۔ یہ بھی احتمال دیا جاتا ہے کہ مسجد الحرام سے مراد بطور مجاز مکہ ہو اور یہ استعمال عام ہے جیساکہ اس آیت میں "ھدیا بالغ الکعبۃ" یعنی وہ قربانی جو کعبہ تک پہنچے یا کوئی یہ کہے کہ فلاں شخص مشہد امام رضاؑ میں رہائش پذیر ہے جبکہ وہ مشہد الرضاؑ کے اردگرد واقع شہر میں ساکن ہے (نہ کہ خود مشہد رضاؑ میں)۔ اسی طرح روایات میں "ذو الحلیفۃ" کو مسجد شجرہ کہا گیا ہے اور یہ بات رائج ہے کہ کسی مقام کو وہاں موجود مشہور اور معروف چیز کا نام دیا جائے جیساکہ بعض محققین نے اس مطلب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (۱)

ایک اور احتمال بھی دیا جاتا ہے کہ اس رات آنحضرتؐ ام ہانی کے گھر سے مسجد کی طرف گئے ہوں اور پھر مسجد سے سیر کے لئے لے جائے گئے ہوں۔

حضرت موسیٰؑ اور پنجگانہ نمازیں

بعض احادیث میں مذکور ہے کہ روزانہ کی پانچ نمازیں معراج کے موقع پر واجب ہوئیں ابتداء میں پچاس نمازیں واجب تھیں جب رسول اللہ معراج سے واپس آرہے تھے تو حضرت موسیٰؑ سے آپؐ کی ملاقات ہوئی پس انہوں نے آنحضرتؐ کو واپس جانے کا اشارہ کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ سے تخفیف کراؤ کیونکہ تمہاری امت اسے برداشت نہیں کر سکتی (جیساکہ بنی اسرائیل برداشت نہ کر سکے تھے) آپؐ واپس گئے اور اللہ تعالیٰ سے نمازیں کم کرنے کی

۱۔ وہ محقق سید مہدی روحانی حسینی مدظلہ العالی ہیں

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کم کر کے چالیس کر دیا۔ رسول گرامیؐ واپس لوٹے پھر حضرت موسیٰؑ سے سامنا ہوا تو انہوں نے پھر کم کروانے کی بات کی آپ نے دوبارہ رعایت کرنے کی درخواست کی تو خدا نے تیس نمازیں کر دیں۔ اسی طرح یہ نمازیں کم ہو کر بیس پھر دس اور پھر پانچ رہ گئیں اس کے بعد رسول خداؐ نے واپس جانے سے شرم محسوس کی جس کے نتیجے میں یہی پانچ نمازیں واجب ہو گئیں۔ (۱)

یہ روایت اگرچہ بعض شیعہ مصادر میں بھی مذکور ہے اور اس کے بارے میں سید مرتضیٰ نے فرمایا ہے کہ "یہ روایت خبر واحد ہے اور موجب علم نہیں ہے علاوہ ازیں یہ تضعیف شدہ ہے"۔ (۲) مگر ہم اس بارے میں چند سوالات کرنے پر مجبور ہیں:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے اتنی نمازیں کیوں کر واجب کیں کہ جو رسول اکرمؐ کے واپس لوٹنے پر اس میں کمی کر دی؟ اگر حکمت و مصلحت پچاس میں تھی تو پھر کم کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے اور اگر پانچ میں تھی تو پھر ابتداء میں پچاس پھر چالیس پھر تیس اور آخر میں پانچ نمازیں واجب کرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی اور بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ ہر مرتبہ پانچ نمازوں کی کمی ہوتی گئی۔

۱۔ یہ روایت تاریخ و حدیث کی مختلف غیرشیعہ کتب میں بیان ہوئی ہے اس لئے ہم حوالہ جات لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ شیعہ علماء (خدا ان کے درجات کو بلند کرے اور اپنی رحمتیں ان پر نازل فرمائے) کی کتب میں بھی مذکور ہیں، رجوع کریں۔ بحار الانوار ج۱۸ ص ۳۳۰، ص ۳۳۵، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۵۰ اور ۴۰۸ از امالی صدوق (صفحہ ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۳ اور ۲۴۵) اور توحید صدوق (صفحہ ۱٦٤ و ۱٦۸) علل الشرائع (صفحہ ۵۵ و ۵٦) اور الخصال (جلد ۱ ص ۲۹)

۲۔ تنزیہ الانبیاء ص ۱۲۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سید مرتضی نے جواب دیا ہے کہ شاید ابتداء میں مصلحت پچاس نمازوں میں ہی تھی لیکن آنحضرتؐ کے واپس جانے سے مصلحت تبدیل ہوگئی ہو اور آخرکار مصلحت پانچ نمازوں میں منحصر ہوگئی۔ (۱)

لیکن اس جواب پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ جب نبی اکرمؐ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مصلحت و حکمت کی بنا پر قانون جاری کرتا ہے تو پھر آپؐ کے واپس جانے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کیونکہ گویا آپ کا عمل ایسے قانون کا تقاضا تھا جو مصلحت کے مطابق نہ ہو۔ علاوہ ازیں حضرت موسیٰؑ جو سبب بیان کرتے ہیں وہ ہے امت کی عدم توانائی، اس سے یوں لگتا ہے کہ ان کی نظر میں یہ حکم بھی خلاف مصلحت تھا حالانکہ محال ہے کہ اللہ اس قسم کا عمل انجام دے۔

۲۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حکم کی ادائیگی میں امت کی عدم توانائی کو نہ سمجھا لیکن حضرت موسیٰؑ نے اسے سمجھ لیا؟ کیا تکلیف بما لایطاق (نا قابل برداشت چیز کا حکم دینا) جائز ہے؟ جبکہ یہ عقل و نقل کے خلاف ہے؟ خصوصاً اللہ تعالیٰ کے اس قول کے خلاف ہے: "یرید اللہ بکم الیسر و لایرید بکم العسر" یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے نہ کہ سختی۔ نیز اس فرمان کے بھی مخالف ہے "و ما جعل علیکم فی الدین من حرج" یعنی خدا نے ہرگز دین کے معاملے میں تم پر تنگی نہیں کی، اور اسی طرح کی دوسری آیات بھی موجود ہیں۔ ان باتوں سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل کو توان و قدرت سے زیادہ حکم دینا ممکن نہیں ہے۔

۳۔ کس طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے سلسلے میں اس ناکام تجربے کو بھلا دیا اور اسی تجربے کو دوبارہ حضرت محمدؐ کی امت کے لئے دہرانا چاہا؟ اور شاید یہی تجربہ حضرت ابراہیمؑ کے سکوت کی دلیل تھا جیساکہ مختلف روایات کی رو سے آپؐ دس یا بیس مرتبہ ان کے پاس

۱۔ تنزیہ الانبیاء ص ۱۲۱

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سے گزرے (۱) لیکن انہوں نے آپ ؐ سے کسی چیز کے بارے میں نہ پوچھا اور نہ ہی کسی چیز کا حکم دیا، آخر انہوں نے اس پے درپے آمد و رفت کے بارے میں کیوں نہ پوچھا؟

۴۔ ہمارے پیارے نبی ؐ اس مسئلہ کی طرف کیوں نہ متوجہ ہوئے لیکن حضرت موسیٰ ؑ اسے جان گئے؟ اور کیوں آپ پانچ یا چھ دفعہ اس مسئلے سے غافل رہے اور نہ جان سکے کہ یہ مقدار مناسب نہیں یہاں تک کہ حضرت موسیٰ ؑ چند مرتبہ آپ ؐ کے راستے میں بیٹھنے پر مجبور ہوئے اور اگر وہ نہ ہوتے تو امت مسلمہ مشکل میں پڑ جاتی؟

۵۔ یوں اللہ تعالیٰ نے خود ہی پانچ نمازوں تک کمی نہ کر دی تاکہ پیغمبر اکرم ؐ بار بار آنے جانے کی تکلیف سے بچ جاتے؟

اسراء اور معراج میں تعجب

یہاں اس بات کی طرف اشارہ ضروری ہے کہ اسراء اور معراج کے واقعے کو نا قابل قبول قرار دیتے ہوئے یہ کہنا درست نہیں ہے کہ ہزاروں میل کی طویل مسافت طے کر کے جانا اور آنا وہ بھی ایک رات میں، نا قابل تصور ہے یہ اعتبار غلط ہے۔

کیونکہ تخت بلقیس چشم زدن میں یمن سے سرزمین شام میں حضرت سلیمان ؑ کے سامنے پیش کیا گیا اور ایک جن اس کام کو حضرت سلیمان کے اپنی جگہ سے اٹھنے سے پہلے انجام دینے کے لئے تیار تھا۔

آج کے دور میں آنحضرت کے اسراء اور معراج کی تصدیق اور تائید کہیں زیادہ آسان ہوگئی ہے اور اس کا ثابت کرنا بہت زیادہ سہل ہوگیا ہے خصوصاً اس محدود اور کمزور انسان

۱۔ کیونکہ روایات یہ بتاتی ہیں کہ حضرت ابراہیم ساتویں آسمان پر تھے اور حضرت موسیٰ چھٹے آسمان پر اور حضرت موسیٰ آنحضرت (ص) کو واپس بھیجتے رہے تاکہ نمازوں میں کمی کراسکیں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کی اس ایجاد کے بعد کہ جس کے ذریعے وہ ایک سیکنڈ میں تیرہ کلومیٹر کا سفر طے کر لیتا ہے۔ کوئی بعید نہیں ہے کہ مستقبل میں یہ مسافت چند گنا بڑھ جائے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ روشنی کی رفتار تقریباً تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے۔

بلکہ بعض سائنسدانوں کا نظریہ ہے کہ بعض نامرئی امواج ایسی ہیں جو اجسام کی قوت جاذبہ سے نکلتی ہیں وہ ایک لمحے میں وقت کی ضرورت کے بغیر پورے عالم کا چکر لگا سکتی ہیں۔

جب اس کمزور انسان کے لئے اتنی تیز رفتاری کے ساتھ لمبے لمبے فاصلے طے کرنا محال نہیں ہے جبکہ وہ سالہا سال کے تجربات اور تفکر کے بل بوتے پر ایسا کرنے کے قابل ہوا ہے تو کیا کائنات اور انسان کے خالق یعنی موجودات کے مبدا کے لئے ممکن نہیں ہے کہ وہ اپنے برگزیدہ بندے کو جسے اس نے تمام بشریت کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے ایک رات میں مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ اور آسمانوں کی سیر کرائے اور پھر اسے اپنی جگہ پر پہنچا دے؟

اسراء اور معراج کے مقاصد

اگر ہم چاہیں کہ اسراء اور معراج کے تمام اہداف و مقاصد، معجزات، اثرات اور حکمتوں سے آگاہ ہوں تو پھر ہمیں متعلقہ نصوص کے تمام فقرات اور مراحل کا نہایت دقت اور باریک بینی سے مطالعہ کرنا ہوگا البتہ صحیح نصوص کو مشخص کرنے کے بعد چونکہ اختصار کے پیش نظر یہاں ان سب کا ذکر نہ صرف مشکل بلکہ نا ممکن ہے لہذا مجبوراً ہم درج ذیل موارد کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

اول: اسراء اور معراج ایک عظیم اور ہمیشہ رہنے والا معجزہ ہے، بشر ابد تک اس کا مقابلہ کرنے یا اس کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہے گا شاید آج بیسویں صدی میں اس کے بعض معجزانہ پہلو زیادہ واضح طور پر سامنے آئے ہیں یعنی اس دور میں جب انسان کائنات کے بعض رازوں اور عجائبات سے آگاہ ہو چکا ہے اور خلائی سفر میں پیش آنے والی مشکلات اور

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

رکاوٹوں کو جان چکا ہے۔ البتہ اس واقعہ کا معجزاتی پہلو اس وقت واضح ہوتا ہے جب آنحضرتؐ کی نبوت کو آپؐ کے زندہ جاوید معجزہ یعنی قرآن کو جان کر قبول کر لیا جائے یا ان کے دعوائے نبوت کی صداقت کا یقین کسی اور طریقے سے اس طرح حاصل ہو جائے جو آپ کی تمام باتوں پر یقین و اطمینان بخش ہونے کا باعث ہو۔ جب آپؐ نے اس واقعے کی خبر دی تو یہ اس واقعہ کے وقوع پر یقین کے مساوی ہے اس صورت میں معراج زندہ جاوید معجزہ ہے جو تاریخ کے تمام ادوار میں مختلف امتوں اور نسلوں کو مقابلے کے لئے للکارتا رہے گا۔

دوم: قابل توجہ امر ہے کہ یہ واقعہ بعثت کے تھوڑے عرصہ بعد پیش آیا لیکن اللہ تعالیٰ اس کا بنیادی سفر کا مقصد یوں بیان فرماتا ہے۔ "لنریہ من آیاتنا" یعنی تاکہ ہم اسے اپنی نشانیاں دکھا سکیں (سورہ بنی اسرائیل، آیت ۱) پس مقصود یہ ٹھہرا کہ رسول اعظمؐ اللہ تعالیٰ کی عظمت کے آثار اور اس کی نشانیوں کا مشاہدہ ایک تربیتی عمل کے دوران کریں اور اپنی نظریاتی و اعتقادی قوت میں اضافہ کریں پھر آپ آئندہ کی جدوجہد میں پیش آنے والے عظیم چیلنجوں نیز ان مشکلات اور سختیوں کا سامنا کرنے کے لئے اپنے آپ کو آمادہ کریں۔ وہ تکالیف جن کا سامنا نہ آپ سے پہلے کسی کو ہوا نہ اس کے بعد یہاں تک کہ آپ نے فرمایا "ما اوذی نبی مثلما اوذیت" یعنی کسی بھی نبی کو میری طرح اذیت و آزار نہیں پہنچائی گئی ہے اور سیوطی، مناوی اور دوسروں کی تصریح کے مطابق "ما اوذی احد ما اوذیت" یعنی کسی کو بھی میری طرح نہیں ستایا گیا (۱) خصوصاً جب ہم دیکھتے ہیں کہ آنحضرتؐ (جو عقل کل اور سب کے رہبر ہیں) انسانی معاشروں میں انحرافات کے خطروں اور آئندہ نسلوں پر ان کے اثرات سے گہری آگاہی رکھتے ہیں تو پھر ان کی خاطر آپ کا غم و اندوہ میں مبتلا ہونا اور روحانی کرب سے دوچار ہونا یقینی بات ہے۔ یہاں تک اللہ تعالیٰ آپؐ سے ان الفاظ میں

۱۔ رجوع کریں الجامع الصغیر ج ۲ ص ۱۴۴ کنوز الحقائق حاشیہ الجامع الصغیر ج ۲ ص ۸۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

مخاطب ہوتا ہے: "فلاتذھب نفسک علیھم حسرات" یعنی (اے رسولؐ) کہیں ان (بد بختوں) پر افسوس کر کے تمہارا دم نہ نکل جائے (سورہ فاطر، آیت ۸) اسی طرح اس سیر اور معراج کے باعث آپ کے قلب و عقل اس کائنات کی وسعتوں سے بھی زیادہ وسیع ہو گئے۔ آپ کی بصیرت منور ہوئی، مختلف امور کو سلجھانے اور مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لئے آپ کی نظر میں مزید گہرائی آئی خصوصاً اس حقیقت کے پیش نظر کہ آپؐ کو امت اور تمام جہان کی قیادت کا بیڑا اٹھانا تھا۔

سوم: انسان (خصوصاً اس دور کے عرب) ایک تنگ ماحول اور محدود ذہنیت کے ساتھ زندگی گزارتے تھے وہ ان حسیاتی امور یا ان کے مشابہ چیزوں جن سے ان کا واسطہ پڑتا رہتا تھا یا جو ان کے اردگرد ہوتی تھیں کے علاوہ کسی اور چیز کا تصور نہیں کر سکتے تھے۔ مثال کے طور پر گھوڑے، تلوار، چاند، ستارے، چراگاہ اور پانی وغیرہ۔ نیز دوستی شجاعت، دشمنی اور اس طرح کے دوسرے مفاہیم سے ہٹ کر وہ مزید نہیں سوچ سکتے تھے اس لئے وسیع کائنات کے بارے میں اس کی فکر و نظر کے دائرے کو وسعت دینے کی ضرورت تھی جہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنا خلیفہ بنا کر بھیجا تھا تاکہ وہ اس کے بارے میں بہت سے ہونے والے سوالات پر غور کریں۔ نیز ان کے جوابات ڈھونڈنے کے بعد اسرار عالم سے آگاہ ہونے کے لئے کوشش کریں۔ ان سب باتوں کے بعد ضرورت تھی کہ ان کی آرزوؤں کو زندہ کر کے ان کے اندر ایک نئی روح پھونکی جاتی تاکہ وہ اس پست اور تنگ ماحول نیز اس ذلت آمیز زندگی سے نجات پانے کی کوشش کرے اور یہ حکم طبیعی طور پر ہر امت اور ہر نسل کے لئے تاابد ثابت اور برقرار رہے گا۔

چہارم: ان سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کی مخلوقات میں موجود عجائبات اور اس کی عظیم قدرت کا ادراک کرے تاکہ اسے اپنے وجود اور اپنے دین پر یقین حاصل ہو اور اسے یہ اطمینان ہو کہ اس نے ایمان باللہ کو اختیار کر کے ایسی قوت کے پاس پناہ لی ہے جو اس کے لئے بہتر چیزوں کا ہی انتخاب کرتی ہے اور اس کی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بھلائی کے علاوہ کچھ نہیں چاہتا جو ہر کام پر قادر اور تمام موجودات پر محیط ہے۔

پنجم: آخری بات یہ ہے کہ خداوند متعال نے اس عمل کے ذریعے آئندہ نسلوں کو بھی مقابلے کی دعوت دی ہے اور انھیں ایسی چیز کی خبر دی ہے جہاں علم کی دنیا مستقبل میں پہنچے گی یعنی کائنات کے مسائل سے آگاہی اور خلائی مشکلات پر قابو پانے میں کامیابی اور یہ خلائی مہم اپنے زندہ جاوید معجزانہ پہلو کی وجہ سے سب سے پہلی اور سب سے انوکھی مہم تھی تاکہ مومنین کے دلوں کو اطمینان حاصل ہو اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو مضبوط اور ان کے ایمان میں اضافہ کرے جیسا کہ ہم قبل ازیں عرض کر چکے ہیں۔

اذان

ہماری رائے کے مطابق اذان کا حکم معراج اور اسراء کی مناسبت سے نازل ہوا ہے جیساکہ صحیح روایت میں یہ بات نقل ہوئی ہے لیکن ہمارے براوران اسے ہجرت کے بعد کا واقعہ سمجھتے ہیں لہذا ہم اس بحث کو وہاں پر موقوف کرتے ہیں۔

قرآن میں یہودیوں اور مسجد کا تذکرہ

اللہ تعالیٰ نے اپنی محکم کتاب میں ارشاد فرمایا ہے: "و قضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض مرتین و لتعلن علواً کبیراً. فاذا جاء وعد اولاھما بعثنا علیکم عباداً لنا اولی باس شدید فجاسوا خلال الدیار و کان وعداً مفعولا ثم رددنا لکم الکرۃ علیھم و امددناکم باموال و بنین و جعلناکم اکثر نفیرا ان احسنتم احسنتم لانفسکم و ان اساتم فلھا فاذا جاء وعد الاخرۃ لیسوؤا وجوھکم و لیدخلوا المسجد کما دخلوہ اول مرۃ و لیتبروا ما علوا تتبیرا عسی ربکم ان یرحمکم و ان عدتم عدنا و جعلنا جھنم للکافرین حصیرا ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم و یبشر المؤمنین الذین یعملون الصالحات ان لھم اجراً کبیرا و ان الذین لایؤمنون بالاخرۃ اعتدنالھم

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

عذاباً الیما" (سورہ بنی اسرائیل، آیت ۹-۱۰) یعنی "اور ہم نے بنی اسرائیل سے اسی کتاب (تورات) میں صاف صاف بیان کر دیا تھا کہ تم لوگ روئے زمین پر دو مرتبہ ضرور فساد پھیلاؤ گے اور بڑی سرکشی کرو گے۔ پھر جب ان دو فسادوں میں پہلے کا وقت آ پہنچا تو ہم نے تم پر کچھ اپنے بندوں کو مسلط کر دیا جو بڑے سخت لڑنے والے تھے تو وہ لوگ تمہارے گھروں کے اندر گھسے اور خدا کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔ پھر ہم نے تمہیں دوبارہ ان پر غلبہ دے کر تمہارے دن پھیرے اور مال سے اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی اور تم کو بڑے جتھے والا بنا دیا۔ اگر تم اچھے کام کرو گے تو اپنے فائدہ کے لئے اچھے کام کرو گے اور اگر تم برے کام کرو گے تو بھی اپنے لئے۔ پھر جب دوسرے وقت کا وعدہ آ پہنچا تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور جس طرح پہلی دفعہ مسجد (بیت المقدس) میں گھس گئے تھے اس طرح پھر گھس پڑیں۔ جس چیز پر قابو پائیں خوب اچھی طرح برباد کر دیں امید ہے کہ تمہارا پروردگار تم پر ترس کھائے اور اگر وہی کرو گے تو ہم بھی پھر پڑیں گے اور ہم نے تو کافروں کے لئے جہنم کو قید خانہ بنا رکھا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ قرآن اس راہ کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے اور جو ایماندار اچھے اچھے کام کرتے ہیں انہیں یہ خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بہت بڑا اجر و ثواب ہے اور یہ بھی کہ بیشک جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہیں ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

آیات کا اجمالی مفہوم

ان آیات مبارکہ میں درج ذیل امور کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

الف۔ چار بڑے واقعات کا ذکر

۱۔ بنی اسرائیل بہت جلد زمین پر بہت بڑا فساد پھیلائیں گے اور بہت سخت سرکشی کا مظاہرہ کریں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جلا وطنی اور ذلت و خواری کو ان کا مقدر

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بنایا نیز وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے علاوہ ذلت و بے چارگی کا شکار ہوئے۔

۲۔ بنی اسرائیل کے فساد اور سرکشی کے بعد اللہ کے بندے بہت جلد ان سے نبرد آزما ہوں گے اور ان کی سرزمین کو روند ڈالیں گے نیز ان کے گھروں اور مسجد اقصیٰ میں داخل ہو جائیں گے اور یہ فساد پھیلانے اور سرکشی کی سزا ہے۔

۳۔ اس کے بعد بہت جلد بنی اسرائیل کی اولاد اور اموال زیادہ ہو جائیں گے البتہ اس کے لئے نسبتاً لمبے عرصے کے بعد، یوں وہ بہت بڑا لشکر بنا لیں گے جو اللہ کے بندوں کے لشکر سے بھی بڑا ہوگا اور اس مرتبہ معاملہ ان کے فائدے میں ہوگا۔۔۔۔

۴۔ پھر وہ ایک مدت بعد ایک نئے فساد کا آغاز کریں گے۔ بندگان خدا ان کے خلاف جنگ کریں گے ان کے چہرے بگاڑ دیں گے اور جن جن چیزوں پر قابو پائیں گے ان سب کو تباہ و برباد کر دیں گے۔

ب: ان آیات سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ان واقعات میں بنی اسرائیل کے ساتھ جو لوگ نبرد آزما ہوں گے وہ ایک ہی جماعت ہوگی جو پہلے بنی اسرائیل کی سرزمین پر قبضہ کریں گے پھر بنی اسرائیل ان پر غالب آ جائیں گے اس کے بعد وہ دوبارہ بنی اسرائیل پر کاری ضرب لگائیں گے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ جاسوا، علیہم، لیسوا، لیدخلوا، لیتبروا اور دخلوہ کے الفاظ میں موجود تمام ضمیریں اسی ایک جماعت کی طرف لوٹتی ہیں جسے آیت میں عباداً لنا (یعنی ہمارے بندوں) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ان آیات میں کوئی دوسرا لفظ موجود نہیں ہے جس کی طرف یہ ضمیریں پلٹیں۔

ج: یہ آیات بتاتی ہیں کہ یہ بندے دو مرتبہ مسجد میں داخل ہوں گے اور دونوں مرتبہ ایک ہی انداز سے یعنی قوت بازو، طاقت اور غلبے کے ساتھ داخل ہوں گے۔

د: ان چار واقعات کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: "و ان عدتم عدنا" یعنی اگر تم پہلے والے کرتوت انجام دو گے تو ہم بھی وہی کام کریں گے۔ اس جملے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں بنی اسرائیل کے فساد اور سرکشی کے بارے میں یہ ایک ضابطہ اور قانون الٰہی بیان ہوا ہے یہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ وہ ان چار واقعات کے بعد دوبارہ فساد و سرکشی کے مرتکب ہوں گے۔ یقینی طور پر واقع ہونے والے حوادث وہی ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے ان کے علاوہ کسی واقعے کے ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ "ان" شرطیہ جو غیر یقینی موارد کے لئے وضع ہوا ہے شاید عدم وقوع کی طرف اشارہ ہو۔

ھ: "عباداً لنا" سے مراد مومنین کا گروہ ہے کیونکہ مذکورہ قول الٰہی "بعثنا" یعنی ہم نے بھیجا اور "عباداً لنا" (ہمارے بندے) سے یہی ظاہر ہے (۱) کیونکہ "بعث" (بھیجا) اور "عباد لہ" (اللہ کے بندے) جیسے الفاظ قرآن مجید میں (سوائے بعض موارد) ہمیشہ مدح و تعریف کے مقام پر استعمال ہوتے ہیں۔ (۲)

خصوصاً اس آیت کریمہ اور اس کے مانند دیگر آیات میں "ان عبادی لیس لک علیھم سلطان" (سورہ حجر، آیت ۴۲) "اے (شیطان) میرے بندوں پر تجھے تسلط و غلبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح شیخ محقق علامہ شیخ علی احمدی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان "و لیدخلوا المسجد کما دخلوہ اول مرۃ" اشارہ کرتا ہے کہ اس کا محرک مسجد سے ان بندوں کی محبت، عشق اور ارتباط ہے۔

کیونکہ "انما یعمر مساجد اللہ من آمن باللہ و الیوم الآخر" (سورہ توبہ، آیت ۱۸) صرف وہی لوگ مساجد الٰہی کو آباد کرتے ہیں جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔

۱۔ علامہ طباطبائی کی تفسیر المیزان ج۱۳ ص ۳۹

۲۔ یہ بات برادر محترم شیخ ابراہیم انصاری نے رسالہ "الہادی" سال اول کے ایک مقالے میں ذکر کی ہے اور جیساکہ مجھے یاد ہے انہوں نے خود مجھ سے بھی بیان کی تھی۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

بنابریں وہ جماعت صالح اور پرہیزگاروں کی ہی ہے جو عبادت خدا کے لئے مسجد میں حاضر ہوتی ہے۔

مزید برآں یہ کہ یہ نکتہ بھی اس معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اللہ تعالی مذکورہ آیات میں اپنے بندوں کی بنی اسرائیل پر کامیابی، ان کے ساتھ پیش آنے والے برے حوادث، ناگوار مسائل اور یہ کہ اس نے جہنم کو کافرین کا ٹھکانہ قرار دیا ہے، کو بیان کرنے کے بعد دوبارہ تمام واقعات کو ایک عام قاعدے کے طور پر مختصراً یوں بیان فرماتا ہے کہ اللہ کا قانون مومن بندوں کو اجر عظیم کی بشارت دیتا ہے وہ مومنین جو صالح اعمال بجالاتے ہیں اور اس کے دین کی حفاظت کرتے ہیں (انہی بندوں کی طرح جنہیں اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کی طرف بھیجا) اور جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، روئے زمین پر فساد پھیلاتے ہیں اور بنی اسرائیل کی طرح زبردست سرکشی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ان کے لئے اللہ نے اپنے قانون کے مطابق دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ارشاد الہی ہے: "ان هذا القرآن يهدى للتى هى اقوم و يبشر المؤمنين الذين يعملون الصالحات ان لهم اجراً كبيرا و ان الذين لايؤمنون بالاخرة اعتدنا لهم عذاباً اليما". اس کے بعد ایک اور موضوع پر گفتگو فرماتا ہے۔

محقق گراں قدر علامہ طباطبائیؒ (ایدہ اللہ تعالی) معتقد ہیں کہ مذکورہ آیات میں اس بات کی کوئی دلیل موجود نہیں کہ بھیجے جانے والے بندوں سے مراد مومنین ہوں کیونکہ کوئی حرج نہیں کہ بنی اسرائیل کے درمیان قتل و غارت، اسارت، جلا وطنی اور ان کی تباہی و بربادی کے پیش نظر ان لوگوں کی بنی اسرائیل کی طرف آمد کو اللہ تعالی کی طرف سے بھیجنے سے تعبیر کیا گیا ہو اور یہ عمل بنی اسرائیل کی طرف سے زمین میں فساد پھیلانے اور ناحق سرکشی کرنے کی سزا کے طور پر ہو اس لئے اللہ تعالی نے بنی اسرائیل کے خلاف دشمن بھیج کر اور ان دشمنوں کی تائید کر کے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے۔ (تفسیر المیزان ج۱۳ ص ۳۹)

لیکن ہمارے لئے کسی صورت میں بھی یہ بات قابل قبول نہیں ہے کہ اللہ تعالی

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ظالمین اور مجرمین کی تائید کرتا ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ خداوند متعال ان لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور اپنی تائید سے ہاتھ کھینچ لیتا ہے اور یہ مسئلہ ان کی تائید کرنے اور لوگوں کی طرف انھیں بھیجنے سے جدا ہے۔

علاوہ اس کے ہم نے اس سے پہلے مبعوثین (بھیجے جانے والے افراد) کے ایمان پر کچھ شواہد پیش کئے ہیں۔ بنابرایں یہاں پر جو چیز زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ فرمان الٰہی اس بات کا سبب بنے گا کہ مذکورہ بندگان ایسا عمل انجام دیں۔ اس لحاظ سے یہ کہنا صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا محرک اور سبب ہے۔

یہ آیات سے اخذ شدہ اجمالی نتائج تھے۔ جو بات رہ جاتی ہے وہ ہے ان آیات کی خارجی تطبیق کہ کیا یہ واقعہ بالکل اسی طرح ماضی میں وقوع پذیر ہوا ہے یا مستقبل میں وقوع پذیر ہوگا یا اس کا کچھ حصہ انجام پا چکا ہے اور باقی حصہ انجام پائے گا؟ تو اس کے بارے میں راویوں اور مفسرین کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

راویوں اور مفسروں کے اقوال

اس بارے میں ہم نے حدیث اور تفسیر کی چند کتب کی طرف رجوع کیا تو روایات اور نظریات میں اختلاف و تضاد پایا۔ ہم یہاں ان روایات اور آراء کو مختصراً بیان کرتے ہیں۔

۱۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ پہلا فساد حضرت زکریاؑ کا قتل تھا اور اللہ تعالیٰ نے "نبط" کے بادشاہ کو ان پر مسلط کیا۔ اس کے بعد انھوں نے نبطیوں پر حملہ کیا اور انھیں نقصان پہنچایا۔

۲۔ عطیہ عوفی کہتا ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے جالوت کو ان کی طرف بھیجا پھر حضرت داؤدؑ کے ماتحت طالوت نے اسے قتل کر دیا اس کے بعد انھوں نے حضرت یحییٰؑ کو شہید کر دیا اس پر اللہ تعالیٰ نے بخت النصر کو ان پر مسلط کر دیا۔ یہی بات ابن عباس سے بھی روایت کی گئی ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۳۔ حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ پہلا فساد حضرت زکریاؑ کا قتل اور دوسرا فساد حضرت یحییٰؑ کا قتل تھا لیکن آپ نے یہ بیان نہیں فرمایا کہ ان پر مسلط ہونے والے افراد کون تھے۔

۴۔ حضرت حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ پہلا طغیان بخت النصر سے تھا لیکن بعد میں کورش نے انہیں واپس لوٹا دیا۔ جب انہوں نے پھر گناہوں کا ارتکاب کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر "انطیا نحوس" کو مسلط کر دیا۔ جب وہ پھر نافرمانی اور گناہ کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو "اسپیانوس" کے حوالے کر دیا۔

۵۔ ابن زید سے مروی ہے کہ پہلا فساد حضرت زکریا اور حضرت یحییٰؑ کا قتل ہے اس کے بعد ذات الٰہی نے حضرت زکریاؑ کے قتل کا انتقام لینے کے لئے "شاپور ذوالاکتاف" ایرانی کو اور حضرت یحییٰؑ کے قتل کا انتقام لینے کے لئے بخت النصر کو ان پر مسلط کر دیا۔

۶۔ مجاہد کہتا ہے کہ ایران کے بادشاہوں نے ان کے بارے میں معلومات لینے اور ان کی باتیں سننے کے لئے ایک لشکر روانہ کیا۔ اس کے بعد یہ لشکر واپس آ گیا اور ان کے درمیان کوئی زیادہ قتل و غارت نہ ہوئی اور بنی اسرائیل اس پر غالب آ گئے۔ اس پر ایران کے بادشاہ نے بخت النصر کی قیادت میں ایک لشکر بابل بھیجا اور اس نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ (۱)

علامہ طباطبائیؒ کی رائے

محقق جلیل القدر علامہ طباطبائیؒ نے فرمایا ہے کہ یہودیوں کی تاریخ کے مطابق سب

۱۔ ان روایات کے لئے ان کتب کی طرف رجوع کریں سیوطی کی درالمنثور ج۴ ص ۱۶۳-۱۶۵ جو ابن جریر، ابن عساکر اور ابن ابی حاتم سے متفرق صورت میں نقل کرتا ہے۔ تفسیر طبری تفسیر ابن کثیر فتح القدیر اور دوسری تفاسیر (سورہ بنی اسرائیل کی آیات کے ذیل میں)۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

سے پہلے جس شخص کو بیت المقدس کے لئے بھیجا گیا وہ "بخت النصر" تھا یوں بیت المقدس ستر سال تک خراب رہا۔ دوسرا شخص قیصر روم "اسپیانوس" تھا جس نے اپنے وزیر "طوطوز" کو بیت المقدس بھیجا اس نے اسے تباہ و برباد کر دیا اور یہودیوں کو ذلیل و خوار کیا یہ واقعہ میلاد مسیح سے تقریباً ایک صدی پہلے پیش آیا۔

بعید نہیں ہے کہ آیات میں مذکور دو واقعات بھی دو واقعے ہوں۔ کیونکہ دیگر وقائع نے ان کی آبادی کو نیست و نابود نہیں کیا اور نہ ہی ان کی حکومت اور آزادی کو جڑ سے اکھیڑا لیکن "بخت النصر" کے حملے میں ان کے افراد ختم ہوگئے اور ان کی سیادت کورش کے دور تک ملیامیٹ ہوگئی، کچھ مدت بعد ان کی پراگندہ قومیں پھر اکٹھی ہوئیں لیکن رومیوں نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا اور ان کی شان و شوکت کو خاک میں ملا دیا۔ ظہور اسلام کے دور تک مسلسل ان کی یہی حالت رہی۔

علامہ اس امر کو کہ دو میں سے ایک قتل و غارت "بخت النصر" کے ہاتھوں انجام پائی، مسلم خیال کرتے ہوئے یہ بات بیان کرتے ہیں (۱) اس کے بعد اپنی بات پر اشکال کرتے ہیں کہ آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کی طرف بھیجے جانے والے لوگ ایک ہی قوم ہیں اس کے بعد خود ہی جواب دیتے ہیں کہ یہ صرف ایک احتمال ہے اس بارے میں صراحت موجود نہیں ہے۔

ہمارا نظریہ یہ ہے کہ گذشتہ گفتگو کی بنا پر تمام ضمیروں کا کلام میں صرف ایک ہی مرجع ہے اور وہ "عباداً لنا" ہے اور یہ واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ بنی اسرائیل کی طرف بھیجی جانے والی قوم ایک ہی تھی یہ صرف اشارہ یا اشعار نہیں ہے۔

علامہ کے کلام اور سابقہ تمام روایات جو "در المنثور" اور دیگر کتابوں سے یہاں نقل کی گئی ہیں، پر یہ اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔

۱۔ تفسیر المیزان ج۱۳ ص ۴۴ و ۴۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

۱۔ ہم نے کہیں نہیں دیکھا کہ بنی اسرائیل بخت النصر یا شاپور یا ان کے علاوہ کسی پر حملہ آور ہوتے ہوں یہانتک سوسال گزرنے کے بعد کورش نے بنی اسرائیل کے ان افراد کو اپنے شہروں کی طرف واپس جانے کی اجازت دی جنہیں بخت النصر قیدی بنا کر لایا تھا۔

۲۔ نبطی مسجد میں دوبارہ داخل نہیں ہوئے اور یہی حال بخت النصر، قیصر اور دوسرے مذکورہ افراد کا ہے۔

۳۔ مذکورہ لوگ غیر مومن تھے بلکہ وہ سرکش اور ظالم لوگ تھے۔

۴۔ بخت النصر حضرت یحییٰ سے سات سو سال بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ پہلے گزرا ہے پس وہ ان کا انتقام کیسے لیتا؟ علاوہ برایں شاپور بخت النصر سے متاخر ہے نہ کہ مقدم جیساکہ روایات کہتی ہے۔

۵۔ یہ تمام اشکالات ان اعتراضات کے علاوہ ہیں جو ان روایات کی اسانید پر وارد ہوتے ہیں۔ (۱)

آیات کے بارے میں ایک اور قول

بعض نے یہ احتمال دیا ہے کہ پہلا فساد حجاز کے علاقے میں برپا ہوا پس اللہ تعالی نے اس پر کاری ضرب لگانے کے لئے آنحضرتؐ کو مبعوث کیا اور مسجد اقصیٰ میں حضرت عمر کا داخل ہونا مسلمانوں کے وہاں داخل ہونے کے برابر ہے اور آیت کا مقصود یہی ہو سکتا ہے۔ لیکن دوسرا موقعہ ابھی نہیں آیا اور مستقبل میں تحقق پائے گا۔ ادھر بعض نے احتمال دیا ہے کہ یہ بخت النصر کا بنی اسرائیل پر حملہ تھا۔ اس نظریے کو قبول کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں ہے کیونکہ حضرت عمر کا مسجد اقصیٰ میں ورود اس وقت ہوا جب بیت المقدس

۱۔ ان نکات کی طرف جناب علامہ شیخ ابراہیم انصاری (خدا ان کی حفاظت فرمائے) نے اپنے مقالے میں اشارہ کیا ہے جو رسالہ الہادی میں چھپا تھا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

میں ایک بھی یہودی نہ تھا بیت المقدس عیسائیوں کے زیر کنٹرول تھا وہ کئی سالوں سے حاکم تھے اور وہ اپنا کوڑا کرکٹ اور گندگی صخرہ پر پھینکتے تھے جو یہودیوں کا قبلہ تھا یہاں تک کہ روم سے ایک عورت نے اپنے خون حیض سے آلودہ کپڑا وہاں پھینکنے کے لئے بھیجا تاکہ زیادہ سے زیادہ یہودیوں کی تذلیل و اہانت ہو۔ اسی طرح سابقہ دلائل کی روشنی میں بخت النصر بھی وہ پہلا مرد نہیں ہو سکتا جس نے ان پر حملہ کیا ہو۔

ایک اور نظریہ

سید قطب کی رائے کے مطابق آیات کا مقصود نازیوں کا لیڈر ہٹلر ہے کہ جس نے یہودیوں کی خبر لی اور ان میں سے بہت سوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ (۱)

لیکن ہٹلر نہ ایک مرتبہ اور نہ ہی دو مرتبہ مسجد میں داخل ہوا اور نہ بنی اسرائیل نے پلٹ کر اس کو مغلوب کیا علاوہ ازیں نہ وہ مومنین میں سے تھا اور نہ ہی ...۔

نظریہ دیگر

یہاں پر ایک اور نظریہ بھی موجود ہے جس کے مطابق پہلا فساد بنی اسرائیل کی طرف سے پیغمبر اکرمؐ کی نبوت کا انکار ہے باوجود اس کے کہ وہ آپؐ کو اسی طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنی اولاد کو لیکن وہ آپؐ کے مقابلے میں مشرکین کے ساتھ متحد ہو گئے اور مفسدین کے مقابلے پر عباد اللہ کے ارسال سے مراد وہی صدر اسلام میں رونما ہونے والا ماجرا ہے پس اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ اور مسلمانوں کو ان سے جنگ کرنے کی خاطر بھیجا انہوں نے خیبر، قریظہ، قینقاع اور دوسری جنگوں میں ان کی سرکوبی کی اور ان کے گھر بار پر قابض ہو گئے پھر حضرت عمر کے دور میں مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے۔

۱۔ "ظلال القرآن" میں سورہ بنی اسرائیل کی آیات کی تفسیر کے ذیل میں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

دوسرا فساد وہ وقائع ہیں جو فلسطین، لبنان اور اس پورے علاقے میں رونما ہوئے۔ اس چودہویں صدی میں رونما ہو چکے ہیں یا ہو رہے ہیں۔ پھر امام مہدیؑ جلد آ کر ان سے انتقام لیں گے اور مسلمان پہلی دفعہ کی طرح دوبارہ مسجد میں داخل ہوں گے۔

جب میں نے ایک بزرگ شخصیت کے سامنے یہ موضوع پیش کیا تو انھوں نے مذکورہ احتمال کو اس انداز سے تقویت بہم پہنچائی کہ آیات میں کوئی ایسی بات موجود نہیں ہے جو دلالت کرتی ہو کہ یہودیوں کا مغلوب ہونا اور ان کا غلبہ پانا، دونوں ایک خاص مقام پر انجام پائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان "کما دخلوہ اول مرۃ" (جس طرح وہ پہلی دفعہ بھی اس میں داخل ہوئے) اشارہ کرتا ہے بلکہ دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد "و جاسوا خلال الدیار" اس سے مراد مسجد میں داخل ہونا نہیں بلکہ یہ دونوں دو مختلف امور ہیں جس طرح آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ سرزمین میں داخلہ مسجد میں داخلے سے پہلے ہے کیونکہ "لیدخلوا" پر لام داخل ہوئی ہے اور یہ امر حضرت عمر کے زمانے میں متحقق ہوا۔

اسی طرح پہلے ارسال کے موقعہ پر بیت المقدس میں جندوں کے وارد ہونے کا عدم تذکرہ دلالت کرتا ہے کہ اس زمانے میں وہ بیت المقدس میں داخل نہیں ہوئے تھے۔

آیت بتاتی ہے کہ دوسری مرتبہ مسجد میں داخلہ یہودیوں کے لئے بہت سخت ہوگا اور جو کچھ انھوں نے بنایا ہوگا اسے ملیامیٹ کرے گا۔ پس بنی اسرائیل کا دوسرا فساد مقدس سرزمین پر ان کا قبضہ، مسلمانوں کا قتل عام اور عصر حاضر میں ان کی فتنہ انگیزی ہے اور اس کی سزا انھیں بہت جلد اہل قم کے ہاتھوں ملے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ یا امام منتظر حضرت مہدیؑ کے دست مبارک سے یا ان کی قیادت میں اہل قم کے لشکر کے ذریعے وہ اپنے کیفر کردار تک پہنچیں گے۔ (واللہ العالم)۔

یہ رائے بھی قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اس پر آیات کی تطبیق کی جو کوشش کی گئی ہے وہ خود آیات کے ظاہر سے ہم آہنگ نہیں۔ اس کی مندرجہ ذیل وجوہات ہیں۔

۱۔ ظاہر یہ ہے کہ بیت المقدس میں ورود بنی اسرائیل کے خلاف طاقت کے استعمال

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کے ساتھ ہونا چاہیے لیکن جب حضرت عمر کے دور میں مسلمان بیت المقدس میں داخل ہوئے تو وہاں ایک بھی یہودی نہیں تھا بلکہ وہاں صرف عیسائیوں کا کنٹرول تھا۔ بنا برایں اولاً تو مسلمانوں نے یہودیوں سے جنگ ہی نہیں کی جو مسجد میں ان کا ورود زبردستی اور یہودیوں پر کامیابی کے ساتھ قرار پاتا۔ ثانیاً حضرت عمر صلح و صفائی کے ساتھ مسجد میں داخل ہوئے نہ طاقت اور قوت کے بل بوتے پر جبکہ آیت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بزور شمشیر داخل ہوں گے اور ساتھ ہی ان کے چہرے بگاڑ دیں گے اور اس دوران خود یہودیوں کے خلاف طاقت استعمال کریں گے۔

آیت کہتی ہے "لیسوٴوا وجوهکم" و لیدخلوا المسجد کما دخلوه اول مرة و لیتبروا ماعلوا تتبیرا" (تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ کر رکھ دیں اور وہ مسجد میں داخل ہوں جیساکہ پہلی مرتبہ داخل ہوئے تھے اور ان کی بنائی ہوئی تمام چیزوں کو تباہ و برباد کر دیں)۔

۲۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ لفظ "لیدخلوا" کا لام اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مسجد میں دخول یہودیوں کے گھروں پر قبضے کے بعد ہوگا اسی طرح یہ کہنا کہ گھروں پر قبضے اور مسجد میں دخول کا الگ الگ کرنا نیز پہلے مرحلے میں مسجد پر قبضے کا ذکر نہ کرنا بھی مذکورہ بات کی دلیل ہے۔

ان میں سے کوئی بات اپنے مدعا پر دلالت نہیں کرتی کیونکہ آیات سے یہی ظاہر ہے کہ مرحلہ اول میں مسجد میں داخلے کا ذکر نہ کرنا اس لئے ہے کہ یہودیوں کے گھروں میں داخلے کو بیان کردینا ہی کافی ہے کیونکہ کہتے ہیں اور ارشاد الٰہی میں کلمہ "لیدخلوا" واؤ کے ذریعے سے کلمہ "لیسوٴوا" پر عطف کیا گیا ہے اور یہ عطف ترتیب زمانی پر دلالت نہیں کرتا۔

بلکہ ممکن ہے کہ یہ کہا جائے کہ چونکہ مسجد میں داخلے کا ذکر، ان کے چہرے بگاڑے جانے اور ان کے ہاتھوں بنائی گئی چیزوں کے نابود کرنے کے ذکر کے درمیان کیا گیا ہے اس لئے یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ مسجد میں ورود دوسرے مرحلے کے درمیان ہوگا۔ اور اسی طرح مرحلہ اول میں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "کما دخلوه اول مرة" (یعنی جس طرح

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پہلی مرتبہ داخل ہوئے تھے)۔

بصورت دیگر اگر مذکورہ نظریات صحیح ہوں تو پھر مسجد میں داخلہ صلح و صفائی کے ساتھ ہونا چاہیے نہ قدرت و طاقت اور غلبے کے ساتھ۔ جیساکہ ماضی میں حضرت عمر داخل ہوئے تھے اس صورت میں مسجد میں داخلے کا ذکر ان دو واقعات کے درمیان کرنے کا معنی نہیں بنتا۔ یعنی "لیسوؤا وجوھکم" اور "لیتبروا ماعلوا تتبیرا" کے درمیان۔

۲۔ نبی اکرمؐ کے دور میں یہودیوں نے روئے زمین پر نہ کوئی فساد پھیلایا اور نہ کسی سرکشی کے مرتکب ہوئے وہ مدینے کے گرد و نواح میں ایک بہت ہی محدود اور معین علاقے میں رہتے تھے وہ "اوس" و "خزرج" کے ہاتھوں مغلوب تھے۔ انہوں نے مشرکین مکہ اور دوسرے قبائل سے گٹھ جوڑ کیا ہوا تھا۔ اور یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ وہ طاقتور اور بڑی قدرت کے مالک تھے کہاں یہ کہ ہم اس کے ساتھ قول الٰہی "فی الارض" کا بھی اضافہ کریں البتہ اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ ہم "فی الارض" سے مراد فلسطین کی مقدس سر زمین کو قرار دیں۔ کسی بھی سر زمین یعنی ان کے غار کو یا ان علاقوں کو جو ان کی خلافت اور اثر و نفوذ کے مراکز ہوں۔

ایک اور نظریہ

اس نظریے کی رو سے عرب اسرائیل جنگیں پہلے تین مراحل کو تشکیل دیتی ہیں۔ رہا آیت میں مذکور آخری مرحلہ تو وہ بہت جلد وقوع پذیر ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ آیت کے مطابق آخری مرحلہ یہ ہے۔ "فاذا جاء وعد الاخرۃ لیسوؤا وجوھکم الخ" یعنی "جب دوسرے وعدے کا وقت آن پہنچے تاکہ وہ ان کے چہروں کو بگاڑ دیں"۔ (۱)

یہ نظریہ بھی نا قابل قبول ہے کیونکہ عربوں نے اسرائیل کے ساتھ جو جنگیں لڑی ہیں

۱۔ یہ نظریہ شیخ ابراہیم انصاری کا ہے جو رسالہ "الہادی" میں بیان ہوا ہے۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ان میں وہ یہودیوں کے گھروں پر قبضہ ہی نہ کر سکے اور اسی طرح طاقت کے بل بوتے پر مسجد میں بھی داخل نہیں ہو سکے بلکہ وہ تو اللہ تعالی کے پرہیزگار بندے اور قانون الٰہی کے پابند ہی نہیں ہیں کیونکہ انھوں نے دین کو خیرباد کہہ دیا ہے وہ اپنی دنیاوی لذتوں اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں بلکہ انحراف اور کج روی نے واضح طور پر ان کو مغلوب کر رکھا ہے۔

دیگر روایات

بعض روایات جنھیں تفسیر برہان اور نور الثقلین نے ذکر کیا ہے (ان کی سندوں پر بھی اعتراض وارد ہے) سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ پہلا فساد حضرت علیؑ کا قتل اور امام حسینؑ کا نیزہ کھانا ہے اور بڑی سرکشی سے مراد امام حسینؑ کا قتل ہے۔ پہلے وعدے سے خون حسینؑ کی مدد ہے، پہلے بھیجے جانے والوں (مبعوثین) سے مراد حضرت قائمؑ سے پہلے قیام کرنے والے افراد ہیں اور "و کان وعداً مفعولاً" سے مراد حضرت امام مہدیؑ کا ظہور ہے اور "ثم رددنا لکم الکرۃ علیھم" (دوبارہ تمھیں ان پر غالب کر دیں گے) سے مراد اپنے ستر اصحاب کے ساتھ امام حسینؑ کا قیام ہے۔

تفسیر قمی میں آیا ہے کہ فساد اول سے مراد فلاں اور فلاں کا عہد و پیمان توڑنا ہے، "علواً کبیراً" سے مراد ان کا دعوئے خلافت ہے۔ پہلا وعدہ جنگ جمل ہے، "و جاسوا خلال الدیار" سے مقصود ہے انھوں نے تمھیں تلاش کیا اور پھر قتل کیا۔ "رددنا لکم الکرۃ" سے مراد بنی امیہ ہیں، "وعد الآخرۃ" یعنی وعدہ دوم سے مراد وہی قیام حضرت قائم (عج) ہے اور "کما دخلوہ اول مرۃ" سے رسول اللہؐ کی ذات مراد ہے۔

واضح ہے کہ ان روایات کا مفہوم صریح آیات کے مطابق نہیں ہے۔ اگر یہ روایات صحیح بھی ہوں تو اس نکتے کی طرف اشارہ ہے کہ جو کچھ بنی اسرائیل کے لئے واقع ہوا وہ اس امت کے لئے بھی پیش آئے گا کیونکہ یہ امر واضح ہے کہ آیات کے جس مفہوم کا ہم

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

نے ذکر کیا وہ روایات میں مذکورہ مطالب سے مطابقت نہیں رکھتا جیساکہ اس واقعے کو گہری نظر سے دیکھنے اور پرکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔

سب سے بہتر نظریہ

جب ہم آیات کے اجمالی معنی سے آگاہ ہوگئے اور یہ بھی ہمیں معلوم ہوگیا کہ بنی اسرائیل کے لئے ابھی تک اس کا مصداق بھی پورا نہیں ہو سکا نہ ان کی قدیم تاریخ میں اور نہ ماضی قریب میں تو ظاہر سی بات ہے یہ کہنا پڑے گا کہ اس کا مکمل مصداق مستقبل میں متحقق ہوگا اور وہ یہ ہے کہ:

۱۔ بنی اسرائیل زمین میں فساد پھیلائیں گے (لفظ "فی الارض" پر زیادہ غور کریں) یہ بات ایک شہر یا چھوٹے گاؤں مثلاً حجاز کے آس پاس کے فساد پر منطبق نہیں ہوتی بلکہ اس فساد اور سرکشی کا دائرہ عالم گیر ہونا چاہئے یا کم از کم دنیا کے بڑے بڑے مراکز کو اپنے گھیرے میں لینا چاہیے تاکہ وہ محسوس کریں کہ ان پر غالب آنے والی کوئی بڑی طاقت موجود نہیں ہے اور کوئی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا یوں وہ عظیم سرکشی کرتے پھریں، (یہ جملہ بھی زیادہ غور و فکر کا طالب ہے)۔

۲۔ اللہ تعالی مومن اور متقی بندوں کو ان کی طرف بھیجے گا اور وہ ان کی بستیوں میں گھس جائیں گے (اور گھسنے کی تعبیر شاید زیادہ مدت وہاں نہ رہنے کی طرف اشارہ کرتی ہو) یوں وہ مسجد اقصی میں داخل ہوں گے۔

۳۔ پھر خداوند بنی اسرائیل کو اموال عطا کرے گا اور ان کی آبادی میں اضافہ کرے گا ان کا لشکر زیادہ عظیم ہوگا اور وہ دوبارہ سابقہ طاقتوں پر غالب آئیں گے۔

۴۔ اس کے بعد وہی مومنین اسرائیلوں کی سر زمین واپس لینے کے لئے دوبارہ آئیں گے، مسجد میں داخل ہوں گے اور ان کا حلیہ بگاڑ دیں گے وغیرہ وغیرہ۔ آیات قرآن کی رو سے یہ سب کچھ مستقبل قریب میں وقوع پذیر ہوگا۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وہ اہل قم ہی ہیں

گزشتہ تمام باتوں کی تائید علامہ مجلسی کی روایت سے ہوتی ہے جو انھوں نے "حسن بن محمد بن حسن قمی" کی تالیف "تاریخ قم" سے نقل کی ہے: "روی بعض اصحابنا قال: کنت عند ابی عبداللہ علیہ السلام جالساً اذ قرا ھذہ الآیۃ: (حتی اذ جاء وعد اولاھما بعثنا علیکم عباداً لنا، اولی باس شدید، فجاسوا خلال الدیار، و کان وعداً مفعولاً)، فقلنا: جعلنا فداک، من ھولاء؟. فقال ثلاث مرات: ھم واللہ اھل قم". (۱)

بعض اصحاب نے روایت کی ہے کہ ہم امام صادقؑ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ آپ نے یہ ایک تلاوت فرمائی۔ "حتی اذا جاء ... الخ" ہم نے پوچھا: ہم آپ پر قربان ہوں وہ کون لوگ ہیں؟ امامؑ نے تین مرتبہ فرمایا: خدا کی قسم وہ قم کے لوگ ہیں"۔

یہ روایت بتاتی ہے کہ بنی اسرائیل کے خلاف جنگ کے پہلے مرحلے میں قیادت کرنے والے اہل قم ہوں گے۔ یہ وہی افراد ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے "عباداً لنا" (ہمارے بندے) کہا ہے۔ اس کے بعد اسرائیلی نسبتاً زیادہ بڑے لشکر کے ساتھ پلٹ کر ان پر حملہ کریں گے لیکن آخرکار اہل قم ان کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دیں گے اور مسجد اقصیٰ میں داخل ہو جائیں گے جس طرح وہ پہلی مرتبہ داخل ہوئے ہوں گے۔

طولانی جنگیں

ایک اور روایت سے بھی اس نکتے کو اخذ کیا جا سکتا ہے جسے علی بن عیسیٰ نے ایوب بن یحییٰ الجندل سے اور اس نے امام موسیٰ بن جعفرؑ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"رجل من اھل قم، یدعو الناس الی الحق، یجتمع معہ قوم کزبر الحدید، لاتزلھم الریاح العواصف، و لایملون من الحرب، و لایجبنون، و علی اللہ یتوکلون، و العاقبۃ

۱۔ بحارالانوار ج ۶۰ ص ۲۱۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

للمتقین"۔ (۱) یعنی اہل قم میں سے ایک مرد لوگوں کو حق کی طرف بلائے گا، فولاد کی طرح مضبوط لوگ اس کے گرد جمع ہو جائیں گے جنھیں شدید طوفان بھی اپنی جگہ سے نہ ہلا سکیں گے وہ جنگ سے نہیں تھکیں گے وہ بزدلی سے پاک اور خدا پر توکل کرنے والے ہوں گے اور نیک انجام متقی لوگوں کے لئے ہے"۔

حدیث کے الفاظ "ولاتزلھم الریاح العواصف" سے شاید ہم یہ نتیجہ نکال سکیں کہ انقلاب اسلامی بہت جلد بڑی سخت مشکلات سے دوچار ہوگا جن کے سامنے عام لوگ ٹھہر نہیں سکتے نیز "لایملون من الحرب" کے جملے سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ مستقبل میں انھیں لمبی جنگوں کا سامنا کرنا پڑے گا جنھیں تحمل کرنے کی عام افراد میں سکت نہ ہوگی لیکن وہ لوگ پامردی اور استقامت کا مظاہرہ کریں گے اور آخرکار کامیابی کا سہرا ان کے سر ہوگا (انشاء اللہ تعالیٰ کیونکہ امامؑ نے فرمایا ہے "و العاقبۃ للمتقین" (یعنی انجام خیر پرہیزگاروں کے لئے ہے)۔

دیگر روایات

شاید امام باقرؑ سے منقول درج ذیل روایت کا مقصود بھی یہی حکومت ہو۔ "کانی بقوم قد خرجوا بالمشرق، یطلبون الحق، فلایعطونہ، ثم یطلبونہ فلایعطونہ، فاذا راوا ذلک، وضعوا سیوفھم علی عواتقھم فیعطون ماسئلوا، فلایقبلونہ حتی یقوموا، و لایدفعونھا الا الی صاحبکم: قتلاھم شھداء. اما انی لو ادرکت ذلک لابقیت نفسی لصاحب ھذا الامر"۔ (۱) یعنی گویا میں ان لوگوں کے درمیان ہوں جنھوں نے مشرق میں قیام کیا ہے اور حق کا مطالبہ کر رہے ہیں لیکن انھیں حق نہیں دیا جاتا وہ دوبارہ حق طلب کرتے ہیں لیکن انھیں نہیں دیا جاتا جب وہ یہ صورت حال دیکھتے ہیں تو وہ اپنی تلواریں نکال لیتے ہیں اس

۱۔ بحارالانوار ج ۶۰ ص ۲۱۶

۲۔ بحارالانوار ج ۵۲ ص ۲۴۳ اور غیبۃ النعمانی ص ۲۷۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

وقت جو وہ مانگتے ہیں انھیں دیا جاتا ہے لیکن اب وہ قبول نہیں کرتے جب تک وہ اٹھ نہ جائیں۔ یہاں تک کہ اسے صاحب امر (حضرت مہدی) کے سپرد کرتے ہیں۔ ان کے مقتول شہید ہیں اگر میں ان کے درمیان ہوتا تو اپنے آپ کو اس وقت کے صاحب امر پر قربان کرنے کے لئے باقی رکھتا۔

اسی طرح شاید "سیاہ پرچم جو مشرق سے بلند ہوں گے" والی روایات کو بھی اس حکومت اسلامی پر منطبق کیا جا سکتا ہے۔

ایک روایت میں امام صادقؑ سے نقل ہوا ہے کہ: "یا ابا محمد، لیس یری امة محمد فرجاً ابداً مادام لولد بنی فلان ملک، حتی ینقرض ملکھم، فاذا انقرض ملکھم اتاح اللہ لامة محمد برجل منا اھل البیت، یشیر بالتقی، و یعمل بالھدی، و لایاخذ فی حکمہ الرشا. و اللہ انی لاعرفہ باسمہ و اسم ابیہ، ثم یاتینا الغلیظ القصرة الخ". (۱) یعنی اے ابو محمد! جب تک فلاں قبیلے والے حکومت کرتے رہیں گے امت محمدؐ کے لئے کوئی آسودگی اور نجات نصیب نہیں ہوگی۔ یہاں تک کہ جب ان کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے تو اس وقت اللہ تعالیٰ امت محمدؐ کے لئے ہمارے اہلبیت میں سے ایک مرد عنایت کرے گا جو تقویٰ کی طرف راہنمائی کرے گا اور ہدایت پر عمل کرے گا اور فیصلہ کرتے وقت رشوت نہیں لے گا۔ اللہ کی قسم! میں اسے اس کے نام سے پہچانتا ہوں اور اس کے باپ کے نام کو بھی جانتا ہوں اور اس کے بعد چھوٹے قد اور گھنے بالوں والا شخص ہمارے ہاں آئے گا۔

ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ: "و تقبل رایات من شرقی الارض غیر معلمة. لیست بقطن و لاکتان، و لاحریر، مختوم فی راس القناة بخاتم السید الاکبر، یسوقھا رجل من آل محمد، تظھر بالمشرق الخ ..." (۲) یعنی مشرق سے نشان اور علامت کے بغیر

۱۔ بحارالانوار ج ۵۲ ص ۲۶۹ اقبال الاعمال سے منقول ہے۔

۲۔ بحارالانوار ج ۵۲ ص ۲۷۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پرچم اٹھائے جائیں گے جو کپاس، کتان اور ریشم سے نہیں بنے ہوں گے یہ پرچم نیزوں کی انیوں پر ہوں گے جس پر سید بزرگوار کی مہر لگی ہوگی۔ آل محمدؐ کا ایک فرد ان کی قیادت کر رہا ہوگا وہ مشرق کی طرف سے نمودار ہوں گے۔

الزام الناصب کی ایک روایت میں ہے کہ "الا یاویل بغداد من الری، من موت و قتل و خوف، یشمل اھل العراق اذا حل ما بینھم السیف فیقتل ماشاء اللّٰہ۔ و علامۃ ذلک: اذا ضعف سلطان الروم، و تسلطت العرب، و دبت الناس الی الفتن کدبیب النمل فعند ذلک تخرج العجم علی العرب، و یملکون البصرۃ"۔ یعنی وائے ہو بغداد پر رہنے والے لوگوں سے، اس قتل و غارت اور ڈر و خوف کے باعث جو اہل عراق کو گھیر لیں گے جب ان کے درمیان تلواریں نکل پڑیں گی۔ پس جب تک خدا چاہے گا وہ قتل ہوں گے اس دور کی علامت یہ ہے کہ روم کی بادشاہت کمزور پڑ جائے گی اور عرب تسلط حاصل کر لیں گے اور لوگ چیونٹیوں کی طرح فتنہ و فساد کی طرف بڑھیں گے اس وقت عجم عرب پر حملہ کریں گے اور بصرہ پر قابض ہو جائیں گے۔ شاید یہ وہی موجودہ جنگ ہے جس میں بہت جلد ایرانی بصرہ کو فتح کر لیں گے (انشاء اللہ تعالیٰ)۔

اگرچہ ان روایات کی اسناد میں اشکال موجود ہے اسی طرح مذکورہ فقرات کے سابقہ اور لاحقہ متن میں بھی اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ البتہ ان کے ذکر سے ہمارا مقصد مطلب کی تائید تھا نہ کہ اس پر دلیل پیش کرنا۔

مغرب اور اسرائیل

ان باتوں کے علاوہ اسرائیل کو پروان چڑھانے اور مضبوط بنانے میں مغربی یورپ کا بہت بڑا ہاتھ ہے ایک روایت میں آیا ہے کہ: "و تشب نار بالحطب الجزل من غربی الارض، رافعۃ ذیلھا، تدعو یاویلھا لرحلہ و مثلھا، فاذا استدار الفلک، قلتم مات او ھلک بای و ادسنک، فیومئذ تاویل ھذہ الایۃ: "ثم رددنا لکم الکرۃ علیھم، و امددناکم

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

باموال و بنین، و جعلناکم اکثر نفیرا"۔" (۱) یعنی مغرب کی طرف سے بہت بڑی آگ ایدھن کے ساتھ بھڑک اٹھے گی اپنے دامن اٹھا کر وہ کہے گی وائے ہو ایسی مہاجرت اور اس جیسی پر۔ اس وقت آسمان حرکت کرے گا تم کہتے ہو جہاں بھی وہ جائے گا سب چیزوں کو نابود و ہلاک کر دے گا اس دن اس آیت کی تاویل ہوگی "ثم رددنا لکم الکرۃ علیھم .....الخ۔

فلسطینی اور ان کی سرزمین

اس بحث کے آخر میں کچھ فلسطین والوں کا بھی تذکرہ ہو جائے جو اپنی عزت و شرافت، اپنی سرزمین کی آزادی نیز اپنے دین اور اسلام کی حفاظت کے لئے قربانی دے رہے ہیں۔

ہم فلسطین کی مسلمان قوم پر سلام بھیجتے ہیں اور اس قوم کے غیور اور بہادر مجاہدوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

لیکن اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ بعض تنظیمیں جو نہ تو فلسطینی ملت کی نمائندہ ہیں اور نہ ان سب مجاہد گروہوں کی نمائندگی کرتی ہیں جو اپنے وطن اور حق کی خاطر جہاد میں مصروف ہیں اسلام سے روگردانی اختیار کر چکی ہیں وہ اسے اپنے نظریے اور راہ عمل کے طور پر نہیں اپناتے وہ تو صرف اسلام کا نام جانتی ہیں بلکہ ان کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اسلام سے دور رہیں اور اس سے بیزاری کا اظہار کریں وہ اسلام کو رجعت پسندی اور پسماندگی سے عبارت قرار دیتی ہیں کیونکہ ان کے پیش نظر صرف مادی اور دنیاوی مفادات ہیں یہاں تک کہ انھوں نے مارکسزم کو اپنے نظریے اور عقیدے کے طور پر اپنا لیا ہے اور ظالموں کے لئے برا ٹھکانہ ہے۔

۱۔ بحارالانوار ج۵۲ ص ۲۷۳-۲۷۲ اور ج ۵۱ ص ۵۷ کی طرف رجوع کریں۔

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

لیکن ان مٹھی بھر افراد کے انحراف کی وجہ سے تمام فلسطینیوں کو مذموم قرار نہیں دیا جا سکتا اور امت مسلمہ کے ذہنوں میں ان کے خلاف نفرت ایجاد نہیں کی جا سکتی اگر ایسا ہو تو اس قوم پر یہ ایک اور ظلم ہوگا اور اس تحریک کے حوصلے بھی پست کرنے کا موجب بنے گا کیونکہ جو بھی تحریک انسانی مفاہیم سے خالی ہو جائے تو وہ بظاہری قوت اور جذباتی محرک سے محروم ہو جائے گی کیونکہ ہر انسان کے ذہن میں گاہی یہ بات آتی ہے کہ وہ کیوں جنگ کر رہا ہے اور کیوں (وطن کی آزادی کے لئے) قربانی دے رہا ہے جبکہ زمین قابل خرید و فروش ہے؟ اور یہ خود انسان ہے جس کی اہمیت دوسری سب چیزوں سے زیادہ ہے اور اس کی قیمت باقی اشیاء سے سنگین تر ہے پس وہ کیوں زمین کے ایک ٹکڑے کی خاطر اپنی جان گنوائے، حالانکہ وہ زمین کی بجائے اس کی قیمت لے سکتا ہے اور اپنی توانائیوں اور جان کو اس سے زیادہ اہم اور موثر امور میں صرف کر سکتا ہے۔

نیز وہ یہ سوچ سکتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ کے بارے میں بھی سودے بازی اور نام نہاد وحل کی گنجائش ہونی چاہئے۔ شاید اس گٹھ جوڑ کے نتیجے میں اسرائیلی مسلمانوں کو اپنی مسجد میں داخل ہو کر آزادی کے ساتھ عبادت کرنے سے کسی وقت نہیں روکیں گے خواہ مسجد اسرائیل کے کنٹرول میں ہو یا اقوام متحدہ کے زیر انتظام۔

جی ہاں ممکن ہے یہ تمام خیالات ایک عام انسان کے ذہن میں پیدا ہوں بسا اوقات یہ تصور پاکیزہ ترین معاملات میں انسانی موقف پر بھی اثر انداز ہوتا ہے جب وطن سے لگاؤ کا جذباتی اور انسانی پہلو جدا ہو جائے تو اس کے نتیجے میں سرزمین کی آزادی کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے۔

بنابریں ان مسلمان مجاہدین کے لئے جو اپنے مشن کی حقانیت پر یقین رکھتے ہیں فلسطینی عوام پر گزرنے والے مظالم و مصائب کو ہمیشہ مد نظر رکھنا ضروری ہے تاکہ وہ اپنے مقدس مقصد کی راہ میں رضا و رغبت اور خود داری کے ساتھ قربانی اور فداکاری کے لئے آمادہ ہوں اور اس کے نتیجے میں شعور و آگاہی، پاکیزہ جذبات کے ساتھ، اور یہ دونوں ایمان کے

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ساتھ گھل مل جائیں۔

ذمہ دار افراد اور سیاست دانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے اور اپنی قوم کے مستقبل کو ان منحرف افراد کے ساتھ وابستہ نہ کریں اور ان پر اعتماد نہ کریں کیونکہ یہ منحرف لوگ آخر کار انھیں اپنے ذاتی مفادات کی بھینٹ چڑھا دیں گے نیز ان کے ذریعے خود ان کے خلاف سودا بازی کریں گے۔

www.ziaraat.com
jabir.abbas@yahoo.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

فہرست

مقدمہ ناشر ۵
ضروری وضاحتیں ۷

پیش لفظ
ماضی کا حال سے رشتہ اور نگارش تاریخ ۱۳
کیا ہماری بھی کوئی تاریخ ہے؟ ۱۴
تاریخ کا تجزیہ ۱۵
ہمارا طریقہ کار ۱۶
اہم حقیقت ۱۶

تمہید
صفات النبیؐ ۱۹
دین اور امت سے غداری ۲۰
خطرناک سازش ۲۲
راز پنہاں ۳۴
اموی سیاست کے نتائج ۳۷
روایات کو جانچنے کے اصول ۴۵
تنبیہ ۵۲
طبیعی آغاز ۵۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

پہلا باب
بعثت سے پہلے کے حالات

پہلی فصل: آنحضرتؐ کی ولادت سے پہلے

جزیرہ نمائے عرب کے جغرافیائی حالات	۵۷
جزیرہ نمائے عرب کے شہری	۵۹
عربوں کے اجتماعی حالات	۵۹
عورت دور جاہلیت میں	۶۱
جاہلیت میں عربوں کے حالات کے چند نمونے	۶۳
عربوں کے علوم	۶۴
عربوں کی خصوصیات	۶۶
عربوں کے امتیازات	۶۷
اسلام اور مذکورہ صفات	۷۰
بنائے مکہ کی تاریخ	۷۳
الف: تاسیس کعبہ	۷۳
ب: ابراہیمؑ کی دعا	۷۵
ج: کعبہ کا احترام	۷۶
کعبہ اور بت	۷۹
تولیت کعبہ	۸۱
قریش کا مرتبہ	۸۳
میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں	۸۵
چند قابل غور نکات	۸۹
بداء ـــ شیعہ نقطہ نظر سے	۹۳
توضیح اور تمثیل	۹۶

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ایک سوال اور اس کا جواب ۹۷
یہود اور بداء ۹۹

دوسری فصل، آنحضرتؐ کی ولادت سے بعثت تک

رسول اکرمؐ کا نسب گرامی ۱۰۳
نبی اکرمؐ کی ولادت ۱۰۴
ایک اہم یاددہانی ۱۰۵
نبی اکرمؐ کی جائے ولادت کا حال ۱۰۷
رسول اکرمؐ کی رضاعت ۱۰۷
حدیث شق الصدر ۱۱۰
روایت کا جائزہ ۱۱۱
اس روایت کے متعلق ہمارا نظریہ ۱۱۳
عیسائی اور حدیث شق الصدر ۱۱۶
روایت کی بنیاد جاہلیت ۱۱۸
نبی اکرمؐ کی کفالت ۱۱۹
بحیرا اور شام کا پہلا سفر ۱۲۲
جھوٹی روایت ۱۲۲
حدیث گھڑنے کی وجہ ۱۲۴
بحیرا کے واقعہ میں چند اشارے ۱۲۵
حضور اکرمؐ کی جنگ فجار میں شرکت ۱۲۷
جعلی روایات کا کھیل ۱۲۹
حلف الفضول ۱۳۰
حلف کا سبب ۱۳۱
بنوامیہ اور حلف الفضول ۱۳۲

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قابل توجہ نکتہ ۱۳۵
حلف الفضول کے بارے میں چند اہم نکات ۱۳۶
حضور اکرمؐ کا بکریاں چرانا ۱۴۴
نکتہ ۱۴۶
شام کا دوسرا سفر ۱۴۸
رسول اکرمؐ کی حضرت خدیجہ (س) سے شادی ۱۵۱
حضرت ابو طالبؑ اور خواستگاری ۱۵۳
حضرت ابو طالبؑ کے کلمات پر ایک نظر ۱۵۸
قریش کا یتیم ـ واضح جھوٹ ۱۵۹
کیا آپؐ نے دولت کے لالچ میں شادی کی؟ ۱۶۱
خدیجہ (س) ـ ایک اعلیٰ نمونہ ۱۶۲
قریشی عورتوں میں خدیجہ (س) کا مقام ۱۶۲
کیا حضرت خدیجہ (س) کنواری تھیں؟ ۱۶۳
کیا عثمان کی دو بیویاں پیغمبرؐ کی بیٹیاں تھیں؟ ۱۶۷
کیا زینب رسول اللہؐ کی بیٹی تھی یا ربیبہ ۱۶۹
علیؑ کے رقیب ۱۷۰
رسول اللہؐ سے شادی کے وقت حضرت خدیجہ (س) کی عمر مبارک ۱۷۱
امیرالمومنینؑ کی تاریخ ولادت ۱۷۱
دو ہاشمیوں سے متولد ہونے والا پہلا ہاشمی ۱۷۴
امیرالمومنینؑ کی کعبہ میں ولادت ۱۷۵
حکیم بن حزام کیوں؟! ۱۷۸
خانہ کعبہ کی تعمیر ۱۷۹
حجرالاسود کی تنصیب ۱۸۲
اہم نکات ۱۸۳
ایک جسارت ۱۸۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

ہائے میرے کپڑے! ۱۹۱
حضرت عثمان کی حیا ۱۹۳
اہل کتاب اور انبیاء کی برہنگی ۱۹۶
ولادت حضرت فاطمہ (س) بنت رسول اللہؐ ۱۹۷
صحیح نظریہ ۱۹۸

تیسری فصل، تذکرہ سیرت سے پہلے کچھ باتیں

پہلی بات، نبی اکرمؐ کے آباء و اجداد (حضرت آدمؑ تک) کا ایمان ۲۰۵
اس موضوع پر بعض دلیلیں ۲۰۶
حضرت ابراہیمؑ کا اپنے باپ کیلئے طلب مغفرت کرنا ۲۰۹
میرا اور تمہارا باپ جہنم میں ہیں ۲۱۱
قابل توجہ نکتہ ۲۱۲
عجیب نکتہ ۲۱۵
دوسری بات، بعثت سے پہلے پیغمبرؐ کا دین ۲۱۷
بعض افسانے ۲۲۰
بتوں کو چومنا یا تبرکاً چھونا ۲۲۲
تیسری بات، ایک تحریک کی شرائط ۲۲۵
چوتھی بات، اسلام کی ترویج و اشاعت کے عوامل ۲۳۱
۱۔ مقام دعوت ـــ مکہ ۲۳۱
۲۔ رسول اللہؐ کی ذاتی خصوصیات ۲۳۳
۳۔ اجتماعی حالت ۲۳۷
۴۔ حضورؐ کے معجزے کی نوعیت ۲۳۸
۵۔ آنحضرتؐ کی نبوت کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی بشارتیں ۲۴۰
اہل کتاب کے رہائشی علاقے ۲۴۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

اہل کتاب اور عربوں پر ان کا عملی دبدبہ ۲۴۴
۶۔ سیاسی اور نظریاتی خلاء ۲۴۷
۷۔ دشوار زندگی اور جاں نثاری ۲۵۱
۸۔ عربوں میں دین حنیف کے باقیماندہ اثرات ۲۵۲
۹۔ عربوں کی خصوصیات اور عادات ۲۵۴
۱۰۔ ابوطالبؑ اور علیؑ کی شجاعت اور خدیجہ (س) کی دولت کا کردار ۲۵۵
قابل توجہ نکتہ ۲۵۶

دوسرا باب
بعثت سے اعلانِ نبوت تک

پہلی فصل، بعثت

بعثت کے وقت رسول اللہؐ کی عمر مبارک ۲۶۳
بعثت کا مہینہ رجب یا رمضان اور نزول قرآن کی کیفیت ۲۶۴
ہماری رائے ۲۶۷
نتیجہ ۲۶۸
آغاز وحی ۲۷۱
قرآن کا اعجاز ۲۷۲
دلیل ۲۷۵
بلاغت قرآن ۲۷۷
بلاغت ۲۷۷
اعجاز اور بلاغت کا ارتباط ۲۷۸
توضیح اور تطبیق ۲۷۸
ترجمہ اور تفسیر قرآن ۲۸۳

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

قرآن کا ظاہر و باطن	۲۸۵
محکم و متشابہ	۲۸۷
تاویل	۲۹۱
حروف مقطعات	۲۹۳
آغاز وحی کی روایات	۲۹۶
آغاز وحی کی روایات پر اعتراضات	۳۰۳
دیگر اعتراضات	۳۱۸
نبوت پر ایک اور ضرب	۳۱۹
آغاز وحی کی حقیقی صورتحال	۳۲۲
جھوٹ اور بناوٹی باتیں کیوں	۳۲۳
نتیجہ	۳۲۹

دوسری فصل: خفیہ دعوتِ اسلام

پہلا مسلمان	۳۳۳
علیؑ کی اسلام میں سبقت	۳۳۵
امیرالمومنینؑ کے صریح بیانات	۳۳۷
ایک دلیل اور	۳۳۸
حرف آخر	۳۳۹
خدیجہ(س) کو اولین مسلمان قرار دینا	۳۴۰
ابوبکر کی اسلام میں سبقت	۳۴۱
توافق کی ناکام کوشش	۳۴۷
ان کا ہدف	۳۴۹
موازنہ اور ہدف	۳۵۰
ابوبکر کی دعوت پر مسلمان ہونے والے	۳۵۱
ابوبکر کے رول (کردار) پر زور کیوں؟	۳۵۷

Contact : jabir.abbas@yahoo.com http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

کیا عمیر بن ابی وقاص اولین مسلمانوں میں سے تھے؟ ۳۵۸
ابو قحافہ کا قبول اسلام ۳۵۸
دعوت کے مراحل ۳۵۹
خفیہ مرحلہ ۳۶۰
نبی اکرمؐ اور دارالارقم ۳۶۱
قریش اور رسول اللہؐ دعوت کے خفیہ مرحلہ کے دوران ۳۶۳
حضرت ابوذرؓ کا قبول اسلام ۳۶۳
ابوذرؓ کے قبولِ اسلام کے واقعے سے حاصل ہونے والے نتائج ۳۶۶

تیسری فصل، اسراء اور معراج

اسراء اور معراج ۳۷۳
اسراء اور معراج کی تاریخ ۳۷۳
قابل توجہ نکتہ ۳۸۰
اسراء اور معراج ـــ خواب میں یا بیداری میں ۳۸۱
اسراء اور معراج ـــ قرآن کی روشنی میں ۳۸۴
ایک سوال اور اس کا جواب ۳۸۵
لاتدرکہ الابصار ۳۸۷
سیر کی ابتداء مسجد سے ۳۹۳
حضرت موسیٰؑ اور پنجگانہ نمازیں ۳۹۳
اسراء اور معراج میں تعجب ۳۹۶
اسراء اور معراج کے مقاصد ۳۹۷
اذان ۴۰۰
قرآن میں یہودیوں اور مسجد کا تذکرہ ۴۰۰
آیات کا اجمالی مفہوم ۴۰۱
راویوں اور مفسروں کے اقوال ۴۰۵

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas

Presented by: Rana Jabir Abbas

علامہ طباطبائی کی رائے	۳۰۶
آیات کے بارے میں ایک اور قول	۳۰۸
ایک اور نظریہ	۳۰۹
نظریہ دیگر	۳۰۹
ایک اور نظریہ	۳۱۲
دیگر روایات	۳۱۳
سب سے بہتر نظریہ	۳۱۴
وہ اہل قم ہی ہیں	۳۱۵
طولانی جنگیں	۳۱۵
دیگر روایات	۳۱۶
مغرب اور اسرائیل	۳۱۸
فلسطینی اور انکی سرزمین	۳۱۹
فہرست	۳۲۲

jabir.abbas@yahoo.com
www.ziaraat.com
Sabeel-e-Sakina

Contact : jabir.abbas@yahoo.com
http://fb.com/ranajabirabbas